یا اللہ جل جلالہٗ

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)
اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سینکڑوں مسائلِ شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ

المجلد الثامن عشر

تصنیف
فخر المتاخرین العالم العارف باللّٰہ
مفسر کلام اللّٰہ تعالیٰ و خادم حدیث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
الشیخ السید احمد علی شاہ
الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی
النقشبندی الجشتی القادری السهروردی

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ
فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

(ا) باب نمبر ایک: مسئلۂ ایصالِ ثواب کے بیان میں

نفسِ مسئلہ سے متعلق بنیادی تصورات

اسلام حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا لایا ہوا وہ دینِ مبین ہے جس میں دنیوی واخروی سعادتیں انسان کے لئے ہمہ وقت موجود رہتی ہیں۔ ان سعادتوں میں نیکی وہ بنیادی تصور ہے جس کے وسیع دائرے میں صبح وشام کے ہزاروں اعمال داخل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں انجام کا دار ومدار ان ہی اعمال پر رکھا ہے۔ یہ اعمال جس طرح خود انسان کے اپنے کام آتے ہیں اسی طرح یہ دوسروں کی بخشش ومغفرت کا باعث بھی بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ایصالِ ثواب کی اصطلاح ہر دور میں معروف رہی ہے۔

ایصالِ ثواب کا مفہوم

ایصالِ ثواب سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی عملِ صالح کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے۔ جمور مسلمانوں کے نزدیک کسی انسان کا اپنے کسی نیک عمل کا ثواب زندہ یا مردہ کو پہنچانا درست اور جائز عمل ہے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا تلاوتِ قرآن یا ذکر یا طواف یا حج وعمرہ یا اس کے علاوہ کوئی بھی نیک عمل۔

فقۂ حنفی کے مشہور امام علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فللإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره عند أهل السنة والجماعة صلاة أو صوما أو حجا أو صدقة أو قراءة قرآن أو الأذکار أو غیر ذلک من أنواع البر ویصل ذلک إلی المیت وینفعه۔

اہل سنت کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی انسان اپنے عمل کا ثواب کسی غیر کو پہنچائے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا حج یا صدقہ وخیرات ہو یا تلاوتِ قرآن یا ذکر یا اس کے علاوہ نیک اعمال میں سے کوئی بھی عمل ہو۔ اور ان اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور اسے فائدہ بھی دیتا ہے۔[1]

لہٰذا شریعتِ اسلامیہ میں یہ طے شدہ امر ہے کہ ایک شخص کی دعا اور نیک عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے، ایک کی نیکی سے دوسرے کو برکت ملتی ہے۔ ایک کی شفاعت سے دوسرے کی بخشش ہوتی ہے اور ایک کی کوشش سے دوسرے کو درجات میں بلندی نصیب ہوتی ہے۔

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح، ص ۳۷۶)

جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِینَ جَاءُوا مِنۡ بَعۡدِهِمۡ یَقُولُونَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَانِنَا الَّذِینَ سَبَقُونَا بِالۡإِیمَانِ (الحشر ۱۰)

ترجمہ: اور وہ جو اُن کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

باری تعالیٰ نہ صرف ہماری ہی بخشش فرمابلکہ جو ایمان لانے والے ہم سے پہلے گزر گئے ان کی بھی بخشش فرما۔ اس طرح وہ اپنی بخشش بھی مانگتے ہیں اور اپنے اگلوں کی بخشش کی بھی دعا کرتے ہیں۔

فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شاہد ہے کہ:

أمتِي أمةمَرۡحُومَةتدخل قبورها بذنوبهاوَتخرج من قبورها لَا ذُنُوب عَلَيۡهَا يمحص عَنۡهَا باستغفار الۡمُؤمنِينَ لَهَا۔

ترجمہ: میری اُمت اُمتِ مرحومہ (جس پر بے پایاں رحم کیا گیا ہے) کے لوگ اپنی قبروں میں اپنے گناہوں کے ساتھ داخل ہوں گے اور جب قبروں سے نکلیں گے تو ایک گناہ کا بوجھ بھی ان پر نہ ہو گا۔ یہ اس وجہ سے ان کے بعد دنیا میں زندہ مؤمنین ان کے لئے دعائے استغفار کرتے رہیں گے۔[1]

دعائے مغفرت سے جو بخشش کے محتاج ہوتے ہیں ان کی بخشش کی جاتی ہے۔ رہی یہ بات کہ جکو بخشے جا چکے ہوتے ہیں ان کے حق میں دعائے مغفرت کا معنی کیا ہے؟ تو ان کے حق میں دعائے مغفرت کا معنی یہ ہے کہ ان کے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔ یہ بالکل وہی فلسفہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم معصوم عن الخطاء ہو کر بھی دن میں ۱۰۰ مرتبہ استغفار فرمایا کرتے تھے۔ گناہوں سے پاک ہو کر بھی گناہوں کی بخشش مانگتے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے گناہوں کی بخشش کا سوال نہ تھا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رحمت کا اپنا تو یہ عالم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سبب سے تو اگلے بھی بخشے گئے اور پچھلے بھی بخشے گئے۔

قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح ۲)

ترجمہ: تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اس کے باوجود اپنے لئے بخشش کی دعا مانگنا رفع درجات کے لئے تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے متقین، صالحین، برگزیدہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء انتقال کر جاتے ہیں وہ تو خود بخشے جا چکے ہیں ان کے لئے

[1] (شرح الصدور، ج ۱، ص ۲۹۸، الناشر: دار المعرفة-لبنان)

بخشش کی دعا کرنا اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کرنا بلندیٔ درجات کے لئے ہوتا ہے، اور درجات کی بلندی کی تو کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو اگر قُربِ الٰہی کے بلند درجات نصیب ہیں تو ہمارے صدقہ و خیرات سے ان کا ایک درجہ مزید اونچا ہو جائے گا۔ ایصالِ ثواب کے اس عمل کے جواب میں وہ ہمارے لئے نیک دعاؤں کا تحفہ لوٹائیں گے۔

دنیا اور آخرت میں تحفوں کا تبادلہ

قرآن کا یہ قاعدہ ہے کہ جب تم کسی کو سلام کا جواب دو تو کم از کم اسے اُسی شان سے لوٹایا کرو اور بہتر یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقے سے لوٹایا کرو۔

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو فرمایا گیا:

وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا (النساء ٨٦)

ترجمہ: اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔

اسی لئے اگر کوئی کسی کو السلام علیکم کہے تو اسے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا چاہیئے یعنی اگر کوئی سلامتی کا تحفہ دے تو سلامتی کے ساتھ برکت اور رحمت کا تحفہ دیا کرو۔ لہٰذا جب ہم اللہ کے برگزیدہ اور مقرب بندوں، انبیاء، اولیاء اور صلحاء کی بلندیٔ درجات کے لئے قرآن خوانی، صدقہ خیرات، دعا اور نیک اعمال کے ثواب کا تحفہ بھیجیں گے تو وہ اس کے جواب میں قرآن کے اس حکم کے مطابق بہتر تحفہ ہماری طرف کیوں نہیں لوٹائیں گے؟ جبکہ وہ اتنے سخی ہیں کہ بغیر تحفوں کے بھی ہمارے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے قرآن خوانی، صدقہ و خیرات اور نیکی اور تقویٰ کے ثواب کا تحفہ پیش کرتا ہے تو مزارِ پُر انوار میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دستِ اقدس اُٹھ جاتے ہیں کہ باری تعالیٰ! تیرے بندے نے میرے لئے بلندیٔ درجات کا یہ تحفہ دیا ہے تو میری طرف سے اسے بخشش کا تحفہ عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شفاعت کا تحفہ عطا فرما، اپنے قرب کا تحفہ عطا فرما۔ یہ تحفوں کا باہمی تبادلہ جس طرح دنیا میں چلتا ہے اسی طرح آخرت میں بھی جاری رہتا ہے۔

امت کی بخشش کے لئے نظامِ شفاعت

ا۔ شفاعتِ کبریٰ

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو شفاعتِ کبریٰ کا منصبِ جلیلہ عطا فرمایا جبکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاءِ عظام اور صالحین مؤمنین رحمہم اللہ تعالیٰ کو شفاعتِ صغریٰ کی نعمت دے کر پوری اُمت کے لئے شفاعت کا ایک نظام عطا کیا۔ ایک حدیثِ صحیح میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں دو چیزیں تجھے عطا کرتا ہوں ان دو چیزوں میں سے جو چاہے تو لے لے۔ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تو اگر چاہے تو تیری آدھی اُمت کو بغیر حساب کتاب کے بخش دیا جائے اور اگر چاہے تو تجھے شفاعت کا حق دے دیں کہ جس جس کی تو شفاعت کرے اسے میں بخشتا جاؤں۔

قربان جائیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شانِ رحمت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " خُيِّرْتُ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ، أَوْ يَدْخُلُ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ، فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو میں شفاوعت کا حق لے لوں یا میری آدھی اُمت بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کی جائے پس میں نے شفاعت کا حق لے لیا۔[1]

اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دیکھا کہ پہلی صورت میں آدھی اُمت پہ جا کر بخشش کی حد ختم ہو جاتی ہے جبکہ شفاعت کا حق ملنے کے بعد میں جب تک چاہوں گا جس کو چاہوں گا بخشواتا رہوں گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو شفاعت کا حق عطا فرمایا، اب روزِ قیامت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے گنہگار اُمتی کی بخشش کے لئے یہی حق استعمال فرمائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے راضی ہونے تک بخشش فرماتا جائے گا۔

[1] (مسند أحمد، ج ۹، ص ۳۲۷، الناشر: مؤسسة الرسالة)

جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیکَ رَبُّکَ فَتَرْضَی (الضحٰی ۵)

ترجمہ: اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اے محبوب! جنت اور دوزخ کے بنانے میں ہمیں خود کوئی حاجت نہیں، کوئی نیک ہو یا بد ہماری ربوبیت کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچاتا۔ کوئی سجدہ کرے یا نہ کرے میری خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میں شانِ صمدیت کا مالک ہوں، میں بے نیاز ہوں۔ محبوب! یہ ساری بزمِ دنیاوآخرت تیرے لئے ہی سجائی ہے، تونے اگر شفاعت مانگی ہے تو دیکھ ہم تجھے یوں شفاعت عطا کریں گے کہ جب تک تیرے ہاتھ دعا کے لئے اُٹھتے رہیں گے بخشش کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پوچھا گیا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ تعالیٰ نے یہ جو وعدہ کیا ہے کہ محبوب! جب تک تو راضی نہ ہو گا اس وقت تک تجھے عطا کریں گے۔ تو آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ کب راضی ہوں گے؟ فرمانے لگے مجھے رب کی عزت کی قسم! اگر میری اُمت کا ایک فرد بھی جہنم میں رہ گیا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔ آخری اُمت کی بخشش پر جا کر میری رضا کا سلسلہ ختم ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم شفاعت فرماتے جائیں گے اللہ تعالیٰ اُمت کو بخشا جائے گا۔

حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ:

فَأَقُولُ یَا رَبِّ ائْذَنْ لِي فِیمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ فَیَقُولُ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِیَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

ترجمہ: میں عرض کروں گا اے میرے رب! مجھے ان کی اجازت بھی دیجیئے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے۔ پس (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا کہ مجھے اپنی عزت، اپنے جلال، اپنی کبریائی اور عظمت کی قسم ہے۔ میں ضرور دوزخ سے انہیں بھی نکال دوں گا جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے۔[1]

یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بداعمالیوں پر قبر وآخرت میں سزا کا سلسلہ کہاں گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بداعمالیوں پر سزا کے نظام کو گزار کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شفاعت بالآخر ہر اُمتی کو بخشوالے گی۔ اگر شفاعت نہ ہوتی تو بداعمالیوں پر ہمیشہ سزا ملتی۔ یہ شفاعت ہے کہ ہمیشہ کی سزا کی بجائے شفاعت کے صدقے بخشش نصیب ہو گی۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج۲۳، ص۳۰، المکتبۃالفاروقیۃ)

۲۔شفاعتِ صغریٰ

اللہ رب العزت نے شفاعت کا حق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اُمت کے لئے بھی مختص فرمادیا۔ ایک شفاعتِ کبریٰ عطا کردی ایک شفاعتِ صغریٰ دی۔ شفاعتِ کبریٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے مقامِ محمود کی شان کے مطابق مختص ہوگی اور شفاعتِ صغریٰ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہر نیک اور صالح اُمتی کے لئے مختص ہوگی۔ قرآن پڑھنے والوں کی قرآن شفاعت کرے گا، روزے رکھنے والوں کی روزہ شفاعت کرے گا، حجرِ اسود کو بوسہ دینے والوں کی حجرِ اسود شفاعت کرے گا کہ باری تعالیٰ اس کے لب مجھ سے لگے تھے، کعبہ بھی شفاعت کرے گا، اولیاء بھی شفاعت کریں گے، صلحاء بھی شفاعت کریں گے، نیک اولاد بھی شفاعت کرے گی۔ یہاں تک کہ معصوم بچہ بھی شفاعت کرے گا۔ ہم کس طرح شفاعت کے تصور کا انکار کرسکتے ہیں؟ جب معصوم بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اس کی شفاعت مانگی جاتی ہے کہ اس معصوم بچے کو آخرت میں ہماری شفاعت کرنے والا بنادے۔ یہ نمازِ جنازہ کی دعا ہے اگر بچے شفاعت نہ کر سکتے ہوں تو نمازِ جنازہ کی دعا کے لئے عبارت عبث اور لغو ہو جاتی ہے۔

کسی پیاسے کو پانی پلا دیا تو وہ بھی شفاعت کرے گا۔ کسی زخمی کُتے کی مرہم پٹی کردی تو یہ عمل بھی شفاعت کا باعث بن جائے گا، کسی بیمار کی عیادت کردی تو یہ عمل بھی شفاعت کا مؤجب ہو جائے گا۔

یہ جو فرمایا: **فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ** میں نے شفاعت کو منتخب کرلیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُمت کی بخشش کے لئے شفاعت کا جال بچھا دیا۔ ہر کسی کے لئے شفاعت کے ہزاروں راستے مہیا فرمادیئے۔ اور جب کسی کی شفاعت بھی کام نہ آئے گی تو مکینِ گنبدِ خضراء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اُٹھ کر شفاعتِ کبریٰ کا جھنڈا اٹھالیں گے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے ستر ہزار افراد، نیکوکار، صلحاء بغیر حساب کے بخشے جائیں گے اور پھر ان میں سے ہر ہر فرد مزید ستر افراد کو بغیر حساب کتاب کے بخشوائے گا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ الْأَلْهَانِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا۔

ترجمہ: حضرت محمد بن زیاد الالہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو امامہ سے سُنا انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری اُمت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور پھر ستر ہزار افراد کے ساتھ مزید ستر ہزار افراد پر بھی عذاب نہیں ہو گا۔[1]

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۲۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا میری اُمت پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی احسان ہو گا کہ آخرت کے عذاب کو قبر کی صورت میں ختم کر دیا جائے گا۔ قبر میں سزا دے کر قبروں سے یوں اٹھایا جائے گا کہ ان کا حساب کتاب ہو چکا ہو گا۔ اور جب وہ قیامت کے میدان میں آئیں گے تو صرف میری سر پر ہی شفاعت کا سہرا ہو گا۔ پس شفاعت کے اس نظام کو قائم کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچے، ایک کی نیکی سے دوسرے کو برکت ملے، ایک کی کوشش سے دوسرے کو عذاب اور مصیبت سے نکالا جائے، یہ سارا تصور ایصالِ ثواب کا ہے، اگر عمل غیر سے انتفاع جائز نہ ہوتا، ثواب نہ پہنچتا تو اللہ تعالیٰ کبھی یہ نظام عطانہ فرماتا اس لئے کہ فطرت کے نظام میں وحدت ہے۔ اس نظام میں کسی جھول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مُردوں کے پیچھے صدقات کرنا اور اسی طرح نفلی روزہ اور حج یعنی ہر وہ کام جو ذی ثواب ہو، اس کا ثواب فوت شدہ لوگوں کے لئے ایصال کرنا جماہیر اہل سنۃ وجماعۃ کے نزدیک جائز ہے۔

آج کل جتنے بھی صدقات کے مخالفین اور منکرین ہیں لوگوں کے ذہنوں میں یہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ ہم تو ایصال ثواب کے منکر نہیں ہیں ہم تو صرف پہلے دن اور دوسرے دن صدقات کے منکر ہیں اور یہ اہل السنۃ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ در حقیقت ایصالِ ثواب کے منکر اعتزال کے عقیدہ پر ہیں کہ معتزلہ ایصال الثواب الی الاموات کے منکر ہیں۔

اور مُردوں کے پیچھے دُعا کرنے کے بھی منکر ہیں، اگر ان دنوں میں نہ ہو، مہینہ دو مہینہ سال بعد بھی ہو ختم قرآن کی صورت میں وغیرہ کے بھی تو مخالف ہیں۔

ہر خیر کا کام جو مُردہ کے پیچھے کیا جائے اسے ناجائز کہتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایصالِ ثواب کے منکر ہیں۔

معتزلہ جو ایصال الثواب الی الاموات کے منکر ہیں ان کے اقوی ادّلہ میں سے ایک دلیل قرآن عظیم الشان کی یہ آیت ہے:

وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹)

ترجمہ: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

اور احادیث میں سے یہ حدیث دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ:

إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة۔

مذکورہ آیت اور حدیث مبارکہ معتزلہ کے اقویٰ ادلہ میں سے ہیں۔

ایصالِ ثواب کے منکرین جتنے بھی جماعات ہیں وہ جب بھی ایصالِ ثواب کا رد کرتے ہیں تو استدلال میں یہی آیت اور حدیث پیش کرتے ہیں۔

تو مسئلہ ایصال الثواب الی الأموات کو ایسا مسئلہ نہ سمجھا کرو کہ یہ تو صدقات ہیں کوئی کرے یا نہ کرے، یہ تو یقینی بات ہے کہ ایصالِ ثواب ایک مستحب عمل ہے کرنے سے اجر ملتا ہے نہ کرنے سے عقاب نہیں ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ ایصال الثواب الی الأموات کو جائز اور ناجائز کہنے میں فرق ہے۔ آپ مان لو کہ صدقات کرنا جائز عمل ہے پھر بعد میں نہ کرو وہ پھر علیحدہ بخلاء اور سخاوت کرنے والوں کا فرق ہے۔ ایک اختلاف اہل سنت اور معتزلہ کا ہے، اس میں فرق ہے، سخی لوگ صدقات اور خیرات کرتے بھی ہیں اور اسے مانتے بھی ہیں اور بخلاء صدقات اور خیرات کرتے نہیں لیکن جائز کہتے ہیں۔

ایک اہل سنت اور معتزلہ ہیں، اہل سنت صدقات اور خیرات کو جائز سمجھتے ہیں، معتزلہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔

اب جو اس کے منکر ہیں صدقات و خیرات کو جائز نہیں کہتے وہ اس عقیدے میں معتزلہ کے پیچھے گئے ہیں۔

شرح عقائد کے متن میں ذکر ہے:

وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم أي: صدقة الأحياء (عنهم) أي: عن الأموات (نفع لهم) أي: للأموات خلافاًللمعتزلة۔

زندوں کا مردوں کے لئے دعا کرنا اور ان کے پیچھے صدقات کرنا ان کے لئے (اہل سنت کے مذہب پر) نفع مند ہے اور اس کے خلاف معتزلہ ہیں۔[1]

بعد میں حوالہ جات ذکر ہوں گے کہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہ ہی ذکر کیا ہے کہ یہ اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے اور مخالف اس کے معتزلہ ہیں، مراقی الفلاح نے بھی ذکر کیا ہے۔

معتزلہ نے قرآن عظیم الشان کی اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ:

وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹)

یہاں پر ایک فرق سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک نیابت عن الاموات اور عن الغیر ہے جیسے کہ کوئی شخص نیابت کی نیت سے کسی کے فرائض کو ادا کرنا چاہے جو اس نے نہ کئے ہوں یا کوئی نیک عمل (جیسے نماز وغیرہ) کرکے جو اس مردے پر لازم نہ ہو اور کسی مردے کو اس کا ثواب بخش دیتا ہے۔

[1] (شرح العقائد للنسفی، ج ۱، ص ۳۴۴، الناشر: دائرة البركات، كهوسي (بالكاف الفارسي)، اعظم كرهـ، الهند)

عبادتِ بدنی محض، عبادتِ مالی محض اور مشترک بینھما کی تفصیل

انابت کے مسئلہ میں وہ اعمال جو ذی اجر ہیں احناف اسے تین قسموں کی طرف تقسیم کرتے ہیں۔ کچھ عبادتِ بدنی محض ہیں اور کچھ عبادتِ مالی محض اور کچھ مشترک بینھما ہیں۔

عبادتِ بدنی محض کی مثال جیسے: صلوٰۃ، صوم۔

عبادت مالی محض کی مثال جیسے: زکوٰۃ، صدقہ فطر۔

عبادتِ مشترک بینھما کی مثال جیسے: حج۔

عبادتِ بدنی میں احناف نیابت کو جائز نہیں سمجھتے۔ مثال کے طور پر کہ ایک شخص فوت ہوا اور اس پر فرض نمازیں رہتی ہیں اب اس شخص کے گھر والے نیابتاً ان نمازوں کو اپنے وفات شدہ شخص کی طرف سے نہیں ادا کرسکتے یا وفات شدہ شخص پر رمضان کے روزے رہتے ہوں اقرباء گھر والے فوت شدہ شخص کی طرف سے ادا کرنا چاہیں نہیں ادا کرسکتے بلکہ اس کے بدلے میں فدیہ دیں گے۔

جمہور کا مذہب یہ ہے جو صوم کے باب میں ذکر کرتے ہیں کہ نیابتاً فوت شدہ شخص کی طرف سے فدیہ دے سکتے ہیں مگر روزے نہیں رکھ سکتے۔

علماء ظواہر اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ رائے ہے کہ روزہ میں نیابت ہوسکتی ہے اور استدلال صام عنہ ولیہ کی حدیث سے کرتے ہیں کہ جو شخص فوت ہوجائے اور اس پر روزے رہتے ہوں تو صام عنہ اس کی طرف سے اس کے گھر والے روزے رکھیں، لیکن جمہور علماء کفارہ کی نصوص کی طرف ذہاب کرتے ہیں کہ جو شخص کمزور ہوجائے اور عبادت نہ کرسکے اور ہو وہ حیات وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرة ۱۸۴) تو اس کی طرف سے فدیہ دیا جائے اور یہ نص سے ثابت ہے۔

جو کوئی شخص فوت ہوجائے وہ بالکل معذور ہوجاتا ہے تو وہاں پر بھی یہی حکم ہے: فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرة ۱۸۴)

اور نماز کے بارے میں سب متفق ہیں کہ کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی کیونکہ یہ عبادت بدنی ہے۔ علماء ظواہر امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی نماز کے بارے میں یہی فرماتے ہیں کہ یہ عبادت بدنی ہے اس لئے اور کی طرف سے نہیں ادا کی جاسکتی، تو ہم کہتے ہیں کہ صوم بھی تو عبادت بدنی ہے؟

دوسری عبادت مالی محض ہے اس میں نیابت مطلقاً جائز ہے، باتفاق العلماء۔

مثلاً ایک شخص فوت ہو جائے اور اس پر زکوٰۃ رہتی ہو یا صدقہ ٔفطر ان کے وارث نیابتاً کر سکتے ہیں کہ مورث سے زکوٰۃ اور صدقہ ٔفطر ادا کریں۔

تیسرے نمبر پر **مشترک بینھما** ہے۔ **مشترک بینھما** کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ توصی اور امر کی صورت میں جائز ہے اور غیر توصی اور غیر امر کی صورت میں جائز نہیں۔ جیسے کہ حج کوئی شخص کمزور ہو گیا، امر کیا یا وصیت کی کہ میری طرف سے حج ادا کیا جائے ایسے شخص کی طرف سے حج ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر وصیت نہیں کی ہے تو پھر ایسے شخص کی طرف سے حج نہیں ادا کیا جا سکتا۔

باقی رہا اثابت کا مسئلہ اگر وہ عبادت بدنی ہوں جیسے صوم، صلوٰۃ یا مالی یا نفلی خیرات اور لسانی عبادات یا تلاوت جملہ کار خیر ہوں یا مشترک بینھما جو کہ حج و عمرہ ہے تو یہ سب اثابتاً کسی کی طرف سے اہل سنت وجماعت عند الاحناف جائز ہیں۔ مذکورہ تفصیل میں نے اس لئے ذکر کی ہے کہ کہیں فقہ کی کسی عبارت کی وجہ سے دھوکہ نہ کھا جائیں کیونکہ فقہ میں ایسی عبارات ہیں کہ مردہ کی طرف سے نماز نہیں ادا کی جا سکتی، روزہ نہیں رکھا جا سکتا۔

اگر آپ لوگ انابت اور اثابت میں فرق نہیں کریں گے تو ایسا نہ ہو کہ کسی فقیہ کے قول کو اس پر حمل کر دینا کہ صدقات اور خیرات اور روزے غیر کی طرف اثابت کی نیت سے کرنا نا جائز ہے۔

حالانکہ وہ اقوال فقہاء نے نیابت کے بارے میں کئے ہیں کہ نیابتاً کسی کی طرف سے نماز روزہ جائز نہیں۔ یعنی نماز اور روزہ میں کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے غائب نہیں بن سکتا۔

جمہور علماء اثابتاً اعمال بدنی اور مالی جائز سمجھتے ہیں اہل سنت میں سے صرف امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسئلہ ٔقرأت میں مخالف ہیں کہ کسی مردہ کو قرأت کا ثواب نہیں ایصال کر سکتے۔ اس میں امام شافعی جمہور کے مخالف ہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں ان کو نص نہ ملی ہو گی۔

لیکن متاخرین امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے اور عمدہ محققین آپ کے مذہب کے جیسے کہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شافعی المذہب نے جمہور کی رائے کو ترجیح دی ہے کہ تلاوت کے ثواب کو اموات کی طرف بخش سکتے ہو۔

ایصال الثواب کے منکرین کا **وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹)** سے استدلال کرنا اس سے مفسرین نے آٹھ جوابات کئے ہیں اس آیت کے تحت اگر تم لوگ تفسیر قرطبی کو مطالعہ کرو تو یہ آٹھ جوابات وہاں مل سکتے ہیں، اسی طرح روح المعانی نے بھی ذکر کئے ہیں۔

مذکورہ آیت پر جس نے زیادہ تفصیل بیان کی ہے وہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر مظہری پر کی ہے اور آپ نے جملہ نصوص حج اور عمرہ اور صوم اور دعا اور خیرات اور تلاوت جتنی نصوص ہیں، سب اسی مقام پر جمع کی ہیں۔

اگر تفسیر مظہری کو اس آیت کے تحت مطالعہ کیا جائے تو پھر اور کتابوں کو دیکھنے کی زیادہ ضرورت نہیں پڑے گی۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی نفسِ مسئلہ سے متعارض نہیں

عام طور پر لوگ اس ارشاد باری تعالیٰ کے حوالے سے ایصالِ ثواب سے انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وَأَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم ۳۹)

ترجمہ: اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔

اس آیت کریمہ کی رو سے ایصالِ ثواب کے تصور پر بعض ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ انسان جو عمل خود کرتا اس کی کمائی، اس کا اجر اور اس کا صلہ اسے مل جاتا ہے اور اس کے سوا وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا۔ جبکہ ایصالِ ثواب میں نیکی، صدقہ وخیرات کوئی اور کرتا ہے اور اس کا اجر اور پھل کوئی اور کھاتا ہے۔ مرنے والے نے تو وہ کام کیا ہی نہیں ہوتا۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی ایسے عمل کا ثواب اس شخص کو مل جائے جس نے وہ کام کیا ہی نہیں؟

ذیل میں ہم اس مغالطے کے ازالہ کے لئے سب سے پہلے اس آیت کریمہ کے مختلف معانی اور مطالب بیان کریں گے تاکہ ذہن سے یہ شبہ دور ہو جائے کہ اس آیت کریمہ کے معنیٰ و مفہوم کا ایصالِ ثواب کے شرعی فلسفے کے ساتھ کوئی تعارض، تضاد اور تصادم ہے:

کلامِ الٰہی میں تعارض نہیں

یہ اٹل حقیقت ہے کہ قرآن پاک کے احکامات میں باہمی طور پر کہیں بھی کوئی تعارض اور تضاد نہیں اس لئے جابجا غیر مسلموں کو یہ چیلنج دیا گیا کہ اگر یہ قرآن کسی اور کا تحریر کردہ ہوتا تو آپ اس میں کثرت کے ساتھ تعارض اور تضاد پاتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (النساء ۸۲)

ترجمہ: اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

یعنی کہیں ایک بات کو جائز قرار دیا جاتا تو کہیں اس کو جائز قرار دیا جاتا۔ کہیں ایک بات کہی جاتی تو کہیں دوسری بات۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کی کتب کے موجودہ نسخوں میں واقع ہے۔ وہ کتابیں اصلاً تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی اتری ہیں مگر بعد میں ان میں تحریف اور تبدیلی کر دی گئی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ ان میں جگہ جگہ اس طرح تضاد اور اختلاف ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں، لیکن الحمد سے والناس تک پورے قرآن مجید میں کوئی کسی ایسے مقام کی نشاندہی نہیں کر سکتا کہ کسی ایک جگہ کا بیان شدہ تصور دوسری جگہ کے بیان کئے ہوئے تصور سے جدا ہو یا متضاد ہو۔ گویا قرآن

وحدتِ فکر اور وحدتِ علم کا تصور دیتا ہے۔ جب یہ بات طے شدہ ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مقام پر تو انسان کو صرف اپنے عمل کا اجر ملے اور دوسری جگہ ارشاد ہو کہ:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (الطور ۲۱)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی اور اُن کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی۔

لہٰذا اصول تو یہ طے پایا کہ یہ تو ممکن ہے کہ انسان کے فہم میں کوئی نقص، کمی یا کجی ہو۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کلام میں تضاد ہو۔ اس اصول کے تحت ہمیں ان تلاوت کی گئی آیات کے اصل معنی و مفہوم کو پھر سے سمجھنا ہے تاکہ یہ یقین ہو سکے کہ اس آیت کریمہ میں انسانی سعی کا جو تصور بیان کیا جارہا ہے اس کا دیگر آیات سے کوئی تعارض نہیں۔

آیت مبارکہ کا پہلا معنی: مسئلہ جبر وقدر

اس آیت کریمہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اس کا تعلق مسئلہ جبر وقدر سے ہے۔ کئی آئمہ و مفسرین نے اس آیت کے سیاق وسباق اور اس کے قرینۂ کلام کے پیش نظر اس کا مورد محل کافر کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تصور بیان کیا جارہا ہے کہ کسی کو کافر بنانا اللہ تعالیٰ نے مقدر بایں معنی نہیں کیا کہ وہ کافر ہونے پر مجبور ہو، یہ تصور غلط ہے۔ کسی کا فاسق وفاجر ہونا، بدکار یا بدکردار ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان معنوں میں مقدر نہیں ہے کہ وہ شخص یہی اعمال کرنے پر مجبور ہے اور وہ کوئی عمل صالح نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ذمے ان الزامات کو مت ٹھہراؤ۔

اللہ تعالیٰ تو خود فرماتا ہے:

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد ۱۰)

ترجمہ: اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے ایک نجد الخیر ہے اور ایک نجد الشر۔ نجد الخیر سے مراد بھلائی کا راستہ اور نجد الشر سے مراد برائی کا راستہ۔ اور یہ دونوں راستے اس لئے بتائے ہیں تاکہ انسان اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق دو راستوں میں سے جو چاہے اپنالے۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس ۸)

ترجمہ: پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیز گاری دل میں ڈالی۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے انسان کے نفس میں برائی اور بھلائی دونوں کا شعور رکھ دیا ہے۔ تمہیں بتا دیا ہے کہ اس راہ پر چلو گے تو کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔ یہ فلاح کی راہ ہے جو تم کو ہلاکت اور تباہی سے بچائے گی۔ دوسری راہ شر و برائی اور تباہی و بربادی کی راہ ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرة ٢٥٦)

ترجمہ: دین میں بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو الگ کر دیا ہے اور گمراہی کو الگ کر دیا ہے۔

پھر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سورۃ الکہف میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الكهف ٢٩)

ترجمہ: تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

ہم نے تمہارے گلے میں طوق یا پاؤں میں زنجیر نہیں ڈالے اس لئے کہ ایمان اور کفر میں سے کسی ایک کو اپنانے میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر کی ایسی زنجیر ہو کہ انسان مجبور ہو تو پھر کسی کافر سے سوال کرنے کا حق اللہ تعالیٰ کو نہیں رہتا۔ اس طرح قضا و قدر کا سارا تصور مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔ پھر سوال و جواب اور جزا و سزا کا تصور ختم ہو جاتا ہے جس نے دنیا میں مجبوری کی حالت میں کچھ کیا ہو اس سے تو دنیا دار سوال نہیں کرتے پھر اللہ تعالیٰ اس سے کیونکر سوال کرے گا؟ جو سارے عادلوں سے بڑا عادل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ (آل عمران ١٨٢)

ترجمہ: اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

یہ ظلم ہو گا کہ کسی کو کافر ہونے پر تو اس نے مجبور کیا ہو اور پھر مرنے کے بعد بھی اس سے پوچھا جائے کہ تو ایمان کیوں نہیں لایا؟ تو کوئی ادنیٰ شعور اور اخلاق رکھنے والا شخص بھی کسی سے ایسا دھوکہ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ رب کائنات اپنے بندوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرے۔

انسان کو جو کچھ جزا اور سزا ملتی ہے یہ کسی اور سمت سے نہیں آتی بلکہ یہ اس کی اپنی کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کا صلہ پا لیتا ہے اور اس کے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان و کفر، نیکی و بدی اور خیر و شر کا راستہ بتا دیا تو اب اس آیت کریمہ کا معنی یہی ہو گا کہ انسان کو جب ہر دو راستے بتا دیئے تو اب اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور اگر کوئی عمل شر کو سر انجام دے تو وہ اس کے مطابق سزا پائے گا، کیونکہ انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے وہ کوشش کرے گا۔

دوسرا معنی: شرعی ذمہ داری کا تصور

اس آیت کریمہ میں انسان پر جو حرف "ل" آیا ہے یہ بمعنی "علیٰ" ہے۔ اس اعتبار سے اس کا معنی یوں ہو گا کہ "انسان پر اس شے کی ذمہ داری ہے اور وہ اس شے کا جوابدہ ہے جس کی اس نے کوشش کی ۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ بدکاری کوئی کرے اور پکڑ کسی اور کو لیا جائے، چوری کوئی کرے مگر گرفتار کسی اور کو کر لیا جائے، گناہ کوئی کرے مگر جواب کسی اور سے طلب کیا جائے۔

یعنی انسان جو کچھ اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے اسی پر اس کو جوابدہ ہونا ہے۔

یعنی شرعی ذمہ داری اور شرعی جوابدہی کے تصور کو بیان کیا جا رہا ہے یہ اس لئے کہ دوسری شریعتوں میں تھا کہ عمل کوئی اور کرتا تھا سزا کسی اور کو ملتی تھی۔ مغربی قوانین میں بھی بڑی دیر تک یہ تصور رائج رہا کہ کسی ایک کے جرم پر دوسرے کو سزا ہو جاتی، بیٹے کے جرم پر باپ کو پکڑ لیا جاتا۔ قرآن پاک نے ایسے تمام ناجائز اور ناروا تصورات کو رد کر دیا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرة ٢٨٦)

ترجمہ: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ۔

ترجمہ: سنو زمانۂ جاہلیت کی ہر چیز (ہر ظالمانہ رسم آج) میرے ان قدموں کے نیچے پامال ہے۔[1]

پس اس دوسرے معنی کی رو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر شخص اپنے عمل کا جوابدہ ہے کسی اور کے عمل کی اس پر ذمہ داری نہیں ہو گی۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۹۷)

تیسرا معنی: نیت پر عمل کا دارو مدار

اس آیت کے تیسری معنی کو بہت سے مفسرین نے بیان کیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہاں پر "ماسعی" سے مراد انسان کی کوشش ہے اور کوشش کا انحصار اس کی نیت پر ہوتا ہے"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

بے شک اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ چنانچہ جس نے ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی تو اس کی ہجرت اس کے لئے ہے جس مقصد کے لئے اس نے ہجرت کی۔[1]

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان جس کام کو کرنے کی نیت کرے گا اس نیت کا اس کو پھل مل جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو ہماری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ ہمارے مال ودولت کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظر تو ہمارے دلوں پر ہوتی ہے کہ عمل کے دوران ہماری نیت کیسی ہے؟ نیت اچھی ہو تو وہ شخص کتنا غریب ہی کیوں نہ ہو وہ عرش کے سایہ میں بٹھا دیا جائے گا اور اگر نیت بد ہو تو چاہے وہ شخص کتنا بڑا مالدار ہی کیوں نہ ہو ذلت کے گڑھے میں گرا دیا جائے گا۔ ہر عمل کا دارو مدار اس کی نیت پر ہے اس لئے فرمایا کہ آدمی جو نیت کرتا ہے اس کا پھل پالیتا ہے۔ جس شخص نے اپنا وطن، اپنا کاروبار، اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خاطر چھوڑا وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ سے اپنے عمل کا پھل پالیتا ہے اور جس نے اپنا گھر بار دنیا کے حصول کی خاطر چھوڑا اسے اس کے عمل کا اجر دیا جائے گا، اور جس نے کسی عورت کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑا اسے اس کی نیت کا پھل دیا جائے گا۔ یعنی اگر نیکی کی نیت کرے گا تو ثواب پائے گا۔ اور اگر برائی کی نیت کرے گا تو اس کا بدلہ بھی مل جائے گا۔

حسد ایک لعنت

جو دوسرے کا برا سوچتا ہے اسی کا برا ہوتا ہے۔ اس لئے کسی سے حسد، بغض اور عناد رکھنا یا کسی کی اچھائی یا بلندی اور عزت وعظمت پر یا کسی کے مال ودولت یا علم وفضل پر حسد کرنا حاسد کو تو عمر بھر حسد کی آگ میں جلاتا ہے مگر جس سے حسد کیا جائے گا اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ خدا کی ذات اپنے دستِ قدرت سے اس کو حاسد کے شر سے محفوظ رکھے گی۔ بہت سے لوگ نیک اعمال کرتے ہیں، اچھائیاں کرتے ہیں، بھلائیاں کرتے ہیں اور یوں اچھائیوں اور بھلائیوں کے انبار ان کی زندگیوں میں لگ جاتے ہیں۔

[1] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم بہت نیکوکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ کوئی برائی نہیں کی لیکن بدقسمتی سے ان کے دلوں میں دوسروں کے خلاف حسد اور بغض ہوتا ہے، لہٰذا حسد کی بناء پر ان کی نیکیوں کے سارے پہاڑ جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ وہ تہجدیں، تسبیح و تہلیل اور ساری نیکیاں بھی گئیں اور کوئی فائدہ بھی نہ ہوا۔

ہمیں اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا ہو گا کہ کہیں ہمارے من دوسروں کے لئے حسد کی لعنت میں مبتلا تو نہیں۔ اگر اپنے من کو ٹٹولیں تو ہمیں اندر کا انسان بتادے گا کہ کس کس کے لئے ہم جلتے ہیں اور کس کس کے لئے ہم مخلص ہیں۔ ہر کوئی دوسروں کو دعا تو دیتا ہے مگر دعا دینے والے اپنے اندر کے انسان کا محاسبہ بھی کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ زبان سے دکھلاوے کی دعا کر رہا ہے۔ لہٰذا اپنی نیت کو ہمیشہ پاک رکھنا چاہیئے اور ہر شخص کے لئے اچھا سوچنا چاہیئے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے اچھا سوچتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے اچھا سوچتا ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ، فَأَحَبُّهُمْ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ۔

(یہ ساری) مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کنبے میں سے وہ بندہ زیادہ پسند ہے جو اس کے کنبے کو فائدہ دینے والا ہے۔[1]

لہٰذا آیت کریمہ کا تیسرا معنی یہ ہوا کہ کوئی شخص کوئی بھی عمل جس نیت سے کرتا ہے اسے اس کی نیت کا پھل مل جاتا ہے۔ نماز، روزہ اور کثرتِ عبادات اگر حقِ بندگی ادا کرنے کی نیت سے ہوگی تو اس کا اجر ملے گا اور اگر نمازی، پرہیزگار اور عبادت گزار کہلانے کی نیت سے ہوگی تو ریاکاری تصور ہوگی اور اسے اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔

چوتھا معنی: عدل کا اصول

اس معنی کے لحاظ سے اس میں اللہ تعالیٰ کا اصولِ عدل بیان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ نظامِ قدرت دو اصولوں پر چلتا ہے۔ ایک اس کا اصولِ عدل ہے اور دوسرا اصولِ فضل ہے۔ اصولِ عدل ہر ایک کے لئے یکساں ہے اور اسی اصول کو یکسانیت کے ساتھ چلانا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور فضل کا اصول یہ ہے کہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔

عدل پر ہر کسی کا حق ہے اور عدل کے مقام پر انسان اللہ تعالیٰ کے لئے کو دپڑتا ہے، مگر محبت اور پیار کے مقام میں اپنی غلط فہمی کے باعث کوئی شے اس کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ سوال کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ایمان عطا کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔

---

[1] (مسند ابی یعلی، ج۶، ۳۳۱۵)

اصولِ عدل یہ ہے کہ انسان جو محنت کرے گا اس کا پھل ضرور پائے گا۔

جس شے کے لئے محنت نہیں کرے گا اس کا پھل نہیں ملے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام عدل ہے۔ لہٰذا آیت کا معنی یہ ہوا کہ لوگو! اگر تم نے محنت کی تو اس محنت کے پھل کی توقع رکھنا اور اگر کسی کام کے لئے تم نے محنت نہ کی تو اس کے پھل کے لئے توقع اور امید نہ رکھنا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء ۳۲)

ترجمہ: مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصّہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگو! دوسروں کو خوشحال زندگی بسر کرتا دیکھ کر حسد کی آگ میں نہ جلا کرو۔ ان کو یہ نعمت میں نے دی ہے اور یہ ان کی محنت کا ثمر ہے۔ تم جلنے کی بجائے محنت کرو تمہیں بھی ساری کائنات کی پست و بالا کی بلندیاں عطا کر دی جائیں گی لیکن اگر تم محنت ہی نہ کرو، کوشش ہی نہ کرو تو تمہیں بلندی عطا نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (الفتح ۲۳)

ترجمہ: اور ہرگز تم اللہ کا دستور بدلتا نہ پاؤ گے۔

اصولِ فضل کے تحت استثناء

اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کے ساتھ عدل کرتا ہے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ فضل کا معاملہ کرے تو یہ اس کی مرضی ہے اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا۔

چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اصولِ تخلیق میں استثنائی صورت

انسان کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو نطفے سے پیدا کرتا ہے اور مرد اور عورت کے ملاپ سے پیدا کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظامِ عدل ہے جو ہر کسی کے لئے یکساں ہے کیونکہ اس کا تخلیق کا ایک پورا ضابطہ ہے لیکن حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پتھ سے پیدا فرمایا حالانکہ کوئی مخلوق پتھروں سے پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ اصول بھی اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ ہیں لہٰذا استثناء بھی وہی عطا فرماتا ہے۔

۲۔ اصولِ مسافت میں استثنائی صورت

اصول یہ ہے کہ جو شخص کسی ایک جگہ و مقام پر موجود ہو وہ ہزاروں میل کی مسافت چشم زدن میں طے نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے درباری آصف برخیا نے آنکھ جھپکنے میں ملکہ سبا بلقیس کا تخت لا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا، یہ استثناء ہے۔

۳۔ سورج کے مقررہ راستے میں تبدیلی

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یٰسٓ ۳۸)

ترجمہ: اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔

یعنی سورج کے راستے مقرر ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے دائیں بائیں نہیں جا سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نظامِ عدل ہے مگر وہ چاہے تو اپنے سات ولیوں یعنی اصحابِ کہف کی خاطر تین سو سالوں تک چڑھتے اور ڈوبتے سورج کا راستہ بدل دے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ (الکھف ۱۷)

ترجمہ: اور اے محبوب تم سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلتا ہے تو ان کے غار سے دہنی طرف بچ جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو انہیں بائیں طرف کترا جاتا ہے حالانکہ وہ اس غار کے کھلے میدان میں ہیں۔

یہ بھی استثناء ہے یعنی وہ جس کے لئے چاہے عدل کا اصول اپنا لے اور جس کے لئے چاہے اصولِ فضل کے تحت اس پر فضل کر دے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (المائدۃ ۵۴)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہے۔

اس کے فضل کے حوالے سے کوئی اس سے نہیں پوچھ سکتا کہ باری تعالیٰ! اس جاگنے والے کو تو نے یہ عطا کیا اور سوئے ہوئے کو تو نے یہ دیا۔ یہ اس کے فضل کے فیصلے ہیں۔ عدل و انصاف میں کمی بیشی نہیں ہوتی، ہر کسی کو اس کی محنت کا صلہ پورا پورا

ملتا ہے لیکن اگر اس کی نظر انتخاب کسی پر پڑ جائے تو عدل میں جاگنے والے کو ایک قدم بڑھا دیا جاتا ہے مگر فضل پر آ جائے تو سونے والے کو لامکاں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ: اللہ اپنے قریب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اُسے جو رجوع لائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ میرے عدل کا نظام یہ ہے کہ جو کوئی مجھ تک آنا چاہتا ہے اس کو اپنا راستہ بتا دیتا ہوں کہ میرے بندے! یہ راستہ میری طرف آتا ہے۔ یوں محنت کر اور رفتہ رفتہ میری طرف بڑھتا چلا آ۔۔۔! مگر فضل کرنے پر آ جاؤں تو سوئے ہوئے کو لامکاں تک پہنچا دوں۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

کئی جاگن کئی جاگے نہ جاگن کئی جاگدیاں وی سُتے ہو

کئیاں نوں رب سُتیاں ملیا کئی جاگدیاں وی گئے رتے ہو

جب اس کے فضل کی بارش کا وقت آتا ہے تو کوئی بھی اس سے سوال نہیں کر سکتا کہ باری تعالیٰ تو کسی کو تو کوہِ طور پر فرما دیتا ہے کہ:

لَنْ تَرَانِي (الأعراف ۱۴۳)

ترجمہ: تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا۔

اور کسی کے لئے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے تو خود پیغام بھیجتا ہے اور پھر سارے پردے اٹھا کر اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (النجم ۹)

ترجمہ: پھر خوب اُتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کر دے اس کی اپنی مرضی ہے کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔

اس معنی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید کی اس آیت (لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۹)) کا ایصالِ ثواب سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تعلق رکھا بھی جائے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ یہ آیت اصولِ عدل ہی کو بیان کرتی ہے جس کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ انسان جس شے کے لئے محنت کرے گا اس کا پھل ملے گا اور جس شے کے لئے محنت نہیں کرے گا اس کا پھل

نہیں ملے گا، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ خود عمل کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہے کہ یااللہ یہ محنت تو میری ہے مگر اس کا اجر کسی اور کو دے دے تو یہ اتنی بڑی سخاوت، ایثار اور قربانی کی بات ہے کہ اس کے اخلاص کا یہی عمل اس کی دعا کی قبولیت کے لئے کافی ہے۔

کون کمائی کر کے دوسروں کو دیتا ہے؟ لیکن اگر کوئی جان و مال خرچ کرے، محنت کرے، صدقہ و خیرات کرے اور اپنی توانائیوں کو صرف کرے اور پھر چپکے سے ہاتھ اٹھا کر کہہ دے کہ یااللہ! یہ جو کچھ میں نے کیا ہے یہ سب کچھ اپنے فلاں بندے کی روح کو بھیج دے۔ یہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی والدہ ماجدہ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کرتے ہیں اسے قبول فرما۔ یہ اتنی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کی برکت سے تمہیں بھی دے گا، اور انہیں بھی دے گا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اصولِ عدل کے مطابق عمل کرنے والے کو بھی برابر کا اجر تو مل جائے گا لیکن جس کے لئے وہ ایصال کرے اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اسے بھی پہنچادے۔ پس یہ کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کا مسئلہ ایصالِ ثواب کے ساتھ کوئی تعارض نہیں۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج۴، ص۹۹ پر ایک اعتراض ذکر کیا ہے کہ اگر آپ اعتراض کرتے ہیں کہ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۹) اس سے پہلے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اہل سنت وجماعت کی یہ رائے ہے کہ اموات کو ثواب پہنچتا ہے اور یہ آیت کہ وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۹) والی آیت اس کے مخالف ہے۔

قلت: تو بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جواب دیتا ہوں۔

اختلف العلماء فی هذه الايات علی ثمانية اقوال احدهما۔

علماء کرام نے اس آیت کے بارے میں آٹھ اقوال پیش کئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ انھا منسوخۃ: کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس قول کے قائل عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

اور اس آیت کے لئے ناسخ سورۃ الطور آیت نمبر ۲۱ ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور ۲۱)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی اور اُن کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی سب آدمی اپنے کیے میں گرفتار ہیں۔

سورۃ طور کی یہ آیت اس پر دال ہے کہ اولاد کے اعمال باپ کے نامۂ اعمال میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور اولاد کے عمل کی وجہ سے باپ اور اولاد اکٹھے جنت میں داخل ہوں گے، اب غیر جو کہ ولد ہے باپ کے نامۂ اعمال کو نفع دیتا ہے اور وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) اس کے متضاد ہے۔

تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جواب دیتے ہیں: ادخل الاباء الجنة بصلاح الابناء۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

قاله إبن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه: کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے کہ: وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) کی آیت منسوخ ہے اور وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور ۲۱) والی آیت اس کے لئے ناسخ ہے۔

لیکن یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) والی آیت مؤخر ہے اور وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور ۲۱) والی آیت مقدم ہے یہ تو معاملہ برعکس ہے کہ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور ۲۱) والی آیت منسوخ ہے وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) والی آیت ناسخ ہے۔

مفسرین نے اس سے جواب کیا ہے کہ ایک ترتیب مصحف عثمانی ہے اور ایک ترتیب نزولی ہے اور ترتیب نزولی میں وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) والی آیت مقدم ہے اور وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور ۲۱) والی آیت مؤخر ہے۔

دوسرا جواب

انها خاصة بقوم ابراهيم و موسى عليهما السلام وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) والی آیت خاص ہے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی قوم کے ساتھ۔

و أما هذه الامة فلهم ما سعوا و ما سعى لهم غيرهم سعالهم غيرهم۔

اور اس امت کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے لئے اپنے اعمال کا اجر بھی ہے اور غیر کے اعمال کا اجر بھی ہے۔

یہ قول عکرمہ مولیٰ ابن عباس کا ہے اور اسی آیت کہ وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) کے ماقبل اور مابعد کو پڑھا جائے تو خود ہی یہ معنی معلوم ہو تا ہے۔

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى (٣٦) وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى (النجم ٣٧)

ترجمہ: کیا اُسے اس کی خبر نہ آئی جو صحیفوں میں ہے موسیٰ کے، اور ابراہیم کے جو احکام پورے بجالایا۔

اور وہ احکام یہ تھے:

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (٣٨) وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ٣٩)

تو یہ ان کے صحیفوں کا حکم ہے۔

تیسرا جواب

المراد بالإنسان ههنا الكافر قاله الربيع بن انس۔

کہ مذکورہ آیت میں انسان سے مراد یہاں پر کافر ہے اور یہ قول ربیع بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

یعنی اصل عبارت یوں بنے گی کہ:

و أن ليس للانسان ليس للكافر الا ما سعى اما المؤمن فله ما سعى لها۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ انسان تو عام ہے کافر کو کیسے خاص کیا؟ جواب یہ ہے کہ قرآن عظیم الشان میں کئی مرتبہ ذکر عام ہوتا ہے مراد اس سے خاص ہوتا ہے جیسے:

هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا (الإنسان ١)

مذکورہ آیت میں انسان سے مراد بعض مفسرین کے قول پر حضرت آدم علیہ السلام ہیں انسان عام ہے مگر مراد خاص ہے۔

چوتھا جواب

و أن ليس للإنسان ما سعى من طريق العدل فأما من باب الفضل فجائز و أن ليس للإنسان إلا ما سعى بطريق العدل و لهم ما سعوا و ما سعى لهم بطريق الفضل۔

عدل یہ ہے غیر کے اعمال کا ثواب فوت شدہ لوگوں کو نہ پہنچائے اور جب غیر کے اعمال کا ثواب پہنچا دیتا ہے تو یہ ان کا اس اُمت پر فضل ہے۔

مثلاً ایک شخص فوت ہوا اور اس کے وارثین نے اس کے پیچھے صدقات اور خیرات کئے لیکن اس کے باوجود اس کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا، کوئی اس کو ظلم کہہ سکتا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ ظلم کیا کہ وارثین نے ان کے پیچھے صدقات وغیرہ بھی کئے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے معاف نہیں کیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اس کو موقع دیا تھا۔

اب جب اللہ تعالیٰ صدقات و خیرات کے ثواب کو پہنچاتا ہے جو کہ نصوص سے ثابت ہے تو یہ ان کا فضل ہے، احسان ہے اور یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔

پانچواں جواب

وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) بمعنی مانویٰ کے ساتھ ہے۔

قاله ابوبکر الوارق: اس صورت میں تو مسئلہ یہ بالکل اس باب سے خارج ہوا لیس للإنسان مانویٰ کہ نہیں ہے انسان کے لئے مگر ان کی اپنی نیت۔

چھٹا جواب

لیس للکافر من الخیر الا ما عمله فی الدنیا فیثاب علیه فی الدنیا۔

کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ کافر کے بارے میں ہے اور ان کے عملِ خیر کے بارے میں ہے کہ رب کریم ہر خیر کے کام کرنے والے کو خیر عطا فرماتا ہے اور جو مؤمن ہے اللہ تعالیٰ اس کو خیر کا بدلہ اس دنیا میں بھی دیتا ہے اور آخرت میں بھی دیتا ہے اور کافر کو لیس له الا ما سعی خیر کا بدلہ اسی دنیا میں ملتا ہے اگر کوئی خیر کا کام کرے لیکن آخرت میں پھر کچھ بدلہ نہیں ملتا یہ ثعلبی کا قول ہے۔

ساتواں جواب

الإنسان میں الف لام علی کے معنی میں ہے۔

ان اللام فی الإنسان بمعنی علی تقدیره لیس علی الإنسان الا ما سعی۔

اور علی ضرر کے لئے ہوتا ہے، خیر کے لئے نہیں ہوتا۔ یعنی کسی اور کا گناہ اس پر نہیں ڈالا جائے گا۔

آٹھواں جواب

أنه لیس له الا سعیه غیر ان الاسباب مختلفة۔

کہ میں تسلیم کر رہا ہوں کہ کسی کا عمل کسی اور کو نہیں پہنچتا لیکن یہ اسباب مختلف ہیں۔

فتارة یکون سعیه فی تحصیل الشي بنفسه وتارة یکون سعیه فی تحصیل سببه مثل سعیه فی تحصیل قرأت ولد یترحم علیه۔

اس شخص کا بیٹا جو اپنے باپ کی طرف تلاوت کا ثواب بخش رہا ہے یہ بچہ تلاوت کرنے کا لائق کس کی سعی سے ہوا ہے؟ یہ تو باپ نے کوشش کی تھی کہ بیٹے کو قاری صاحب کے پاس بٹھایا تھا۔ بچے نے ناظرہ پڑھا، حفظ کیا، اب جب بچہ تلاوت کر رہا ہے اور اس تلاوت کا ثواب باپ کو پہنچ رہا ہے یہ باپ کی اپنی کوشش سعی کا بدلہ مل رہا ہے۔

وصديق يستغفر له: اور یا کوئی دوست اپنے فوت شدہ دوست کے لئے استغفار کر رہا ہوتا ہے، ان کے دوست اس کے لئے کیوں استغفار کر رہے ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ اس نے ان کے ساتھ اچھا وقت گزارا ہوتا ہے تو ان کو اپنے اچھے وقت کا صلہ مل رہا ہے اور یہ ان کی اپنی سعی و کوشش ہے۔

وتارة يسعى في خدمة الدين والعبادة فيكتسب محبة اهل الدين فيكون ذلك سببا حصل بسعيه۔

تو یہ سب ان کی اپنی سعی کے ساتھ ہوتا ہے۔ مفسرین **وَأَنۡ لَيۡسَ لِلۡإِنۡسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم ٣٩)** سے مذکورہ جوابات کرتے ہیں کیونکہ نص کا ظاہر اہل سنت وجماعت کے اصل کے خلاف ہے اہل سنت وجماعت کے اصول اور عقائد میں ہیں کہ صدقات اور خیرات اور تلاوت میت کو نفع پہنچاتے ہیں لیکن نص کا ظاہر اس کے خلاف ہے۔

اہل سنت کے اصول کب قرآن کریم کے مقابلہ میں آسکتے ہیں؟ اہل سنت کے اصول تو لوگوں کو عقیدہ سکھاتے ہیں اور عقیدہ کیسے قرآن کے مخالف ہو سکتا ہے۔

تو علماء کرام مجبور ہوئے اور اس آیت کے لئے ایک بہتر اور صحیح محمل تلاش کیا تاکہ آیت اور اہل سنت کے اصل کے درمیان تعارض ختم ہو جائے۔

ہم اس کے قائل ہیں کہ ترتیب وار تلاوت اور صوم، صدقہ اور حج اور عتق دعائیں یہ سب میت کو پہنچتے ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد نقل غير واحد الإجماع على أن الدعاء ينفع الميت ودليله من القرآن قوله تعالى (والذين جاؤوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان)۔

ترجمہ: اور اس امر پر بہت سے علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ بے شک دعا میت کو نفع دیتی ہے اور اس کی دلیل قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے **والذين جاؤوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان۔** [1]

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر بھی بطور تعریف بیان فرماتا ہے:

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِينَ يَوۡمَ يَقُومُ الۡحِسَابُ (ابراهيم ٤١)

ترجمہ: اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہو گا۔

دیکھئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی متوفی والدین اور مسلمانوں کے لئے دعائے بخشش فرما رہے ہیں۔ [2]

---

[1] (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور جلال الدين عبد الرحمن السيوطي الناشر دار المعرفة ج ١ ص ٢٩٧)

[2] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کون تھے؟ اس کی نفیس تحقیق مؤلف کی کتاب "الذکر الحسین" میں لاحظہ فرمائیے۔

دعا عبادت ہے تو معلوم ہوا کہ ان کی عبادت سے ان کے والدین اور مسلمانوں کو نفع ضرور ہو گا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا کرنا فضول ٹھہرے گا۔ کیا یہاں یہ کہنا مناسب ہو گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر فضول کام کا مرتکب ہوا اور قرآن کریم نے فضول کام کا ذکر فرمایا؟ (معاذ اللہ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں اور اس کے ارد گرد ہیں وہ ہماری تسبیح و تحمید کے ساتھ ساتھ:

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (سورۃ الغافر: ۷)

ترجمہ: اے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ کی تسبیح و تحمید کے ساتھ ساتھ مومنوں کے لئے دعائے بخشش بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے دعائے بخشش مانگنے والے فرشتے ہیں اور اس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچے گا۔ اگر ان کا دعا کا کوئی فائدہ مسلمانوں کے حق میں مرتب نہ ہو تو ان کا مسلمانوں کے لئے دعا کرنا بے کار ہو گا اور فرشتے معصوم اور مامور من اللہ ہوتے ہیں، ان کا کوئی کام بے کار اور بے فائدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فرشتوں کی عبادت یعنی دعائے بخشش کا فائدہ مسلمانوں کو ضرور پہنچے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک کی عبادت کا دوسرے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرے کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔

پہلی روایت

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما الميت في القبر إلا كالغريق المتغوث ينتظر دعوة تلحقه من أب أو أم أو أخ أو صديق فإذا لحقته كان أحب إليه من الدنيا وما فيها وإن الله عز وجل ليدخل على أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال وإن هدية الأحياء إلى الأموات الاستغفار لهم۔

ترجمہ: مردہ کی حالت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریاد کرنے والے کی طرح ہوتی ہے وہ انتظار کرتا ہے کہ اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے اور جب اس کو کسی کی دعا پہنچتی ہے تو وہ دعا کا پہنچنا اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب تو ہوتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کی مثل اجر و رحمت عطا کرتا ہے اور بے شک زندوں کا تحفہ مردوں کی طرف یہی ہے کہ ان کے لئے بخشش (کی دعا) مانگی جائے۔[1]

اس حدیث سے مردہ کا دعائے بخشش کا منتظر اور زندوں کے ہدیے و تحفے یعنی دعائے بخشش کا اس کے لئے بہت ہی زیادہ مفید ہونا بخوبی ثابت ہے۔

---

[1] (شعب الإيمان البيهقي الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت ج۷ ص۱۶)

دوسری روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مامن رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازته أربعون رجلا لا یشرکون بالله شیئا إلا شفعهم الله فیه۔

ترجمہ: جس مسلمان کی جنازہ نمازہ پر ایسے چالیس مسلمان کھڑے ہو جائیں جنھوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت میت کے حق میں قبول فرماتا ہے یعنی بخش دیتا ہے۔[1]

دیکھئے! چالیس زندہ مسلمانوں کا شفاعت کرنا یعنی دعائے بخشش کرنا مردہ کے حق میں بخشش کا موجب ہوا۔

تیسری روایت

حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ؓ نے سنا حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

مامن مسلم یموت فیصلی علیه ثلاثة صفوف من المسلمین إلا أوجب۔

ترجمہ: جس مسلمان کی نماز جنازہ پر مسلمانوں کی تین صفیں ہو جائیں اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔[2]

اسی لئے جنازہ پر تین صفیں کی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ صفیں بنانا اور نماز پڑھنا میت کا نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کا فعل ہے جو میت کے لئے باعث مغفرت ہوا۔

چوتھی روایت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

یتبع الرجل یوم القیامة من الحسنات أمثال الجبال فیقول أنی هذا فیقال باستغفار ولدک لک۔

ترجمہ: کہ قیامت کے دن پہاڑوں جیسی نیکیاں انسان کے (اعمال سے) لاحق ہوں گی تو وہ کہے گا کہ یہ کہاں سے ہیں فرمایا جائے گا کہ یہ تمہاری اولاد کے استغفار کے سبب سے ہیں جو تمہارے لئے کیا گیا۔[3]

---

[1] (السنن الکبری وفي ذیله الجوهر النقي الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامیة الکائنة في الهند ببلدة حیدر آباد الباب ما یستدل به علی ان عدد ج۳ص ۱۸۰)

[2] (شَرْحُ صَحِیحِ مُسْلِمِ لِلْقَاضِی عِیَاض المُسَمَّی إِكمَالُ المُعْلِمِ بِفَوَائِدِ مُسْلِم الناشر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزیع، مصر ج۳ص۴۰۷)

[3] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۲۹۶)

پانچویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے ایک نیک بندے کا درجہ بلند فرمایا۔

فَيَقُول يَارب أَنى لي هَذِه؟ فَيَقُول باستغفار ولدك لَك۔

ترجمہ: تو وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب میرا درجہ کیوں کر بلند ہوا؟ ارشاد ہوا کہ تیرا بیٹا جو تیرے لئے دعائے بخشش مانگتا ہے اس کے سبب سے۔[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی نیک بندے یا کسی بزرگ کے لئے دعائے بخشش کی جائے تو اس کے درجے بلند ہو جاتے ہیں اور گنہ گار کے لئے کی جائے تو اس سے سختی اور عذاب دور ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو۔

چھٹی روایت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

أمتي أمة مرحومة متاب عليها تدخل قبورها بذنوبها وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها تمحص عنها ذنوبها باستغفار المؤمنين۔

ترجمہ: میری امت، امت مرحومہ ہے وہ قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوگی اور جب قبروں سے نکلے گی اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے استغفار کی وجہ سے اس کو گناہوں سے پاک وصاف کر دے گا۔[2]

ساتویں روایت

الدعاء ينفع الميت: دعا میت کو نفع دیتی ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ حتیٰ کہ خصم بھی اس پر قائل ہیں کہ دعا میت کو نفع دیتی ہے۔

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

ولكن أجمع العلماء على أن الدعاء ينفعهم ويصلهم ثوابه۔

کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ دعائیں میت کو نفع دیتی ہیں۔[3]

---

[1] (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور الناشر: دار المعرفة—لبنان ج ١ ص ٢٩٦)

[2] (المعجم الأوسط الطبراني الناشر: دار الحرمين-القاهرة، 1415 ج ٢ ص ٢٤٦)

[3] (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٣، ص ١١٩، الناشر: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

لقوله تعالیٰ: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (الحشر ۱۰)

مؤمنوں کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ سابقین کے حق میں مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔

وغیر ذلک من الآیات و بالاحادیث المشهورة منها قوله: اللهم اغفر لاهل بقیع الغرقد۔

یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔

ومنها قوله اللهم اغفر لحینا ومیتنا وغیر ذلک۔

یہ سب اس بات کے دلائل ہیں کہ دعائیں میت کو نفع پہنچاتی ہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ اتفاقی ہے اس لئے اس سے زیادہ پر بحث نہیں کرنا چاہتے، معتزلہ میں کچھ غلاط اور زیادہ سرکش گزرے ہیں جو کہتے ہیں کہ دعائیں بھی میت کو نفع نہیں دیتیں اور وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۹) نص کے ظاہر کے پیچھے گئے ہیں۔

توشرح عقائد کا متن ان غلاط پر رد کرتا ہے۔

فی دعاء الاحیا للاموات وصدقتهم نفع لهم عند اهل السنة خلافا للمعتزلة۔

باقی رہی صوم، صدقات اور حج، عمرہ، عتق کے ثواب پہنچتے ہیں اور اس پر میں کثیر تعداد میں احادیث پیش کروں گا۔

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ حَجَّاجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الْعَاصِ بْنَ وَائِلٍ كَانَ يَأْمُرُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بے شک عاص بن وائل نے جاہلیت کے زمانے میں حکم دیا تھا۔

أَنْ يَنْحَرَ مِائَةَ بَدَنَةً: کہ سو اونٹ ذبح کئے جائیں۔

یہ سوال عمرو بن العاص نے کیا تھا اور عمرو بن شعیب اس کے راوی ہیں اور عمرو بن العاص ان کے جد ہیں تو ہشام کے بھائی بنے۔

وَإِنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهُ مِنْ ذٰلِكَ خَمْسِينَ بَدَنَةً، أَفَأَنْحَرُ عَنْهُ۔

میرے بھائی ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ ان کی طرف سے ذبح کئے کیا میں ان کی طرف سے باقی پچاس اونٹ ذبح کروں؟۔

فَقَالَ: إِنَّ أَبَاكَ لَوْ كَانَ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيدِ فَصُمْتَ عَنْهُ، أَوْ تَصَدَّقْتَ عَنْهُ، أَوْ عَتَقْتَ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَلِكَ۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اگر تمہارا باپ مُقر بالتوحید ہوتا پھر تم ان کی طرف سے روزہ رکھتے یا ان کی طرف سے صدقہ خیرات کرتے یا غلام ان کی طرف سے آزاد کرتے تو یہ سب کے سب پہنچ جاتے اب یہ سب کچھ کرنے کے بعد نہیں پہنچے گا اس لئے کہ وہ مُقر بالتوحید نہیں ہے۔[1]

تو یہ واضح دلیل ہے کہ مؤمن کو صدقہ، خیرات، روزہ، عتق یعنی ہر کار خیر کا اجر پہنچتا ہے یہ حدیث مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۱۸۱ پر بھی ذکر کیا گیا ہے۔

عمدۃ القاری میں بھی جلد ۴، ص ۹۸ ۴ پر ذکر کیا گیا ہے۔

السلسلۃ الصحیحۃ میں البانی کہتا ہے:

هذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات على الخلاف المعروف في عمرو ابن شعيب عن أبيه عن جده. و هشيم و الحجاج كلاهما مدلس۔[2]

یہاں پر علامہ ہیتمی نے ایک جرح کی ہے مذکورہ حدیث پر کہ اس کی سند میں ہشیم عن حجاج آئے ہیں اور یہ دونوں مدلس ہیں اور مدلس جب عنعن کے ساتھ روایت کو روایت کریں تو وہ مقبول نہیں ہوتی۔

لیکن البانی نے اس جرح پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ:

و لكنهما قد صرحا بالتحديث فزالت شبهة تدليسهما۔[3]

مسند احمد کا جو حوالہ میں نے پیش کیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنا هشيم قال اخبرنا حجاج۔

اس سند میں عنعن نہیں ہے، بلکہ تحدیث کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

تو اس کے ساتھ وہ اعتراض بھی دفع ہوا جو مجمع الزوائد میں علامہ ہیتمی نے اعتراض کیا ہے کہ یہ دونوں راوی مدلس ہیں اور یہاں پر عنعن ہے اور عنعن میں مدلس کی روایت مقبول نہیں ہے۔

تو عنعن ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے مسند احمد کی سند میں اخبرنا کے ساتھ ہے۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۳، ص ۳۸۶)

[2] (السلسلۃ الصحیحۃ، ج ۱، ص ۴۸۳)

[3] (السلسلۃ الصحیحۃ، ج ۱، ص ۴۸۳)

آٹھویں روایت

مصنف ابن ابی شیبہ میں باب ماینبع المیت بعد موتہ میں ہے:

حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَإِنَّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئی اگر وہ کلام کرتی تو میں صدقہ کرتا۔

فَهَلْ لَهَا مِنْ أَجْرٍ، إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟

پھر عرض کی کہ اگر میں کچھ صدقہ کروں تو کیا میری ماں کو اس کا اجر پہنچے گا؟

قَالَ: نَعَمْ۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا جی ہاں اجر پہنچے گا۔[1]

مذکورہ حدیث میں ابو عوانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الدلیل علی ان من ماتت غیر وصیۃ ولہ ولد یتصدق عنہ لتکونن لہ کفارۃ۔

کہ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ایک شخص فوت ہو جائے اور وصیت نہ کی ہو اور اس کی اولاد اس کے پیچھے صدقہ وخیرات کرتی ہے تاکہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے۔

آج کل صدقات کرنا اس لئے بھی بہترین عمل ہے کیونکہ لوگوں میں علم کی کمی ہے وصیت کی قدر وقیمت کو نہیں جانتے، شریعت نے ان کو اختیار دیا ہے، موت کا کوئی پتہ نہیں یا بیمار ہو جائے تو مال کے ثلث میں وصیت کرنا جائز ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انسان نے زندگی میں جھوٹ بولا ہو، قسم کھائی ہو، باقی اور کمزوریاں ہوئی ہوں، صدقہ، فطر اور زکوٰۃ میں تقصیرات ہوئی ہوں تو اپنے مال کے ثلث کو اپنی ہی زندگی میں صدقہ کرو تاکہ آپ کے لئے کفارہ اور صفائی کا باعث بنے، اب کون مال کے ثلث میں وصیت کرتا ہے؟ نہیں کرتے لاعلمی کی وجہ سے۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۳، ص۳۸۶، مسلم شریف بیروت چھاپ، ج۵، ص۷۳۰، پاکستانی چھاپ، ج۲، ص۶۹۶، بخاری شریف، ج۱، ص۴۶۷، مصنف عبدالرزاق، ج۹، ص۶۰، معجم الاوسط، ج۱، ص۲۱۷، مسند ابی یعلی، ج۷، ص۴۱۰، سنن البیھقی، ج۴، ص۶۲، مسند ابی عوانۃ، ج۳، ص۴۹۳)

اب بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگ جب لاعلم ہیں اب مردے کو ایسے ہی قبر میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کے پیچھے صدقات کرنے چاہئیں، اگرچہ انہوں نے وصیت نہ کی ہو۔ یہاں تک کہ ثلث مال پیچھے صدقہ کریں یہ وارث پر فرض نہیں ہے بلکہ تبرع اور احسان ہے میت کے ساتھ۔

مذکورہ حدیث سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اگر وہ کلام کرتی، کلام کرنے سے کیا مقصد؟ یعنی وصیت کرتی۔ اب جب کلام نہیں کیا یعنی وصیت نہیں کی ہے تو کیا میں کچھ صدقہ وخیرات کروں پہنچ جائے گا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جی پہنچ جائے گا۔

سنن ماثور، ج۱، ص۳۸۷ پر بھی مذکورہ حدیث ذکر کی گئی ہے اور باب: **باب یستحب لمن یتو جی فجاءۃ ان یتصدقوا عنہا** باندھا ہے۔

مستحب ہے کہ جو اچانک فوت ہو جائے تو ورثاء ان کی طرف سے صدقہ کریں۔

سنن بیہقی، ج۴، ص۱۰۹ پر باب باندھتے ہیں:

باب الصدقة عن الميت اذا مات فجاءة هل يستحب لاهله ان يتصدق عنه۔

باب میں صرف سوال کو نقل کیا گیا ہے جواب میں پھر مذکورہ حدیث کو نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ **نعم:** ہاں میت کے لئے اجر وثواب پہنچ جائے گا۔

نویں روایت

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ، تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ۔

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استفتاء کی ایک نذر کے بارے میں جو آپ کی ماں پر باقی تھی اور آپ کی ماں فوت ہوئی تھی۔

فَقَالَ: اقْضِهِ عَنْهَا۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ تو اپنی ماں کی طرف سے اس نذر کو پورا کر۔[1]

مذہب حنفی کے عقائد کی مسلم کتاب شرح عقائد نسفی ہے:

وفی دعآء الاحیآء للاموات وصدقتهم عنهم نفع لهم خلافاً للمعتزلة۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبة، ج۳، ص۳۸۷)

ترجمہ: کہ زندوں کا مردوں کے لئے دعا کرنا اور صدقہ وخیرات کرنا مردوں کیلئے نفع کا باعث ہے اور معتزلہ اس کے خلاف ہے۔[1]

امام اجل علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ صاحب مرقاۃ، شرح مشکٰوۃ فرماتے ہیں:

اتفق اھل السنة علی ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیآء۔

ترجمہ: کہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کو زندوں کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے۔[2]

دسویں روایت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ۔[3]

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی۔ اس نے عرض کیا:

إنه كان عليها صوم شهرٍ أفأصوم عنها قال صومي عنها قالت إنها لم تحج قط أفأحج عنها قال حجي عنها۔

ترجمہ: اور ایک ماہ کے روزے اس کے ذمے تھے کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں؟ فرمایا ہاں، تو اس کی طرف سے روزے رکھ اس نے کہا میری ماں نے کبھی حج بھی نہیں کیا تھا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا۔ اس کی طرف سے حج بھی کر۔[4]

گیارہویں روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ۔

إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفأحج عنها قال حجي عنها۔

---

[1] (شرح فقه اکبر ص ۱۵٦ مطبع گلزار خلیل)

[2] (شرح فقه اکبر ص ۱۵۷)

[3] (المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الناشر: دار إحياء التراث العربي—بيروت ج ۲ ص ۸۰۳)

[4] (الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم دار النشر / دار ابن حزم - لبنان / بيروت - ۱۴۲۳ھ - ۲۰۰۲م ج ۱ ص ۲۲٦)

ترجمہ: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ بغیر حج کیے مر گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں ؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ہاں تو اس کی طرف سے حج کر۔[1]

دیکھئے! ایک زندہ عورت پر واجب و ضروری تھا کہ وہ حج کرے لیکن جب وہ حج ترک کر کے مر گئی تو حج اس کے ذمہ تھا جس کی طرف سے وہ ماخوذ اور مستحق سزا تھی مگر جب اس کے زندہ وارث کے ادا کرنے سے اس کی طرف وہ حج ادا ہو گیا تو وہ مواخذہ اور سزا سے رہا ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ زندہ کے عمل سے مردہ کو نفع پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ اس کو نفع پہنچانے کی نیت سے کیا جائے۔

بارہویں روایت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

من حج عن والديه بعد وفاتهما كتب الله له عتقًا من النار وكان للمحجوج عنهما أجر حجة تامة من غير أن ينقص من أجورهما شيء وما وصل ذو رحم رحمه بأفضل من حجة يدخلها عليه بعد موته في قبره۔

ترجمہ: جو شخص اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہنم سے آزادی لکھ دیتا ہے اور اس کو کامل حج کا ثواب ملتا ہے اور اس کے والدین کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ افضل ترین صلہ رحمی میت کی طرف سے حج کرنا ہے۔[2]

تیرہویں روایت

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

من حج عن أبويه ولم يحجا جزي عنهما وبشرت أرواحهما في السماء وكتب عند الله برا۔

ترجمہ: جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے جنہوں نے حج نہ کیا ہو تو یہ حج ان کی طرف سے کافی ہو گا اور ان کی ارواح کو آسمانوں میں بشارت دی جائے گی اور یہ شخص (حج کرنے والا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرماں بردار لکھا جائے گا۔[3]

[1] (الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم دار النشر / دار ابن حزم - لبنان / بيروت - ۱۴۲۳ هـ - ۲۰۰۲م ج ۲ ص ۷)

[2] (جامع الأحاديث المؤلف: جلال الدين السيوطي ج ۲۰ ص ۲۴۲)

[3] (شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور۔ ج ۱ ص ۳۰۰)

چودھویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ حَجَّ عَنْ مَيِّتٍ فَلِلَّذِي حَجَّ عَنْهُ مِثْلُ أَجْرِهِ۔

ترجمہ: جو شخص میت کی طرف سے حج کرے تو میت اور حج کرنے والے دونوں کو پورا پورا ثواب ملے گا۔[1]

مذہب حنفی کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ شریف میں ہے:

أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها عند أهل السنة و الجماعة۔

ترجمہ: کہ بے شک انسان اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے خواہ نماز کا ہو یا روزہ کا ہو یا صدقہ و خیرات وغیرہ کا ہو۔ یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعد از فراغ دوگانہ ثواب میر سید علی ہمدانی بخواند۔

ترجمہ: بعد از فراغت دوگانہ پڑھے اور اس کا ثواب میر سید علی ہمدانی کو بخشے۔

پندرھویں روایت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم و كان له بعدد من فيها حسنات۔

ترجمہ: جو قبرستان میں داخل ہو اور سورۃ یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ تمام قبر والوں سے تخفیف فرماتا ہے اور اس پڑھنے والے کو بقدر ان کی گنتی کے نیکیاں عطا فرماتا ہے۔[3]

سولھویں روایت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

من مر على المقابر وقرأ { قل هو الله أحد } إحدى عشرة مرة ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات۔

---

[1] (المعجم الكبير الطبراني مشكول ج ١٩ ص ٤٣٨)

[2] (الهداية شرح بداية المبتدي ج ١ ص ١٨٣)

[3] (تحفة الاحوذي بشرح جامع الترمذي ج ٦ ص ٣٥٨)

ترجمہ: جو شخص قبروں پر گزرا اور اس نے سورہ اخلاص کو گیارہ مرتبہ پڑھا۔ پھر اس کا ثواب مردوں کی بخشا اس کو مردوں کی تعداد کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔[1]

سترہویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب و {قل هو الله أحد} و {ألهاكم التكاثر} ثم اللهم إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامک لأهل المقابر من المؤمنين و المؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالى۔

ترجمہ: جو شخص قبرستان جائے پھر ایک مرتبہ سورۃ فاتحہ اور قل هو الله أحد اور ألهاكم التكاثر پڑھ کر کہے کہ اے اللہ! جو کچھ میں نے تیرے کلام سے پڑھا ہے اس کا ثواب میں نے ان قبروں والے مومنین اور مؤمنات کو بخشا تو وہ تمام مردے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے لئے سفارش کرتے ہیں۔[2]

علامہ بدر الدین عینی شارح صحیح بخاری شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ:

أن المسلمين يجتمعون في كل عصر و زمان ويقرءون القرآن ويهدون ثوابه لموتاهم. و على هذا أهل الصلاح و الديانة من كل مذهب من المالكية و الشافعية وغيرهم ولا ينكر ذلک منكر فكان إجماعًا.(عند أهل السنة و الجماعة)۔

ترجمہ: مسلمان ہر زمانہ میں قرآن پڑھ کر اس کا ثواب (مردوں) کو بخشتے رہے ہیں اور اس کا انکار منکر بھی نہیں کرتا اور اہل سنت و جماعت کا تو اس پر اجماع ہے۔[3]

زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اني سألت الشافعي رحمه الله عن القراءة عند القبر فقال لا بأس به۔

ترجمہ میں نے اما شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ قبر پر قرآن پڑھنا کیسا ہے؟ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[4]

---

[1] (شرح الصدور بشرح حال الموتى و القبور ج ۱ ص ۳۰۳)

[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتى و القبور ج ۱ ص ۳۰۳)

[3] (البناية شرح الهداية بدر الدين العينى الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان ج ۴ ص ۴۶۷)

[4] (شرح الصدور بشرح حال الموتى و القبور ج ۱ ص ۳۰۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يستحب لزائر القبور أن يقرأ ما تيسر من القرآن ويدعو لهم عقبها نص عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب وزاد في موضع آخر وإن ختموا القرآن على القبر كان أفضل۔

ترجمہ: زائر قبور کے لئے مستحب یہ ہے کہ جتنا اس سے ہو سکے قرآن پڑھے اور اہل قبور کے لئے دعا کرے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر نص پیش کی ہے اور تمام شافعی حضرات اس پر متفق ہیں اور اگر قبر پر قرآن شریف ختم کیا جائے تو اور بھی افضل ہے۔[1]

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

كان الشيخ عز الدين بن عبد السلام يفتي بأنه لا يصل إلى الميت ثواب ما يقرأ له فلما توفي رآه بعض أصحابه فقال له إنک كنت تقول إنه لا يصل إلى الميت ثواب ما يقرأ ويهدى إليه فكيف الأمر قال له كنت أقول ذلک في دار الدنيا والآن فقد رجعت عنه لما رأيت من كرم الله في ذلک وأنه يصل إليه ثواب ذلک۔

ترجمہ: شیخ عزالدین بن عبد السلام فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو قرآن خوانی کا ثواب نہیں پہنچتا جب وہ فوت ہوئے تو ان کے بعض اصحاب نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میت کو قرأت قرآن کا ثواب وہدیہ نہیں پہنچتا یہ بات کیسی ہے؟ فرمایا دنیا میں تو ایسا ہی کہا کرتا تھا۔ لیکن اب میں اس سے رجوع کر چکا ہوں کیونکہ میں نے یہاں آکر دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ثواب پہنچتا ہے۔[2]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وأما القراءة على القبر فجزم بمشروعيتها أصحابنا وغيرهم۔

ترجمہ: اور رہا قبروں پر قرآن شریف پڑھنا تو اس کی مشروعیت پر ہمارے اصحاب اور ان کے سوا اور علماء نے جزم کیا ہے۔[3]

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کبار میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں جمعہ کی رات کو قبرستان میں گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہاں نور چمک رہا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قبرستان والوں کو بخش دیا ہے۔ غیب سے آواز آئی، اے مالک

---

[1] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۳۰۳)

[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۳۰۳)

[3] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۳۰۳)

بن دینار یہ مسلمانوں کا تحفہ ہے جو انہوں نے قبروں والوں کو بھیجا ہے، میں نے کہا تمہیں خدا کی قسم مجھے بتاؤ مسلمانوں نے کیا تحفہ بھیجا ہے؟

قال رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين وقرأ فيهما فاتحة الكتاب و { قل يا أيها الكافرون } و { قل هو الله أحد } وقال اللهم إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب قال مالک فلم أزل أقرؤهما في كل ليلة جمعة فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في منامي يقول لي يا مالک بن دينار قد غفر الله لک بعدد النور الذي أهديته إلى أمتي ولک ثواب ذلک ثم قال لي وبنى الله لک بيتا في الجنة في قصر يقال له المنيف قلت وما المنيف قال المطل على أهل الجنة۔

ترجمہ: اس نے کہا ایک مومن مرد نے اس رات اس قبرستان میں قیام کیا تو اس نے وضو کر کے دو رکعتیں پڑھیں اور ان دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں قل یا أیها الکافرون اور دوسری رکعت میں قل هو الله أحد پڑھا اور کہا اے اللہ! ان دو رکعتوں کا ثواب میں نے ان تمام قبروں والے مومنین کو بخشا پس اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ روشنی اور نور بھیجا ہے اور ہماری قبروں میں کشادگی و فرحت پیدا فرمادی ہے حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں اس کے بعد میں ہمیشہ دو رکعتیں پڑھ کر ہر جمعرات میں مومنین کو بخشتا۔ ایک رات میں نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو خواب میں دیکھا، فرمایا: اے مالک بن دینار! بے شک اللہ نے تجھ کو بخش دیا۔ جتنی مرتبہ تو نے میری امت کو نور کا ہدیہ بھیجا ہے اور اتنا ہی اللہ نے تیرے لئے ثواب کیا ہے اور نیز اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں ایک مکان بنایا ہے جس کا نام منیف ہے۔ میں نے عرض کیا منیف کیاہ؟ فرمایا جس پر اہل جنت بھی جھانکیں۔[1]

حضرت حماد مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا اور وہیں ایک قبر پر اپنا سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ اہل قبور حلقہ باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟

قالوا لا ولكن رجل من إخواننا قرأ { قل هو الله أحد } وجعل ثوابها لنا فنحن نقتسمه منذ سنة۔

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ہمارے ایک مسلمان بھائی نے سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخشا ہے جس کو ہم ایک سال سے بانٹ رہے ہیں۔[2]

---

[1] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۲۹۸)

[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۳۰۴)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پس ازاں سی صد وشصت مرتبہ سورہ الم نشرح خوانند پس باز دعاء مذکور سی صد و شصت بار بخوانند، پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند وبراقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان جشت غموماً بخوانند وحاجت از خدا تعالیٰ سوال نمایند ہمیں طور ہر روز بخوانده باشد انشاء اللہ تعالیٰ درایام معدود مقصد بحصول انجامد۔

ترجمہ: اس کے بعد تین سو ساٹھ مرتبہ سورۂ الم نشرح لک، تین سو ساٹھ بار وہی دعا مذکورہ پڑھے، پھر دس مرتبہ درود شریف پڑھے اور ختم تمام کرے اور تھوڑی سی شیرینی پر فاتحہ تمام خواجگان چشت کے نام سے پڑھے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کرے۔ اسی طرح سے ہر روز کرے ان شاء اللہ چند یوم میں مقصد حاصل ہو گا۔[1]

یہی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ویقرأ شیئامن القران لوالدیه ثم لشیخه ولاستاذه ثم لاصحابه ولاخوانه ویروح ارواح المؤمنین والمؤمنات۔

ترجمہ: اور کچھ قرآن پڑھے اور والدین و پیر و استاد اور اپنے دوستوں اور بھائیوں اور سب مومنین اور مؤمنات کی ارواح (طیبہ) کو ثواب بخشے۔[2]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمہور فقہاء حکم کردہ اند کہ ثواب قرأت قرآن واعتکاف وغیرہ بمیت میرسد وبہ قال ابو حنیفہ ومالک واحمد ہر عبادت وحافظ شمس الدین بن عبد الواحد گفتہ اند کہ از قدیم در شہر مسلمانان جمع می شوند وبرائے اموات قرآن مجید می خوانند پس اجماع شدہ۔

ترجمہ: کہ تمام فقہاء کرام نے حکم کیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے اور اعتکاف کرنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ امام ابو حنیفہ ،امام مالک وامام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اور حافظ شمس الدین بن عبد الواحد نے فرمایا ہے کہ مسلمان قدیم سے شہر میں جمع ہو کر مردوں کے لئے قرآن خوانی کرتے ہیں۔ پس اس پر اجماع ہے۔

---

[1] (انتباہ سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۰۰، مطبوعہ دھلی ۱۳۴۴ھ)

[2] (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۱۶)

شیخ المحدثین علامہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں بایصال ثواب وتلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم بعام وشیرنی امر مستحسن وخواب است باجماع علماء۔

ترجمہ: ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان کی قبروں سے برکت حاصل کرنا اور ایصال ثواب، تلاوت قرآن، دعائے خیر، تقسیم طعام وشیرینی سے ان کی مدد کرنا بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور اس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔[1]

---

[1] (فتاویٰ عزیزی)

میت کے لئے تسبیح وکلمہ پڑھنا

اٹھارہویں روایت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ہم نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ان کو قبر میں اتار کر ان پر مٹی ڈال دی گئی۔ بعد ازاں حضور اکرم ﷺ نے تکبیر وتسبیح پڑھنا شروع کر دی ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا دیر تک پڑھتے رہے۔

فقیل یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال: لقد تضایق علی ہذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عز و جل عنہ۔

ترجمہ: تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے تسبیح وتکبیر کیوں پڑھی؟ فرمایا اس نیک بندہ پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی ہماری یہ تسبیح وتکبیر کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو فراخ کر دیا ہے۔[1]

اس حدیث سے حضور اکرم ﷺ وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا قبر پر تسبیح وتکبیر پڑھنا اور ان کی تسبیح وتکبیر سے صاحب قبر کو فائدہ پہنچنا اظہر من الشمس ہے اگر غور کیا جائے تو اس سے بعد از دفن قبر پر اذان کہنے کا مسئلہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے۔

انیسویں روایت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک پیشاب کرنے کے وقت چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔

ثم أخذ جريدة رطبة فشقها نصفين ثم غرز في كل قبر واحدة قالوا يا رسول الله لم صنعت هذا قال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا۔

ترجمہ: پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ لی اور درمیان سے چیر کر اس کے دو حصے کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ جب تک یہ شاخیں ہری رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔[2]

---

[1] (مشكاة المصابيح الناشر: المكتب الإسلامي –بيروت ج ١ ص ٢٩)

[2] (مشكاة المصابيح المؤلف: محمد بن عبد الله الخطيب التبريزي الناشر: المكتب الإسلامي –بيروت ج ١ ص ٧٣)

اس حدیث میں چند باتیں قابل غور ہیں:

اول: یہ کہ حضور ﷺ سے عالم برزخ کا حال بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

دوم: یہ کہ وہ قبر والے اپنی زندگی میں جس گناہ کا ارتکاب کر کے گرفتار عذاب ہوئے تھے آپ کا کو اس کا علم تھا۔

سوم: یہ کہ آپ ﷺ نے تر شاخیں قبر پر رکھ کر ان کو تخفیف عذاب کا باعث قرار دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ تخفیف عذاب کا باعث صرف وہ شاخیں تھیں یا کچھ اور صرف شاخوں کو قرار دیا جائے تو سوکھنے کے بعد بھی شاخوں کا قبر پر ہونا باعث تخفیف عذاب ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ معلوم ہوا کہ تخفیف عذاب کا باعث صرف وہ شاخیں ہی نہیں بلکہ ان کی تسبیح ہے جو وہ پڑھتی ہیں۔ کیونکہ (وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ: بنی اسرائیل: ۴۴) اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی (تعریف کرتی) ہے اور چونکہ شاخوں کا سوکھ جانا ان کی موت ہے اور موت سے تسبیح موقوف ہوگئی لہٰذا ثابت ہوا کہ تخفیف عذاب کا باعث شاخوں کی تسبیح تھی۔ جب شاخوں کی تسبیح باعث تخفیف عذاب قبر ہے تو بندوں کی تسبیح بھی یقیناً باعث تخفیف عذاب قبر ہے۔ جیسا کہ پہلی حدیث سے ثابت ہے۔

نیز یہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے کیونکہ کھجور کی شاخوں کی طرح تر و تازہ پھول وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے شاخیں اس لئے رکھیں کہ ان سے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔ تم جو اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول ڈالتے ہو تو معلوم ہوا کہ تم بھی ان کو گرفتار عذاب سمجھتے ہو۔ اس لئے پھول ڈالتے ہو کہ ان کے عذاب میں کمی ہو جائے۔

تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ تسبیح صرف ان لوگوں ہی کو مفید نہیں جو گرفتار عذاب ہوں بلکہ ان کو بھی مفید ہے جو غریق رحمت ہو۔ اگر تسبیح گرفتار عذاب کے لئے تخفیف عذاب کا باعث ہے تو غریق رحمت کے لئے خوشی و مسرت اور رفع درجات کا باعث ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہ کرام اور بزرگان دین نے بوقت وفات وصیتیں کی ہیں کہ ہماری قبروں پر کھجور کی تر شاخیں رکھا کرنا نہیں معلوم یہ منکرین ان پاک لوگوں کے متعلق کیا گمان کریں گے؟ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "قبر پر پھول اور خوشبو والی کوئی چیز رکھنا صاحب قبر کی روح کی مسرت کا باعث ہے اور یہ شرعاً ثابت ہے۔"[1]

---

[1] (فتاوی عزیزی اول ملحضاً)

میت کے لئے تسبیح وکلمہ پڑھنا

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بیاران ودوستاں فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق بروحانیت مرحومہ ہمشیرہ ام کلثوم بخوانند وثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت یکے بخشند وہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستاں دعاؤفاتحہ مسئول است۔

ترجمہ: یاروں اور دوستوں سے کہہ دیں کہ ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ مرحومی خواجہ محمد صادق کی روحانیت کے لئے اور ستر ہزار بار ان کی ہمشیرہ مرحومہ ام کلثوم کی روحانیت کے لئے پڑھیں اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب ایک کی روح کو اور ستر ہزار کلمہ کا ثواب دوسرے کی روح کو بخشیں، دوستوں سے فاتحہ اور دعا کے لئے التماس ہے۔[1]

محمد قاسم نانوتوی دیوبندی بانی مدرسہ دیوبند لکھتے ہیں:

"حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے۔ اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی۔ مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ نوجوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اب میں اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی۔"[2]

بیسویں روایت

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ ھل ینفعھا ان أتصدق عنھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم فقال سعد حائط کذا وکذا صدقۃ عنھا۔

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ! اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس نفع پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پہنچے گا! حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر میرا فلاں باغ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔[3]

---

[1] (مکتوبات شریف)

[2] (تحذیر الناس ص ۳۴ مطبع قاسمی، دیوبند)

[3] (موطأ الإمام مالک الناشر: دار إحياء التراث العربي – مصر الباب صدقۃ الحی عن المیت ج ۲ ص ۲۷۰)

حضرت صالح بن درہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حج کے واسطے مکہ مکرمہ پہنچے تو وہاں ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ملے اور فامایا تمہارے شہر بصرہ کے قریب ایک بستی ہے جس کا نام اُبُلّہ ہے اس میں ایک مسجد عشار ہے لہٰذا تم میں سے کون میرے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ اس مسجد میں میرے لئے دو یا چار رکعتیں پڑھے ؟

ویقول ھذہ لأبی ھریرۃ۔

ترجمہ: اور کہے کہ یہ رکعتیں ابو ہریرہ کے واسطے ہیں۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے شہداء کو اٹھائے گا جو شہداء بدر کے ساتھ ہوں گے۔

اس حدیث میں غور فرمایئے کہ حضور ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی فرمارہے ہیں کہ میرے لئے نماز پڑھنا اور یوں کہنا ھذہ لأبی ھریرۃ کہ یہ نماز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے ہے یعنی اس کا ثواب ابو ہریرہ کے لئے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عبادت بدنی کا ثواب دوسرے شخص کا پہنچایا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔

یہ بھی یاد رہے کہ نماز ایک خاص عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس کے متعلق بھی فرمایا کہ یوں کہنا کہ یہ ابو ہریرہ کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ جس عبادت کا ثواب جس کو پہنچانا ہو اس کا نام لے۔ یعنی یوں کہے۔ کہ یہ فلاں کے لئے ہے تو جائز ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مقامات جو فضیلت وشرف رکھتے ہیں وہاں عبادت نیکی کرنا بہت ہی باعث فضیلت اور موجب اجر وثواب ہے۔

اکیسویں روایت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

إذا تصدق أحدکم بصدقة تطوعا فلیجعلها عن أبویه فیکون لهما أجرها ولا ینتقص من أجره شیئا۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی نفلی صدقہ کرے تو چاہیے کہ اپنے والدین کو ثواب پہنچائے پس اس صدقہ کا ثواب ان دونوں کے لئے بھی پورا ہوگا اور صدقہ کرنے والے کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔[2]

---

[1] (سنن أبي داود الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت الباب فی ذکر البصرۃ ج۴ ص ۱۹۰)

[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۳۰۰)

بائیسویں روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے میں نے پوچھا کہ ہم اپنے مردوں کے لئے دعائیں اور ان کی طرف سے صدقات و خیرات اور حج وغیرہ کرتے ہیں کیا یہ چیزیں مردوں کو پہنچتی ہیں؟

فقال انه يصل اليهم ويفرحون به كما يفرح احدكم بالهدية۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا بے شک یہ چیزیں ان کو پہنچتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم ایک دوسرے کے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو۔[1]

علامہ علاؤالدین علی بن محمد البغدادی صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں کہ:

أن الصدقة عن الميت تنفع الميت ويصله ثوابها وهو اجماع العلماء۔

ترجمہ: بلاشبہ وشک میت کی طرف سے صدقہ دینا میت کے لئے نافع ومفید ہے اور اس صدقہ کا میت کو ثواب پہنچتا ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دشیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشان پزند وبخورانند مضائقہ نیست جائزاست واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود اغنیاء اہم خوردن جائزاست۔

ترجمہ: دودھ چاول (کھیر) کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکانے اور کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جائز ہے اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جائے تو مال داروں کو بھی کھانا جائز ہے۔[3]

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وبعامیکہ آں نیاز حضرت امامین نمانند برآں قل وفاتحہ ودرود خواندن متبرک می شود وخوردن اوبسیار خوبست۔

ترجمہ: وہ کھانا جو حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کی نیاز کے لئے پکایا جائے اور اس پر قل وفاتحہ ودرود پڑھا جائے وہ متبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت ہی اچھا ہے۔[1]

---

[1] (مسند امام احمد)

[2] (تفسير الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل (موافق للمطبوع) دار النشر: دار الفكر - بيروت / لبنان — الباب سورة النجم ج ٦ ص ٢٦٩)

[3] (زبدۃ النصائح ص ١٣٢)

اسمٰعیل دہلوی دیوبندی تقویۃ الایمان والے لکھتے ہیں:

پس ہر عبادتیکہ از مسلمان اداشود و ثواب آں بروح کسے از گزشتگان برساند و طریق رسانیدن آں دعاء خیر بجناب الٰہی است پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن است۔۔۔۔ودر خوبی این قدر امر از امور مرسومہ فاتحہا و اعراس ونذر ونیاز اموات شک وشبہ نیست۔

ترجمہ: پس ہر وہ عبادت جو مسلمان ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گزرے ہوئے کی روح کو پہنچائے اور اس کے لئے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو یہ بہت ہی بہتر اور خوب ہے اور رسوم میں فاتحہ پڑھے، عرس کرنے، مردوں کی نذر ونیاز کرنے کی رسموں کی خوبی میں شک وشبہ نہیں ہے۔[2]

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر وافضل ست۔

ترجمہ: کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مردوں کو طعام نہیں ہے کیونکہ یہ بات بہتر اور افضل ہے۔[3]

دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی کا ایصال ثواب کے متعلق فتویٰ ملاحظہ ہو:

سوال: ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گزرتا ہے کہ اگر نیک اعمال کا ثواب دوسروں کی روح کو بخشنے والے کے لئے کیا نفع ہوا۔ البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے۔ حضور اس خدشہ کو رفع فرمادیں تو فدوی کو اطمینان ہو جائے گا۔

الجواب: عَن إِبْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسلم إِذا تصدق أحدكُم بِصَدقَةٍ تَطَوّعا فليجعلها عَن أَبَوَيْهِ فَيكون لَهما أجرهَا وَلَا ينتقص من أجره شَيْئا۔[4]

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخش دینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من يعمل بها من غير أن ينقص من أجره شيء۔[5] سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔[6]

---

[1] (فتاوی عزیزی)

[2] (صراط مستقیم ص ۵۵ مطبوعہ مجتبائی دھلی ۱۳۰۸ھ)

[3] (صراط مستقیم ص ۶۴)

[4] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۳۰۰)

[5] (فتح المنعم شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۸۲)

[6] (امداد الفتاویٰ جلد ۵ ص ۹۹ ۳ مطبوعہ تھانہ بھون ۱۳۴۷ھ)

میت کے لئے قربانی وبردہ آزاد کرنا

تئیسویں روایت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مینڈھا ذبح کر کے فرمایا:

اللهم تقبل من محمد و آل محمد و من أمة محمد۔

ترجمہ: اے اللہ! اس کو میری اور میری آل کی طرف سے اور میری امت کی طرف سے قبول فرما۔[1]

چوبیسویں روایت

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک مینڈھا ذبح کر کے فرمایا:

هذا عني و عمن لم يضح من أمتي۔

ترجمہ: یہ قربانی میری اور میری امت کے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔[2]

پچیسویں راویت

حضرت حنش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو قربانیاں کرتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ آپ دو قربانیاں کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ایک قربانی ان کی طرف سے کیا کروں۔ لہٰذا ایک اپنی اور ایک ان کی طرف سے کرتا ہوں۔[3]

ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ایک کا عمل دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ دیکھئے حضور ﷺ نے خود اپنی آل اور امت کی طرف سے قربانی کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی ہے اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس پر عمل پیرا ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ زندہ عمل جو وفات پانے والے کے لئے کیا جائے وہ مفید و نافع ہے۔

---

[1] (الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم المؤلف: مسلم القشيري النيسابوري الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة۔بيروت ج٦ ص٧٨)

[2] (سنن أبي داود السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي۔بيروت ج٣ ص ٥٦)

[3] (تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي ج٩ ص ٦٩)

صدقہ جاریہ

چھبیسویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مومن جب انتقال کرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ مگر سات چیزوں کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے:

اول: اگر اس نے کسی کو علم دین سکھایا تو اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔ جب تک وہ علم دنیا میں جاری رہے گا۔

دوم: یہ کہ اس کی نیک اولاد ہو، جو اس کے حق میں دعا کرتی رہے۔

سوم: یہ کہ وہ قرآن شریف چھوڑ گیا ہو۔

چہارم: یہ کہ اس نے مسجد بنوائی ہو۔

پنجم: یہ کہ اس نے مسافروں کے لئے آرام کے لئے مسافر خانہ بنوایا ہو۔

ششم: یہ کہ اس نے کنواں یا نہر وغیرہ کھدائی ہو۔

ہفتم: یہ کہ اس نے اپنی زندگی میں صدقہ دیا ہو تو یہ چیزیں جب تک موجود رہیں گی اس کو ثواب ملتا رہے گا۔[1]

ان دلائل حقہ سے اظھر من الشمس ہو گیا کہ زندوں کی بدنی، مالی اور مرکب عبادت کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے اور اس پر امت کا اجماع واتفاق ہے۔ بشرطیکہ ثواب پہنچانے کی نیت ہو۔ یہ ایصال ثواب گنہگاروں کے لئے رفع درجات اور خوشی ومسرت کا موجب ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ ثواب پہنچانے والے کو بھی پورا پورا اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ الحمد للہ رب العلمین۔

سوئم، ساتواں، گیارہویں، چہلم، عرس یا برسی کرنا

جب آپ نے مسئلہ ایصال ثواب کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے تو یہ بھی جان لیجئے کہ گیارہویں، کونڈے، سبیل، سوئم، ساتواں، چہلم اور برسی وغیرہ یہ سب ایصال ثواب کے نام ہیں اور ایصال ثواب قرآن وحدیث سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ تو اب ان کے جائز ہونے میں کیا شبہ رہا۔

میت پر تین دن خاص کر سوگ کیا جاتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا تین دن سوگ کیا ہے۔ اب اٹھنے سے پہلے چند گھر کے افراد مل کر کچھ صدقہ کرو۔ کچھ پڑھو اور اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچا کر اٹھو۔ اس کا نام سوئم یا تیجا مشہور ہو گیا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تیجا ہوا۔

---

[1] (شرح الصدور ص ۱۲۷، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۴۲)

چنانچہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

روز سوئم کثرت ہجوم مردم آنقدر بود کہ بیروں از حساب ست، ہشتاد و یک کلام اللہ بشمار آمدہ زیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست۔

ترجمہ: کہ تیسرے دن لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ شمار سے باہر ہے۔ اکیاسی بار کلام اللہ ختم ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوئے ہوں گے اور کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں کہ کتنا پڑھا گیا۔[1]

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إن الموتی يفتنون في قبورهم سبعا فكانوا يستحبون أن يطعم عنهم تلك الأيام۔

ترجمہ: کہ بے شک مردے سات روز تک اپنی قبروں میں آزمائے جاتے ہیں تو صحابہ کرام سات روز تک ان کی جانب سے کھانا کھلانا مستحب سمجھتے تھے۔[2]

چنانچہ خاتمۃ المحدثین حضرت شاہ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وتصدق کرد شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز۔

ترجمہ: اور میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کرنا چاہیے۔[3]

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ میت کی روح کو چالیس دن تک اپنے گھر اور مقامات سے خاص تعلق رہتا ہے جو بعد میں نہیں رہتا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن پر چالیس روز تک زمین کے وہ ٹکڑے جن پر وہ خدا تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتا تھا اور آسمان کے وہ دروازے جن سے کہ اس کے عمل چڑھتے تھے اور وہ کہ جن سے اس کی روزی اترتی تھی ، روتے رہتے ہیں۔[4]

---

[1] (ملفوظات عزیزی ص ۵۵)

[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ج ۱ ص ۱۴۱)

[3] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص ۷۱۶ ج ۱، مطبوعہ کشور ۱۹۳۶ء)

[4] (شرح الصدور ص ۱۲۴)

اسی لئے بزرگان دین نے چالیسویں روز بھی ایصال ثواب کیا کہ اب چونکہ وہ خاص تعلق منقطع ہو جائے گا لہٰذا ہمارے طرف سے روح کو کوئی ثواب پہنچ جائے تاکہ وہ خوش ہو اور ان سب کی اصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لئے تیسرے، دسویں، چالیسویں دن اور چھٹے مہینے اور سال کے بعد صدقہ دیا۔[1]

معلوم ہوا کہ یہ مروجہ تیجا، ساتواں، چہلم اور گیارہویں وغیرہ دراصل ایصال ثواب کے نام ہیں جو کہ جائز ہیں۔ ان کو بدعت سیئہ یالغویات وغیرہ کہنا گمراہی ہے۔

---

[1] (کذافی الانوار الساطعۃ معزیا الی مجموعۃ الروایات حاشیۃ خزانۃ الروایات)

کھانا آگے رکھ کر کلام الٰہی پڑھنا

ستائیسویں روایت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو میری والدہ (ام سلیم) نے کھانا بطور تحفہ وہدیہ پکایا اور میرے ہاتھ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ حضور اکرم کو میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ اس موقع پر یہی جو کچھ ہے اسے قبول فرمالیں وہ کھانا لے کر میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور والدہ کا سلام وپیام عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اے ان اسے رکھ دے اور فلاں فلاں کو بلا! میں بلاتا گیا یہاں تک کہ تین سو آدمی جمع ہو گئے۔

ورأيت النبي {صلى الله عليه وسلم} وضع يده على تلك الحيسة وتكلم بما شاء۔

ترجمہ: تو میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کھانے پر اپنا دست مبارک رکھا اور جو چاہا پڑھا۔[1]

بس پھر کیا تھا وہ کھانا اس قدر بابرکت ہوا کہ لوگ شکم سیر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا یہ جو باقی ہے اسے لے جا! میں نے جب اس بقیہ کھانے کو دیکھا تو اندازہ نہ کر سکا کہ جو میں لایا تھا وہ زیادہ تھا یہ زیادہ ہے۔[2]

دیکھئے اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کھانا آگے رکھ کر اس پر جو چاہا پڑھا اور اس میں بہت زیادہ برکت ہوئی۔

اٹھائیسویں روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام کو بھوک نے بہت ستایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ لشکر اسلام سے بچا ہوا توشہ منگوا کر دعائے برکت فرمایئے! چنانچہ آپ ﷺ نے دستر خوان بچھوا کر بچا ہوا کھانا منگوایا۔ صحابہ کرام میں سے کوئی مٹھی بھر کھجوریں، کوئی روٹی کا ٹکڑا اور کوئی باقلا وغیرہ، غرض کہ جو کچھ کسی کے پاس بچا کھچا تھا وہ لے آیا اور دستر خوان پر تھوڑی سی چیزیں جمع ہو گئیں۔ تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے دعاء فرمائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا اپنے توشے دان بھر لو۔ چنانچہ ان چیزوں میں اتنی برکت ہوئی کہ تمام لشکر

---

[1] (الجمع بين الصحيحين البخاري ومسلم ج ٢ ص ٣٦٥)

[2] (بخاری ٥١٦٣، مسلم ٣٥٠٨، مشکوۃ ص ٥٩١٣)

اسلام نے اپنے توشہ دان بھر لئے اور پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا پھر بھی بچ رہا تو پھر فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔

اس حدیث سے حضور ﷺ کا سامنے کھانا رکھ کر دعائے برکت فرمانا ثابت ہے، اگرچہ اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں مگر بخوف طوالت انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ نے کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھا بھی ہے اور دعا بھی فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ کھانا آگے رکھ کر اس پر کلام پڑھنا، اور دعا کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے لہٰذا جائز ہے۔

فاتحہ خوانی اور ثواب رسانی کا طریقہ

ثواب پہنچانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس عبادت کا ثواب پہنچانا کسی کو منظور ہو تو اس عبادت سے فارغ ہو کر یوں کہے کے اے اللہ پاک اس عبادت کو قبول فرما اور اس کا ثواب بطفیل اپنے حبیب پاک ﷺ فلاں شخص کی روح کو پہنچا۔

عام طور پر فاتحہ خوانی یوں ہوتی ہے

پہلے کوئی سورۃ یا کوئی رکوع پڑھ کر بعد میں ایک مرتبہ سورۂ کافروں، تین مرتبہ سورۂ اخلاص، ایک مرتبہ سورۂ فلق، ایک مرتبہ سورۂ ناس، پھر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور پھر سورۂ بقرہ کی پہلی آیتیں هُمُ الْمُفْلِحُونَ تک پڑھی جاتی ہیں۔ پھر إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (الاعراف:۵٦) أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس:٦٢) إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب:٣٣) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء:١٠٧) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب:٤٠) إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب:٥٦) اللهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی ال سیدنا و مولنا محمد و علیٰ اصحاب سیدنا و مولانا محمد و بارک و سلم، الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ الصلوٰۃ و السلام علیک یا حبیب اللہ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الصافات:١٨٠۔١٨٢) الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر و لله الحمد۔[1]

اے اللہ! اس کلام کا ثواب اور اگر کوئی شیرینی یا کھانا وغیرہ بھی ہو تو پھر یوں کہے۔ اے اللہ! اس پاک کلام اور اس کھانے یا شیرینی وغیرہ کا ثواب حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ہماری طرف سے ہدیۃ و تحفۃ پہنچا پھر ان کے صدقے اور ان کی وساطت

---

[1] (المعجم الكبير الناشر: مكتبة العلوم والحكم—الموصل ج ٩ ص ٣٠٧)

سے ان کی آل پاک اور ان کے اصحاب پاک اور ان کی ازواج مطہرات، تابعین، اولیائے عظام، اماموں، عالموں، بزرگوں اور جمیع مومنین و مومنات کی روح کو پہنچا اور خصوصاً فلاں کی روح کو ثواب پہنچا۔

مختصر کرنا ہو تو ایک بار سورۂ فاتحہ، تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھی جائے۔ زیادہ ثواب پہنچانا منظور ہو تو پہلے چند بار کلام پاک پڑھے یا جتنا ہو سکے پڑھ لیا جائے اور ثواب پہنچا دیا جائے۔

عوام میں اس کا نام ہے فاتحہ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آج فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے۔ فاتحہ تو نام ہے الحمد شریف کا، چونکہ الحمد شریف اس وقت پڑھی جاتی ہے اس لئے اس عمل کا نام فاتحہ مشہور ہو گیا گایا کہ تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہو گیا۔

انتیسویں روایت

حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لِيُرْقَى الدَّرَجَةَ، فَيَقُولُ: مَا هَذَا؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کا درجہ جنت میں بلند ہو جائے گا تو یہ جنتی عرض کرے گا کہ یہ مقام مجھے کہاں سے ملا؟ میرے اعمال تو اس کے موافق نہیں تھے۔

فَيُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ مِنْ بَعْدِكَ لَكَ۔

تو اس جنتی سے کہا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے مرنے کے بعد تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ مقام عطا فرمایا۔[1]

تیسویں روایت

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ عَطَاءٍ، وَسُفْيَانَ، وَزَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالُوا: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَأَعْتِقُ عَنْ أَبِي وَقَدْ مَاتَ؟

ایک شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میرے والد صاحب فوت ہوئے ہیں۔ کیا میں ان کی طرف سے غلام کو آزاد کر سکتا ہوں؟

قَالَ: نَعَمْ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہاں تم آزاد کر سکتے ہو۔[2]

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۳، ص۳۸۷)

[2] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۳، ص ۲۶۱)

ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی ذی اجر کام ہے اس کا مردہ کے لئے ایصال کرنا جائز ہے۔

اکتیسویں روایت

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، ثنا ابْنُ رَوَّادٍ، ثنا شَرِيكٌ، عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِمَا مَعَ صَلَاتِكَ، وَأَنْ تَصُومَ عَنْهُمَا مَعَ صِيَامِكَ، وَأَنْ تَصَدَّقَ عَنْهُمَا مَعَ صَدَقَتِكَ۔

حضرت حجاج بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے بعد نیکی یہ ہے کہ تو نماز پڑھے اپنے والدین کی طرف سے اپنی نماز کے ساتھ، یعنی چند رکعات نماز پڑھ کر اپنے والدین کو ثواب بخش دیا کر۔

اور تو روزہ رکھے اپنے والدین کی طرف سے اپنے روزہ کے ساتھ، یعنی اپنے والدین کے لئے بھی چند روزے رکھ کر ثواب بخشا کر۔

اور تو صدقہ کر اپنے والدین کی طرف سے اپنے صدقہ کے ساتھ۔[1]

تو یہ والدین کے ساتھ بعد الوفات نیکی ہے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے وبالو الدین احسانًا کا مذکورہ ترجمہ کیا پھر تو نصِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے پر امر ہوا ہے اور والدین کے ساتھ بعد الوفات احسان یہ ہے کہ ان کے پیچھے خیرات اور صدقات کئے جائیں اور اس کا ثواب والدین کو بخشا جائے۔

بتیسویں روایت

مجھے جس مسئلہ میں مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت مل جائے تو پھر میں اکثر دوسری کتاب کا حوالہ نہیں دیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رتبہ اسلاف میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ہے۔ پہلی مرتبہ میں مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ہے اور دوسرے رتبے میں تقریباً آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ شیخ الکل ہیں۔ امام بخاری، امام مسلم، ابوزرعہ، امام ابو حاتم، امام ابو داوٗد، امام نسائی ان سب کے استاد ہیں اور یہ سب محدثین آپ سے نقل کرتے ہیں اور آپ کی سند بھی مختصر ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، أَنَّ الْحَسَنَ، وَالْحُسَيْنَ كَانَا يُعْتِقَانِ عَنْ عَلِيٍّ بَعْدَ مَوْتِهِ۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۳، ص۳۸۷)

حضرت ابو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے غلاموں کو آزاد کیا کرتے تھے۔[1]

تینتسویں روایت

وفي كتاب القاضي الإمام أبي الحسين بن الفراء عن أنس رضي الله تعالى عنه أنه سأل رسول الله فقال يا رسول الله إذا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعو لهم۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب ہم اپنے مُردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔

فهل يصل ذلک اليهم۔

کیا یہ اُن کو پہنچتے ہیں؟

قال نعم۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہاں پہنچتے ہیں۔

ويفرحون به۔

اور اس کے ساتھ وہ مُردے خوش ہوتے ہیں۔

كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدي إليه۔

جیسے کہ تم پھلوں سے بھرے ہوئے برتن کے تحفے سے خوش ہوتے ہو۔[2]

چونتیسویں روایت

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَمْ يُوصِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عرض کی کہ بے شک میرا باپ فوت ہوا ہے اور مال کو چھوڑا ہے اور وصیت بھی نہیں کی ہے۔

فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۳، ص۳۸۸)

[2] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج۴، ص۴۹۸)

کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کے لئے کفارہ بن جائے گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہاں کفارہ بن جائے گا۔[1]

تو وصیت کے نہ ہونے کی صورت میں بھی میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز اور تبرع ہے۔

یہ ہی روایت مسند ابی عوانۃ نے ج ۳، ص ۴۹۳ پر بھی ذکر کی ہے۔

پینتسویں روایت

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ۔

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میری ماں فوت ہوئی ہے۔

فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ: الْمَاءُ۔

کون سا صدقہ افضل ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا پانی کا۔

قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کنواں کھودا اور پھر فرمایا یہ کنواں میری ماں کے نام پر۔[2]

کسی چیز کو کسی کے نام کر دینا نذر کی نیت سے یہ جائز نہیں، مگر کسی چیز کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کسی کے نام پر کر دینا جائز ہے۔

کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے۔ عباد میں سے کسی کے نام پر نذر کرنا درست نہیں۔

روح المعانی کے مصنف محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مقام پر بہت غصہ ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عباد کے نام پر نذر ماننے والے مشرکین کیڑوں کی طرح بہت زیادہ ہو چکے ہیں، شرک کا فتویٰ نہ دیا بلکہ سمجھایا۔

پنجاب کے علاقوں میں مزارات پر جو چندوں کے صندوق لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور اوپر لکھا ہوتا ہے نذرانہ یہاں ڈالیں، یہ الفاظ غلط ہیں۔

تفسیر احمدی میں وما اھل بہ لغیر اللہ کے تحت لکھتے ہیں:

أما للبقر المنذورۃ لاولیاء اللہ تعالیٰ فحلال طیب اکلہ۔

---

[1] (صحیح مسلم معرب، بیروت، ج۵، ص ۷۳)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۵۴)

کہ وہ جانور جو اولیاء اللہ کے نام پر نذر مانا گیا ہو تو وہ حلال ہے، طیب ہے اس کا کھانا جائز ہے، کیونکہ یہ ایصال ثواب کی نیت سے ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں چند غلط چیزیں رائج ہیں

مثلاً ایک شخص کسی کے نام پر ایک جانور خرید کر پھر اس کو کسی مزار میں ذبح کرے گا۔ اگر اس ذبح کا ثواب اس مزار والے کو ایصال مقصد اور نیت ہو تو پھر تو جائز ہے اور دلیل اس پر مذکورہ حدیث ہے کہ: **هذا لام سعد** اور یہ عمل وہابی بھی کرتے ہیں کہ کسی چیز کو کسی کے نام پر کر دیتے ہیں۔

چھتیسویں روایت

حَدَّثَنَا الْقَاضِي الْمَحَامِلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أُمَيَّةَ الطَّرَسُوسِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الأَمَوِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو سَعْدٍ الْبَقَّالُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ("إِذَا حَجَّ الرَّجُلُ عَنْ وَالِدَيْهِ تُقُبِّلَ مِنْهُ وَمِنْهُمَا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے والدین کی طرف سے حج کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اور اس کے والدین کی طرف سے قبول فرمائے گا۔

وَاسْتَبْشَرَتْ أَرْوَاحُهُمَا فِي السَّمَاءِ وَكُتِبَ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى بَرًّا۔

اور ان کے والدین آسمان میں خوش ہوں گے اور اولاد میں سے جنہوں نے یہ عمل کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں بِرالوالدین کی وجہ سے ان کو ابرار میں لکھا جاتا ہے (یعنی ان کو ان لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے والدین کے ساتھ نیکی ہے)۔[1]

سینتسویں روایت

یہ بھی سنن الدار قطنی کے مذکورہ صفحہ پر ہی ہے:

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُبَشِّرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ النَّشَائِيُّ حَدَّثَنَا صِلَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم "مَنْ حَجَّ عَنْ أَبَوَيْهِ أَوْ قَضَى عَنْهُمَا مَغْرَمًا بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الأَبْرَارِ۔[2]

اڑتیسویں روایت

یہ بھی سنن دار قطنی کے مذکورہ صفحہ پر ہی مذکور ہے:

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ الْبُهْلُولِ حَدَّثَنَا جَدِّى حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الأَزْرَقُ عَنْ شَرِيكٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَتَى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ أَبِي مَاتَ وَعَلَيْهِ حَجَّةُ الإِسْلاَمِ فَأَحُجُّ عَنْهُ۔

---

[1] (سنن الدار قطنی، ج۳، ص ۲۹۹)

[2] (سنن الدار قطنی، ج۳، ص ۲۹۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی کہ میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس پر حج کا فریضہ باقی ہے کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتا ہوں؟

قَالَ: أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ أَبَاکَ تَرَکَ دَيْناً عَلَيْهِ أَقْضَيْتَهُ عَنْهُ" قَالَ نَعَمْ. قَالَ: فَاحْجُجْ عَنْ أَبِيکَ۔

تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر تیرے باپ پر کسی کا دین ہوتا کیا تو ان کی طرف سے ادا کر سکتا تھا؟ صحابی نے عرض کی: جی ہاں! ادا کر سکتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا بس تو حج بھی ان کی طرف سے ادا کر سکتا ہے، ان کی طرف سے حج ادا کرو۔[1]

اور یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا قیاس ہے کہ حق اللہ کو حق العباد پر قیاس کیا ہے۔

انتالیسویں روایت

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْحَضْرَمِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ غَزْوَانَ، ثنا شَرِيکٌ، عَنْ سَالِمٍ الْأَفْطَسِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَظُنُّهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انہوں نے مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

"إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ الْجَنَّةَ سَأَلَ عَنْ أَبَوَيْهِ وَزَوْجَتِهِ وَوَلَدِهِ فَيُقَالُ إِنَّهُمْ لَمْ يَبْلُغُوا دَرَجَتَکَ وَعَمَلَکَ۔

کہ جب ایک شخص کو جنت میں داخل کیا جائے گا وہ دریافت کرے گا اپنے والدین اور بیوی اور اولاد کے بارے میں بس انہیں کہا جائے گا کہ وہ تمہارے درجے اور عمل تک نہیں پہنچے ہیں۔

فَيَقُولُ: يَا رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ لِي وَلَهُمْ فَيُؤْمَرُ بِإِلْحَاقِهِمْ بِهِ" وَقَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ {وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ} (الطور: ۲۱) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ۔

تو یہ جنتی عرض کرے گا اے میرے رب میں نے عمل اپنے لئے اور اپنے والدین، بیوی اور اولاد کے لئے کئے ہیں۔ پس حکم ہو جائے گا کہ اس کے مذکورہ رشتہ دار اس کے ساتھ جنت میں داخل کئے جائیں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔[2]

---

[1] (سنن الدارقطنی، ج۳، ص ۲۹۹)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج۱۰، ص ۱۳۳)

چالیسویں روایت

حدثنا محمد بن علي المروزي، ثنا محمد بن عبد الله بن قهزاذ، ثنا علي بن الحسن بن شقيق، ثنا خارجة بن مصعب، عن عثمان بن سعد، عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما على أحدكم إذا أراد أن يتصدق بصدقة أن يجعلها عن أبويه۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہو جائے گا تم میں سے اس شخص پر جو اپنے والدین کے لئے صدقہ کرے۔

فلاينقص من أجورهم شيئا۔

پس نہیں کم ہو گا اس کے اجر میں سے کچھ بھی (یعنی صدقہ کرنے والے کو پورا پورا اجر ملے گا)۔[1]

اکتالیسویں روایت

حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ، ثنا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَالِمٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ الثَّقَفِيِّ، عَنْ أَبِي رَزِينٍ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبِي أَدْرَكَهُ الْإِسْلَامُ شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَالظَّعْنَ إِذَا حَجَّ۔

حضرت ابی رزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! میرا باپ مسلمان ہے اور بہت بوڑھا ہے، حج اور عمرہ کے لئے اونٹ پر سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ حج کرے۔

قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے باپ کی طرف سے حج بھی کرو اور عمرہ بھی کرو۔[2]

بیالیسویں روایت

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ: ثنا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ امْرَأَةً شَابَّةً مِنْ خَثْعَمٍ جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: "إِنَّ أَبِي شَيْخٌ قَدْ أَفْنَدَ، وَأَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ وَلَا يَسْتَطِيعُ أَدَاءَهَا، فَهَلْ يُجْزِئُ عَنْهُ أَنْ أُؤَدِّيَهَا عَنْهُ؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَعَمْ"۔[3]

---

[1] (المعجم الاوسط، ج۷، ص ۹۲)

[2] (اخبار مکۃ للفاکھی، ج ۱، ص ۳۸۸)

[3] (اخبار مکۃ للفاکھی، ج ۱، ص ۳۸۹)

تینتالسویں روایت

أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ: أنا أَبُو نُعَيْمٍ، أنا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: "كَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُطْعِمَ عَنْ أَبَوَيْهِ وَهُمَا مَيِّتَانِ وَيَفْعَلُهُ حَتَّى مَاتَ۔

حضرت ابن جریجؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں حضرت عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مستحب سمجھتے تھے کہ والدین کے پیچھے صدقہ و خیرات کیا جائے جب والدین فوت ہوئے ہوں۔ اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود بھی اپنے والدین کے پیچھے صدقات و خیرات کرتے تھے یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے۔[1]

چونتالیسویں روایت

حدثنا محمد بن داود بن أسلم الصدفي، نا عبيد الله بن عبد الله المنكدري، نا محمد بن إسماعيل بن أبي فديك قال: سمعت أبا محمد الشامي، يحدث أنه سمع أبا هريرة يذكر، أنه سمع أنس بن مالك يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما من أهل بيت يموت منهم ميت۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی گھرانے میں فوتگی ہو جاتی ہے۔

فيتصدقون عنه بعد موته۔

فا تعقیب مع الوصل کے لئے ہوتی ہے (یعنی متصل گھر والے اس کے مرنے کے بعد صدقہ اور خیرات کریں)۔

إلا أهداها إليه جبريل عليه السلام على طبق من نور، ثم يقف على شفير القبر، فيقول: يا صاحب القبر العميق، هذه هدية أهداها إليک أهلک فاقبلها۔

تو حضرت جبریل علیہ السلام قبر کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس ہدیہ کو ایک نور کے طبق میں اس میت کو پیش کرتے ہیں اور ساتھ فرماتے ہیں اے صاحبِ قبر یہ ہدیہ تیرے اہلِ خانہ نے تجھے بھیجا ہے تو اسے قبول فرما۔

فيدخل عليه، فيفرح بها ويستبشر، ويحزن جيرانه الذين لا يهدى إليهم بشيء۔

پس وہ نور اس میت کی قبر میں داخل ہو جاتا ہے اور صاحبِ قبر خوش ہو جاتا ہے اور خوشخبری ایک دوسرے کو دیتے ہیں اور اس قبر والے کے وہ ہمسائے جن کے پیچھے ان کے اہلِ خانہ صدقہ اور خیرات نہیں کرتے ناراض ہو جاتے ہیں۔[2]

پس معلوم ہوا کہ قبروں میں اہل سنت کی اموات خوشحال ہوتی ہیں اور وہابیوں اور مماتیوں کی اموات ناراض ہوتی ہیں۔

---

[1] (كتاب الاموال لابن زنجوية، ج۳، ص ۱۲۷۲)

[2] (كتاب الاموال لابن زنجوية، ج۳، ص ۱۲۷۲)

پینتالیسویں روایت

حدثنا أحمد بن طاهر قال: نا جدي حرملة بن يحيى قال: نا حماد بن زياد البصري قال: نا حميد الطويل، وكان جارا لنا قال: سمعت أنس بن مالك يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أمتي أمة مرحومة، متاب عليها۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت اُمتِ مرحومہ ہے، ان کی توبہ قبول ہوتی ہے۔

تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، تمحص عنها ذنوبها باستغفار المؤمنين لها۔

میری اُمت قبروں میں گناہ کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور واپس جب قبروں سے نکلے گی تو ان پر گناہ نہیں ہوں گے، میری اُمت سے گناہ محو ہو جائیں گے، مؤمنین کے ان کے لئے استغفار طلب کرنے کی وجہ سے۔[1]

البانی اور ابن تیمیہ وغیرہ کی جماعت نے اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان والا راستہ اختیار کیا ہے، کہتے ہیں کہ صدقات اور خیرات اور استغفار یہ سب کچھ مُردے کو فائدہ مند ہیں۔ لیکن وہ جو اس میت کی اولاد کی طرف سے ہو۔

یہ ان کی فضول چون وچرا ہے۔

مذکورہ حدیث ان پر رد ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ باستغفار المؤمنين لها۔ اور اسی طرح مندرجہ ذیل آیت پر بھی رد ہے۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر ۱۰)

اسی طرح نماز جنازہ بھی ان پر رد ہے۔ جنازہ میں عام مؤمنین میت کے لئے دعا نہیں کرتے؟ اللهم اغفر لحينا وميتنا، الخ۔

(استفام انکاری ہے) اگر عام لوگوں کی دعائیں میت کو فائدہ مند نہ ہوں تو جنازہ میں اتنے مؤمنین شرکت کیوں کرتے ہیں؟ مذکورہ رائے ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کی ہے اور اسی طرح البانی نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کی ہے۔

اہل سنت کی رائے ہے کہ مطلقًا ایصال ثواب جائز ہے اور معتزلہ مطلقًا ناجائز کہتے ہیں اور ابن تیمیہ اور البانی نے وسط کو اختیار کیا ہے۔

---

[1] (المعجم الأوسط للطبرانی، ج ۲، ص ۲۴۶، الناشر: دار الحرمين - القاهرة)

چھیالیسویں روایت

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يَعْلَى أَنَّهُ سَمِعَ عِكْرِمَةَ يَقُولُ أَنْبَأَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں فوت ہو گئی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر نہیں تھے۔

فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا۔

تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میری ماں فوت ہو گئی اس حال میں کہ میں غائب تھا۔

أَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا۔

اگر میں کسی شے کو صدقہ کروں تو کیا میری ماں کو اس کا نفع پہنچے گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہاں تمہاری ماں کو نفع پہنچے گا۔ تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مخراف والا باغ اپنی ماں کے لئے ایصالِ ثواب کر دیا۔[1]

اگر مذکورہ حدیث کا سیاق وسباق دیکھا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اگر کوئی فوت ہو جاتا تو اسی وقت ان کے پیچھے صدقہ اور خیرات کرتے تھے اب جب سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے تو جب آ گئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے پوچھا کہ اب میں کچھ صدقہ کر سکتا ہوں کہ میری ماں کو نفع پہنچے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: **نعم**۔

ذکر المحدثين الذين بوبوا في ذلك بابا۔

جتنے بھی محدثین ہیں سارے ایصالِ ثواب کے موضوع پر باب باندھتے ہیں۔

درج ذیل بیروت چھاپ کے حوالہ جات ہیں:

۱۔ صحیح مسلم، باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ، ج۳، ص۸۱۔

۲۔ سنن ابی داوٗد، باب ماجاء فی صدقۃ عن المیت، ج۳، ص۷۷۔

۳۔ سنن الترمذی، باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت، ج۳، ص۵۷۔

---

[1] (صحیح البخاری معرب، بیروت، ج۴، ص۸)

۴۔ سنن النسائی، باب فضل الصدقۃ عن المیت، ج٦، ص ۲۵۱۔

۵۔ صحیح ابن خزیمۃ، باب الصدقۃ عن المیت عن غیر وصیۃ من مال المیت وتکفیر ذنوب المیت بھا، ج۴، ص ۱۲۳۔

ابن خزیمہ باب باندھتے ہیں کہ اگر میت کی وصیت کے بغیر بھی کچھ صدقہ کریں تو میت کے گناہ ان کے ساتھ گرتے ہیں۔

٦۔ مصنف عبد الرزاق، باب الصدقۃ عن المیت، ج۹، ص ۵۷۔

۷۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، باب الصدقۃ عن المیت، ج٦، ص ۲۷۷۔

۸۔ شرح السنۃ للامام بغوی، باب الصدقۃ عن المیت، ج٦، ص ۱۹۹۔

۹۔ مستخرج الطوسی، باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت، ج۳، ص ۲۷۷۔

سینتالیسویں روایت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَقُولُ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ وَقَالَ أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہداءِ اُحد میں سے دو، دو صحابہ کرام کو ایک کپڑے (کفن) میں جمع فرماتے اور پوچھتے کہ ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد ہے؟ جب ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اسے قبر میں آگے کر دیتے اور فرماتے: میں قیامت کے دن ان سب پر گواہ ہوں گا۔“[1]

اڑتالیسویں روایت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَقُولُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِي وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلَى سَائِرِ الكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلَى خَلْقِهِ"۔

”حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ رب العزت فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر اتنا مشغول کر دے کہ وہ مجھ سے کچھ مانگ بھی نہ سکے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہوں۔ اور تمام کلاموں پر اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآن حکیم) کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر (فضیلت ہے)۔“[2]

---

[1] (صحیح البخاری، ج۵، ص ۱۲۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۱۸۴، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

انچاسویں روایت

حَدَّثَنِی عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ بُرَیْدَۃَ عَنْ أَبِیہِ قَالَ: کُنْتُ جَالِساً عِنْدَ النَّبِیِّ -صلی اللہ علیہ وسلم- فَسَمِعْتُہُ یَقُولُ: وَإِنَّ الْقُرْآنَ یَلْقَی صَاحِبَہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حِینَ یَنْشَقُّ عَنْہُ الْقَبْرُ کَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ فَیَقُولُ لَہُ: ہَلْ تَعْرِفُنِی؟ فَیَقُولُ: مَا أَعْرِفُکَ. فَیَقُولُ: أَنَا صَاحِبُکَ الْقُرْآنُ الَّذِی أَظْمَأْتُکَ فِی الْھَوَاجِرِ وَأَسْھَرْتُ لَیْلَکَ، وَإِنَّ کُلَّ تَاجِرٍ مِنْ وَرَاءِ تِجَارَتِہِ، وَإِنَّکَ الْیَوْمَ مِنْ وَرَاءِ کُلِّ تِجَارَۃٍ فَیُعْطَی الْمُلْکَ بِیَمِینِہِ وَالْخُلْدَ بِشِمَالِہِ، وَیُوضَعُ عَلَی رَأْسِہِ تَاجُ الْوَقَارِ، وَیُکْسَی وَالِدَاہُ حُلَّتَیْنِ لاَ یُقَوَّمُ لَھُمَا الدُّنْیَا فَیَقُولاَنِ: بِمَ کُسِینَا ھَذَا؟ وَیُقَالُ لَھُمَا: بِأَخْذِ وَلَدِکُمَا الْقُرْآنَ. ثُمَّ یُقَالُ لَہُ: اقْرَأْ وَاصْعَدْ فِی دَرَجِ الْجَنَّۃِ وَغُرَفِھَا، فَھُوَ فِی صُعُودٍ مَا دَامَ یَقْرَأُ ھَذًّا کَانَ أَوْ تَرْتِیلاً۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز قرآن، قرآن پڑھنے والے کو اس وقت ملے گا جب اس کی قبر پھٹے گی (اور وہ قبر سے باہر نکلے گا) ایسے شخص کی شکل میں جس کا رنگ کمزوری اور خوف کی وجہ سے تبدیل ہو چکا ہو، اور کہے گا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ تو وہ شخص کہے گا: میں تجھے نہیں پہچانتا، پس قرآن کہے گا: میں تمہارا دوست قرآن ہوں، وہ دوست جس نے دوپہر کے وقت شدید گرمی کے دنوں میں اپنے چشموں سے سیراب کیا اور تیری راتوں کو جگائے رکھا اور بے شک ہر تاجر اپنے کاروبار کے پیچھے بھاگتا ہے اور بے شک تو بھی آج اپنے اس کاروبار کے پیچھے بھاگے گا (جو تجھے نفع دے)۔ پس اس شخص کو اس کے دائیں ہاتھ میں بادشاہت اور بائیں ہاتھ میں ہمیشہ کی زندگی (یعنی پروانۂ جنت) تھما دیا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج سجایا جائے گا اور اس کے والدین کو دو قیمتی لباس پہنائے جائیں گے جن کی قیمت پوری دنیا سے بھی نہیں لگائی جاسکتی۔ پس وہ دونوں کہیں گے: ہمیں کس وجہ سے یہ قیمتی جوڑے پہنائے گئے؟ تو ان سے کہا جائے گا: تمہارے بیٹے کے (دنیا میں) قرآن سیکھنے کی وجہ سے۔ پھر اس صاحب قرآن کو کہا جائے گا کہ جنت کے کمروں اور سیڑھیوں پر اس قرآن کو پڑھتا جا۔ پس وہ اس وقت تک ان (سیڑھیوں) پر چڑھتا رہے گا جب تک وہ قرآن کو پڑھتا رہے گا خواہ اس کا پڑھنا جلدی کے ساتھ ہو یا ٹھہر ٹھہر کر۔"[1]

[1] (سنن الدارمی، ج۱۰، ص۳۲۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

پچاسویں روایت

فتوح الشام میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنگِ یرموک کا واقعہ نقل فرماتے ہوئے (جو کہ بہت طویل ہے) لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن قرط الآزدی سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خط لکھ کر دیا اور کہا کہ یہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے جائیں تو اس روایت میں ہے:

فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه اللهم احمه و سلمه و اطو له البعيد إنک على كل شيء قدير قال عبد الله بن قرط و خرجت من المسجد من باب الحبشة فقلت في نفسي: لقد أخطأت في الرأي إذ لم أسلم على قبر رسول الله صلى الله عليه و سلم فما أدري أراه بعد اليوم أم لا قال عبد الله فقصدت حجرة رسول الله صلى الله عليه و سلم و عائشة رضي الله عنها جالسة عند قبره و علي بن ابي طالب كرم الله وجهه و العباس جالسان عند القبر و الحسين في حجر علي و الحسن في حجر العباس رضي الله عنه وهم يتلون سورة الأنعام و علي رضي الله عنه يتلو سورة هود فسلمت على رسول الله صلى الله عليه و سلم۔

ترجمہ: کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد اللہ ابن قرط رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا دی کہ یا الٰہی اس پر رحم فرما اور اس کو سالم فرما اور دور کو نزدیک بنا، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ عبد اللہ بن قرط کہتے ہیں کہ میں مسجد سے نکلا حبشہ کے دروازہ سے، پس میں نے دل میں کہا کہ تو اپنی رائے میں خطا ہو چکا ہے، اس لئے کہ تو نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبرِ اطہر کے پاس سلام پیش نہیں کیا اور پتہ نہیں کہ اس کے بعد پھر ملاقات ہو گی یا نہیں۔ عبد اللہ بن قرط کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حجرے کے پاس چلا گیا۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی قبرِ اطہر کے پاس تشریف فرما تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قبرِ اطہر کے پاس تشریف فرما تھے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی گود میں تھے، اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھے۔ اور یہ تلاوت فرما رہے تھے سورۃ الآنعام کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت فرما رہے تھے سورہ ھود کی۔ پس میں نے بارگاہِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں سلام پیش کیا۔[1]

خلاصہ

اس روایت میں خلفائے راشدین میں سے سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور جلیل القدر صحابی اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچا مبارک حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امہات المؤمنین میں سے حضرت سیدنا عائشہ صدیقہ رضی

[1] (فتوح الشام، ج ۱، ص ۲۰۷، المكتبة التوفيقية، القاهرة، مصر)

اللہ تعالیٰ عنہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبرِ اطہر کے پاس بیٹھ کر تلاوت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ قبر کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرنا ایک مستحب عمل ہے۔

نوٹ: اس روایت کو نقل کرنے والے امام واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ اکثر لوگ ان پر جرح کرتے ہیں لہٰذا مختصرًا آپ کی ثقہ ہونے کے دلائل ذیل میں پیش کرتے ہیں:

امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن عمر الواقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ہم کہتے ہیں کہ احناف کے ہاں واقدی ثقہ اور قوی ہے:

محمد بن عمر الواقدی وقال ابن ولد واقدی ۱۳۰ھ ومات فی الحجۃ ۲۰۷ھ۔ ذکر الاستاذ الکبیر امام العصر للعلماء الدیوبند الشیخ محمد انور شاہ الکشمیری الدیوبندی المتوفی ۱۳۵۳ھ۔ فائدہ مہمۃ: واعلم انھم تکلموا فی الواقدی وامرہ عندی انہ حاطب لیل یجمع بین رجل وخیل فیاتی کل رطب ویابس، صحیح وسقیم، ولیس بکذاب وھو متقدم عن أحمد واکبر منہ سنّا، ولکنہ أضاعہ فقدان الرفقۃ وقلۃ ناصرہ فتکلم فیہ من شاء واما الدار القطنی فانہ وان اتی بکل نحو من الحدیث لکنہ شافعی المذھب فکثرت حماتہ فاشتھر اشتھار الشمس فی رابعۃ النھار وبقی الواقدی مجروحا لا یذب عنہ احد فذالک عندی من امر الواقدی أما جمعہ بین الضعاف والصحاح فذالک امر لم ینفرد بہ ھو بل فعلہ آخرون ایضا۔" والاذواق فیہ مختلفۃ فمنھم من یسیر سیرۃ منھم من یکرھہ فلایاتی الا بالمعتبرات انتھی۔

ترجمہ: ایک اہم فائدہ جان لو کہ لوگوں نے علامہ واقدی کے متعلق مختلف باتیں کہی ہیں۔ میری رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ صحیح وضعیف احادیث نقل کرتے ہیں لیکن کذاب (یعنی دروغ گو، جھوٹے) نہیں ہیں۔ وہ امام احمدؒ سے زمانہ کے اعتبار سے مقدم (پہلے) ہیں۔ اور عمر کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ اور امام دار قطنی نے اگرچہ ہر قسم کی احادیث مثلاً صحیح وضعیف نقل کی ہیں لیکن (چونکہ) وہ شافعی المذھب تھے لہٰذا ان کے حامی اور مددگار بہت تھے۔ دوپہر کے سورج کی روشنی کی طرح مشہور ہوئے اور علامہ واقدی کے ساتھی نہ تھے بلکہ ان کے مددگار بھی کم تھے۔ اور جیسی مرضی تھی ان کے متعلق لوگوں نے باتیں کیں۔ اسی وجہ سے واقدی مجروح ہوئے، کسی نے ان کی مدافعت نہ کی بس میری رائے علامہ واقدی کے متعلق یہ ہے۔ حدیث ضعیف و صحیح کو جمع کرنے میں علامہ واقدی منفرد نہیں۔ دیگر محدثین نے بھی اس طرح احادیث جمع کی ہیں تو پھر کیوں صرف واقدی کو ہی مجروح وداغدار کیا جاتا ہے۔[1]

اور فیض الباری میں تحریر ہے:

نقلہ عن الواقدی وھو أعلم بھذہ الأشیاء۔

"یہ حضرت واقدی سے منقول ہے اور وہ ان چیزوں میں سب سے زیادہ عالم ہے۔[2]

---

1 (فتح الباری، ج۴، ص ۱۲۶)

2 (فیض الباری، ج ۲، ص ۱۷۷)

وھذاتقوم بہ الحجۃ عندنا اذا وثقنا الواقدی۔

اور علامہ ابن ھمامؒ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک ان کا قول حجت ہے کیونکہ ہم نے واقدی کی توثیق کی ہے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ھمامؒ نے متعدد مقامات پر امام واقدیؒ کے قول کو قبول کیا ہے مثلاً: فتح القدیر ج ۲، ص ۸۱، ص ۹۵، ص ۲۷۳۔ھلم جرّا

وقال سعد الزبیری ھو ثقۃ مأمون واللہ مارأینا مثلہٗ قط وکذالک قال یزید بن ھارون الواقدی ثقۃ وکذالک قال ابو عبید وقال مجاھد بن موسیٰ ماکتبت عن احد قط احفظ منہ وقال عباس العنبری الواقدی احب الیّ من عبدالرزاق کان ابراھیم الحربی معجباً بہ یقول الواقدی امن الناس علی اھل الاسلام واعلم ناس بامر الاسلام وفقھا ابو عبید من کتب الواقدی قال الضیعی وحدثنی محمد بن خلّاد قال سمعت محمد بن سلام الجمعی یقول محمد بن عمر الواقدی عالم دھرہٖ وقال الداروردی ذاک امیر المؤمنین فی الحدیث۔

ترجمہ: علامہ سعد زبیری نے فرمایا کہ قسم بخدا کہ میں نے ان کے جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ واقدی ثقہ اور مأمون ہے۔ اس طرح یزید بن ھارون نے فرمایا کہ واقدیؒ ثقہ ہے اور اسی طرح ابوعبیدہ نے بھی فرمایا ہے اور مجاہد بن موسیٰ نے فرمایا کہ میں نے واقدیؒ سے زیادہ حافظ الحدیث کسی کو نہ پایا اور عباس عنبری نے کہا کہ علامہ عبد الرزاق سے زیادہ مجھے واقدیؒ عزیز ہے۔

ابراھیم حربی واقدیؒ پر تعجب کرتے تھے اور فرماتے کہ واقدی اھل اسلام پر کئی لوگوں سے زیادہ امین ہیں اور اسلام کے بہت بڑے عالم ہیں۔ ابوعبیدہ، واقدی کی کتابوں کی وجہ سے زیادہ بنے۔ اور الضیعی نے فرمایا کہ مجھے محمد بن خلّاد نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن سلام الجمعی سے سنا کہ محمد بن عمر الواقدی اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے اور الداروردی نے فرمایا کہ واقدی حدیث میں امیر المؤمنین ہیں۔[2]

وعن یعقوب بن شیبۃ حدثنی بعض اصحابنا سمعت اباعامر العقدی یقول نحن نسأل عن الواقدی وانما یسأل الواقدی عنا فما کان یفیدنا الشیوخ والاحادیث الاالواقدی وقال ابن ابی حاتم حدثنی ابی ثنا معاویۃ بن صالح سمعت سنید بن داؤد یقول کنا عند ھشیم فدخل الواقدای فسألہ ھشیم عن باب مایحفظ فیہ فقال ما عندک یا ابا معاویۃ فذکر خمسۃ او ستۃ فحدثہ الواقدی بثلاثین حدیثا ثم قال وسألت مالک وسألت ابن ابی ذئب وسألت وسألت قال فرأیت وجہ ھشیم متغیّر۔

---

[1] (فتح القدیر، ج ۱، ص ۶۹)

[2] (المنظم، باب ذکر من توفیٰ ھذہ السنۃ من الاکابر ج ۳، ص ۲۶۵)

ترجمہ: یعقوب بن شیبہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اباعامر العقدی سے سنا کہ فرماتے تھے واقدی سے میں پوچھتا تھا اور واقدی مجھ سے پوچھتے تھے۔ ہمیں اساتذہ اور احادیث سے اتنا فائدہ نہ ملا جتنا کہ واقدی سے ملا۔ ابو حاتم نے فرمایا کہ میں نے سنید بن داؤد سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ھشیم وہاں تھے کہ واقدی بھی آ گئے تو ھشیم نے واقدیؒ سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا جو انھیں یاد تھیں تو واقدی نے فرمایا۔ اے ابو معاویہ آپ کے پاس اس بارے میں کیا ہے؟ تو ابو معاویہ نے پانچ یا چھ احادیث ذکر کیں تو واقدیؒ نے انہیں تیس (۳۰) احادیث بیان کیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا اور ابن ابی ذئبؒ سے پوچھا اور پوچھا ابراھیم حربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مصعب بن عبد اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ واقدیؒ ثقہ اور مامون ہیں۔ (یعنی احادیث کے محافظ ہیں)[1]

قال ابراهيم بن جابر الفقيه سمعت ابابكر الصاغاني و ذكر الواقدى فقال والله لو لا انه عندى ثقة ماحدثت عنه قد حدّث عنه ابو بكر بن ابى شيبة و ابو عبيد و قال ابراهيم الحربى سمعت مصعب بن عبدالله يقول واقدى علیہ الرحمۃ ثقة مأمون و سئل معن بن عيسىٰ عن الواقدى فقال انا اسأل عن الواقدى، الواقدى سئل عنى و روى جابر بن كردى عن يزيد بن هارون قال الواقدى ثقة۔

اور معن بن عیسیٰ سے واقدی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ واقدی مجھ سے پوچھتے ہیں اور میں واقدی سے پوچھتا ہوں اور جابر بن کردی نے یزید بن ھارون سے روایت کیا ہے کہ واقدی ثقہ ہیں۔[2]

واقدیؒ کے بارے میں مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کیجئے:

(۱) تهذيب الكمال جزء ۲۶، ص ۱۹۲، ميزان الاعتدال جزء ۳، ص ۶۶۵، (۳) تاريخ دمشق باب محمد بن عمر بن واقد ابو عبدالله۔ () تاريخ بغداد، ذكر من اسمه محمد و اسم ابيه عمر، جز ۱، ص ۴۸۷) (۵) تاريخ الاسلام الذهبى باب طرف ميم جز ۴ (۶) التحفة اللطيفة فى التاريخ المدينة الشريفة باب حرف عين المهمله جز ۱، ص ۳۳۶۔ (۷) معجم الادباء باب محمد بن واقد، جز ۲، ص ۴۱۹۔

حضرت علامہ شیخ ابراہیم الحلبیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

والصحيح فى الواقدى التوثيق: قال الشيخ تقى الدين بن دقيق العيد فى الامام جمع شيخنا ابو الفتح الحافظ فى اول كتابه المغازى والسير من ضعفه و من وثقه و رجح توثيقه و ذكر الاجوبة عما قيل فيه۔

---

[1] (تهذيب التهذيب، ج ۹، ص ۳۶۵)

[2] (سير اعلام النبلاء، ج ۹، ص ۴۶۱)

ترجمہ: واقدیؒ کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے امام میں فرمایا کہ ہمارے شیخ ابو الفتح الحافظ نے اپنی کتاب "المغازی والسیر" کی ابتداء میں ان علماء کی رائے کو جمع کیا جنھوں نے واقدی کی تضعیف کی اور جنھوں نے واقدی کی توثیق کی اور پھر واقدی کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے اس کے جوابات کے ذکر کئے ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صدر مدرس دیوبند نے اپنی کتاب "عرف الشذی شرح ترمذی" میں ذکر کیا ہے:

ان الواقدی کذّاب وانه ضعیف عندالکل فی ابتداء عیون الاثر لابی الفتح ابن سید الناس الیعمری انه قوی والظاهر انه لیس بکذاب، اه۔

یعنی کہا گیا ہے کہ واقدی جھوٹا ہے اور وہ ضعیف ہے سب کے ہاں۔ عیون الاثر جو ابوالفتح ابن سید الناس الیعمری کی تصنیف ہے اس کی ابتداء میں ہے کہ واقدیؒ قوی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ واقدی کذاب نہیں، اہ۔[1]

جب سابقہ دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ واقدیؒ کے بارے میں یہ راجح ہے کہ آپ ثقہ ہیں اب جب کہ ان علماء کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ واقدی کذاب اور غیر ثقہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے فتویٰ مرجوح پر دیا ہے۔

اور صاحب متانہ فرماتے ہیں:

والحکم والفتویٰ بالمرجوح فخلاف الاجماع۔[2]

اور علامہ شیخ علاء الدین الحصکفی المتوفیٰ ۱۰۸۸ھ نے تحریر فرمایا ہے:

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع۔[3]

اور ردالمحتار میں ہے:

وکذاالعمل لنفسہ۔۔۔مذهب الحنفیۃ المنع عن المرجوح حتی لنفسہ لکون المرجوح منسوخا، اه۔

یعنی مرجوح پر حکم وفتویٰ دینا اور عمل کرنا جائز نہیں۔ مذھب حنفیہ یہ ہے کہ اپنے لئے بھی مرجوح پر عمل جائز نہیں کیونکہ مرجوح منسوخ ہوتا ہے۔[4]

---

[1] (عرف شذی شرح الترمذی، ص ۱۰)
[2] (متانہ، ص ۸۵)
[3] (ردالمحتار، ج ۱، ص ۱۵)
[4] (شامی، ج ۱ ص ۵۵)

امام کبیر علی بن عمر الدار قطنی المتوفیٰ ۳۸۵ھ نے حضرت علامہ واقدیؒ سے مروی احادیث کو مقبول کہا ہے اور اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے:

نا احمد بن کامل نا احمد بن سعید بن شاھین نا محمد بن سعد نا الواقدی نا سفیان الثوری عند محمد بن اسحٰق بھذہ الاسناد نحوہ۔[1]

اور اسی طرح فقیہ محدث سورتیؒ نے بھی واقدیؒ کی روایت قبول کر کے تحریر فرمایا ہے:

الصحیح فی الواقدی التوثیق قال الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید فی الامام جمع شیخی ابو الفتح الحافظ فی اول کتاب المغازی و السیر من ضعفہ، و من وثقہ، و رجح توثیقہ، و ذکر الاجوبۃ عما قیل فیہ، انتھیٰ۔[2]

اور اسی عبارت کو ص ۱۲۷ حاشیہ ۳، پر ذکر کیا ہے۔

اور علامہ محمد حسن السنبلی نے فرمایا:

و اخرج الدار القطنی من وجہ آخر فیہ الواقدی، اہ۔[3]

آپ نے یہ بھی لکھا:

ان توثیق البعض یکفی فی الاحتجاج عندنا۔

یعنی علامہ دار قطنیؒ نے بھی اپنی تصنیف میں واقدی کو ثقہ مانتے ہوئے آپ کی سند سے حدیث نقل کی ہے۔ اور علامہ وصی احمد السورتی نے بھی فرمایا ہے کہ صحیح بات واقدی کا ثقہ ہونا ہے کیونکہ الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے "الامام" میں لکھا ہے کہ میرے شیخ ابو الفتح الحافظ نے کتاب المغازی والسیر کے اول میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جنھوں نے واقدی کی تضعیف کی یا توثیق کی۔ پھر واقدی کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ واقدی کے بارے میں کہا گیا اس کے جوابات بھی دیئے ہیں۔ محمد بن حسن سنبلی نے ایک اور طریق سے روایت لی جس میں (بھی) واقدیؒ ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ: ہمارے نزدیک بعض لوگوں کی توثیق کرنا بھی احتجاج (حجت کے لئے) کافی ہے"۔

---

[1] (دار قطنی، ج ۱، ص ۲۱، رقم الحدیث ۱۶، و اشار فیہ رقم الحدیث ۱۵)

[2] (التعلیق الجلی، ص ۶۷، حاشیہ ۱)

[3] (تنسیق النظام علی مسند الامام الاعظم علیہ الرحمۃ ص ۲۴ حاشیہ ۵)

شیخ علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینیؒ رقمطراز ہیں:

قد اخرج ابن سعد هذه الطرق كلها من رواية الواقدى وهو ليس بحجة (قلت) ماللواقدى وقد روى عنه الشافعىؒ وابوبكر بن ابى شيبةؒ وابوعبيدؒ وابوخيثمةؒ وعن مصعب الزبيرى ثقة مامون وكذا قال المسيبى وقال ابوعبيد ثقة وعن الداروردى: الواقدى امير المؤمنين فى الحديث اه۔

یعنی علامہ بدر الدین عینیؒ نے فرمایا اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ابن سعد کے یہ طرق حدیث واقدی کی روایت ہے اور واقدی حُجت نہیں (یعنی اس کا قول دلیل نہیں) میں کہتا ہوں کہ واقدی کو کیا ہوا؟ یعنی اس میں کوئی عیب نہیں تو کیوں وہ قابل روایت اور مقبول نہیں حالانکہ) امام شافعیؒ نے یقیناً آپ سے روایت کی اور ابو بکر بن ابی شیبۃ نے بھی، ابو عبید نے بھی، ابو خیثمہ نے بھی روایت کی ہے۔ اور مصعب الزبیری سے مروی ہے کہ واقدی ثقہ اور مأمون ہے اور اسی طرح مسیبی نے بھی کہا ہے اور ابو عبید نے فرمایا کہ ثقہ ہے۔ اور داروردی سے روایت ہے کہ واقدی حدیث میں امیر المؤمنین ہیں۔ (فافهم)[1]

[1] (عمدۃالقاری، ج۱۴، ص۱۰، ملتان، باب کثرۃالنساء، ونسخہ دیگر، ج۲۰، ص۶۹، بیروت)

اقوال الفقہاء والمحدثین فی ذلک الباب

ا۔ فتح الباری لابن حجر، ج۵، ص۳۹۰ پر وہ حدیث ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے، اور ایک سبز ٹہنی کے دو حصے کئے پھر ان کو قبروں پر رکھ دیا۔

پھر ذکر کرتے ہیں:

فی حدیث الباب من الفوائد: ایک فائدہ یہ ہے۔

جواز الصدقة عن المیت: میت کے پیچھے صدقہ کرنا جائز ہے۔

وان ذلک ینفعه: اور اس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

بوصول ثواب الصدقة الیه ولا سیما ان کان من الولد: میت کو صدقہ کے ثواب کے وصول ہونے کی وجہ سے اور خاص کر اولاد سے۔

اب ولا سیما ان کان من الولد کا معنی یہ ہے کہ ولد کی طرف سے صدقے کا ثواب تو پہنچتا ہے اس کے ساتھ ساتھ غیر سے بھی صدقے کا ثواب پہنچتا ہے۔

اس میں اشارتاً ابن تیمیہ پر رد کیا گیا ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمی لحاظ سے آپ کی سند ابن تیمیہ تک پہنچتی ہے، کیونکہ آپ عراقی کے شاگرد ہیں اور وہ ابن کثیر کے شاگرد ہیں اور ابن کثیر ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں۔ اسی وجہ سے ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابن تیمیہ پر صراحتاً اعتراض نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر: آج کل کوئی علماء دیوبند کا شاگرد رہا ہو اب وہ دیوبند کے کسی شیخ پر صراحتاً کہاں اعتراض کر سکتا ہے؟ ادب کی وجہ سے کوئی اپنے شیخ پر صراحتاً اعتراض نہیں کرتا۔

اسی طرح ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی پوری کوشش کے ساتھ خوب ابن تیمیہ پر اشاروں اشاروں میں اعتراضات کئے ہیں بس صرف نام نہیں لیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بعض باتیں ابن تیمیہ کے تفردات ہیں۔ اور عاقل کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

تو مذکور عبارت میں بھی اشارہ کیا ہے کہ: وان ذلک ینفعه بوصول ثواب الصدقة الیه ولا سیما ان کان من الولد۔

۲۔ وفي هذا الحديث جواز الصدقة عن الميت واستحبابها وأن ثوابها يصله وينفعه 4 وينفع المتصدق أيضا۔

اقوال الفقہاء والمحدثین فی ذلک الباب

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث سے میت کے پیچھے صدقے کا جائز ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اور صدقے کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ میت کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور اسے نفع بھی دیتا ہے اور متصدق کو بھی نفع دیتا ہے۔

وھذا کلہ أجمع علیہ المسلمون: یہ سب وہ باتیں ذکر ہوئیں جن پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اس اجماع سے اہل سنت کا اجماع مراد ہے۔

وسبقت المسألۃ فی اول ھذا الشرح فی شرح مقدمۃ صحیح مسلم۔

وھذہ الأحادیث مخصصۃ لعموم قولہ تعالی وأن لیس للإنسان إلا ما سعی وأجمع المسلمون علی أنہ لا یجب علی الوارث التصدق عن میتہ صدقۃ التطوع بل ھي مستحبۃ۔[1]

۳۔ وفی الحدیث جواز الصدقۃ عن المیت وأن ذلک ینفعہ بوصول الثواب الصدقۃ الیہ ولا سیما ان کان من الولد وھکذا حکم الدعاء وھو مخصص لعموم قولہ تعالی: لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹)[2]

۴۔ وأما قولہ إذا تبرع عن المیت بصدقہ أو عتق ھل یصل إلیہ ثوابہ؟

سوال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی احسان کے طور پر میت کے پیچھے صدقہ یا غلام آزاد کر دیتا ہے کیا میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے؟

فالجواب أن ثواب الصدقۃ یصل إلی المیت عند جمھور أھل العلم من أھل السنۃ وشذ من قال من المبتدعۃ إنہ لا یصل إلی المیت شيء من الثواب إلا ما عملہ أو تسبب في عمولہ لثبوت الأخبار الصحیحۃ بمشروعیۃ الصدقۃ عن المیت وأنہ ینتفع بذلک۔

جواب: جمہور اہل سنت کے مذہب پر میت کو صدقے کا ثواب پہنچتا ہے اور بدعتیوں کا قول شاذ ہے جو کہتے ہیں کہ میت کے پیچھے صدقے کا ثواب نہیں پہنچتا مگر وہ جو اس نے عمل کیا ہے۔[3]

تو جمہور اہل سنت ایصالِ ثواب کے قائل ہیں اور منکرین ایصالِ ثواب مبتدعین ہیں۔

اسی طرح منکرین درج ذیل حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ۔

---

[1] (شرح النووی علی مسلم، ج۶، ص۲۰)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۶، ص۳۹۰)

[3] (الاربعین المتبانیۃ السماع للعسقلانی، ج۱، ص۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب انسان فوت ہو جائے تو اس سے اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں (جو عبارت میں مذکور ہیں)۔[1]

اب اعتراض یہ کرتے ہیں کہ اس حدیث میں ختم قرآن وغیرہ تو نہیں ہیں سوائے ان تین کے جو کہ ولد صالح، صدقہ جاریہ اور علم ینتفع بہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس زمانے کے وہابی وغیرہ سے لے کر ابن تیمیہ تک انہوں نے تحقیق نہیں کی ہے بلکہ مفہومِ مخالف سے استدلال کرتے ہیں اور نصِ قرآنی میں مفہومِ مخالف مراد لینا جائز نہیں ہے۔ اور کیسے ہو بھی سکتا ہے کیونکہ حدیث میں ذکر ہے کہ انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو ان سے ان کا اپنا عمل منقطع ہو جاتا ہے باقی غیر کا عمل ان سے قطع ہو جاتا ہے یا نہیں؟ چاہے وہ غیر ولد ہے یا ولد ہے حدیث تو اس سے ساکت ہے۔

بلکہ حدیث میں یوں ذکر ہوا ہے کہ میت کا اپنا عمل قطع ہو جاتا ہے اب غیر کا عمل قطع ہو جاتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اگر تم کہتے ہو کہ جب میت کا اپنا عمل قطع ہو جاتا ہے تو غیر کا بطریق اولیٰ قطع ہو گا۔ اس بات پر کوئی نص نہیں ہے، بلکہ ہم نے نصوص سے یہ ثابت کیا ما قبل میں کہ غیر کا عمل میت کو پہنچتا ہے۔

حدیث میں میت کے اپنے عمل کے قطع کا ذکر ہے غیر کے عمل کا میت سے قطع ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اب کوئی تلاوت کر کے یا صدقہ وغیرہ کر لیتا ہے ایصالِ ثواب کی نیت سے تو یہ تو غیر کا عمل ہے حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

محدثین ولد کو میت کے عمل سے شمار کرنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ ولد تو ان کے عمل سے نہیں ہے۔

پھر جواب یہ دیتے ہیں ولد باپ کے عمل سے ہی پیدا ہوا ہے اگر والد عمل نہ کرتا تو ولد نہ پیدا ہوتا۔

اور پھر یہ دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (۱) مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ (المسد ۲)

مَا أَغْنَى عَنْهُ نہیں دور کیا ان سے ان کے مال نے اور نہ ہی ان کے وَمَا كَسَبَ نے۔

تو کہتے ہیں کہ ما کسب تو مال ہی ہے تو ما کسب کو مال کے بعد کیوں ذکر کیا ہے کیونکہ مال کا ذکر تو اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ ماکسب سے مال اس لئے مراد ہے کہ کوئی بندہ جب کوئی کسب کرتا ہے تو مال کمانے کے لئے ہی کرتا ہے تو اس کا جواب یہ

[1] (صحیح مسلم، ج۳، ص ۱۲۵۵، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

دیتے ہیں کہ وَمَا کَسَبَ بمعنی ماولد ہے۔یعنی عبارت یوں ہے کہ: ما اغنی عنہ مالہ وما ولد۔ اب دیکھو یہاں پر ولد کو کسب کہا گیاہے کیونکہ یہ ان کا عمل ہے اور اسی وجہ سے استثناء ہوا۔

عمدۃ القاری میں ہے:

وفي حديث مسلم عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه إن رجلا قال يا رسول الله إن أبي مات وترک مالا ولم يوص فهل يكفي ذلک عنه أن أتصدق قال نعم فالقضية إذن متعددة ويستفاد منه أن الصدقة عن الميت تجوز وأنه ينتفع بها۔[1]

فالقضية إذن متعددة کے ساتھ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر رد کررہے ہیں کہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مقام پر فرمایاہے کہ یہ واقعہ اور وہ پہلے جو واقعہ گزر گیا کہ ایک شخص آیااور عرض کی کہ میرا باپ فوت ہو گیاہے کیامیں ان کے پیچھے کچھ صدقہ کروں، الخ؟ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ تو عمدۃ القاری کے مصنف فرماتے ہیں کہ نہیں یہ ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ علیحدہ واقعہ ہے اور وہ علیحدہ واقعہ ہے۔

اسی طرح شرح سنن ابی داوٗد میں ہے:

باب ما جاء في الصدقة عن الميت كون الإنسان يتصدق عن نفسه بصدقة جارية، أو يتصدق عنه غيره بصدقة جارية كل ذلک ينفعه، وكل ذلک يصل إليه، سواء كانت هذه الصدقة هو الذي تصدق بها عن نفسه، فإنها تبقى بعد وفاته، وهي من عمله۔[2]

اس سے مراد صدقہ جاریہ ہے۔

أو أن إنساناً تصدق عنه بصدقة جارية، أو صدقة غير جارية؛ فإن كل ذلک ينفعه۔[3]

التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید میں ہے:

فَأَمَّا الصَّدَقَةُ عَنِ الْمَيِّتِ فَمُجْتَمَعٌ عَلَى جَوَازِهَا لَا خِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ فِيهَا وَكَذَلِکَ الْعِتْقُ عَنِ الْمَيِّتِ جَائِزٌ بِإِجْمَاعٍ أَيْضًا۔[4]

المجموع شرح المہذب میں ہے:

وأجمع المسلمون على أن الصدقة عن الميت تنفعه وتصله۔[5]

---

[1] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج۱۳، ص۱۵۴)

[2] (شرح سنن ابی داؤد، ج۵، ص۳۷۷)

[3] (شرح سنن ابی داؤد، ج۵، ص۳۷۷)

[4] (التمھید لمافی الموطا من المعانی والاسانید، ج۲۰، ص۲۷)

[5] (المجموع شرح المھذب، ج۵، ص۳۲۳)

اقوال الفقہاء والمحدثین فی ذلک الباب

الاختیارات الفقہیۃ للترمذی میں ہے:

باب ما جاء في الصدقة عن الميت: حدثنا أحمد بن منيع حدثنا روح بن عبادة حدثنا زكريا بن إسحاق حدثني عمرو بن دينار عن عكرمة عن بن عباس أن رجلا قال يا رسول الله إن أمي توفيت أفينفعها إن تصدقت عنها قال نعم قال فإن لي مخرفا فأشهدك أني قد تصدقت به عنها۔

قال أبو عيسى وبه يقول أهل العلم يقولون ليس شيء يصل الميت إلا الصدقة والدعاء قال ومعنى قوله إن لي مخرفا يعني بستانا۔[1]

ابو عیسیٰ اس کے ساتھ اپنا مذہب ثابت کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ شوافع تلاوت کے ایصال کے قائل نہیں ہیں۔

الدرر السنیۃ فی الکتب النجدیۃ میں ہے:

وأما صدقة المال، فهي يصل ثوابها إلى الميت باتفاق العلماء. وأجاب أيضاً: الصدقة عن الميت من ماله الذي خلف حسن، والصدقة المالية تصل إلى الميت باتفاق أهل العلم۔[2]

اب مذکورہ عبارت میں یہ کچھ کہہ رہے ہیں مگر ان کی کتب کی تفصیل میں نے دیکھی ہے کہ وہابی کہتے ہیں کہ صدقة الی المیت پہنچتاہے۔ مگر اولاد کی طرف سے غیر ولد کی طرف سے نہیں پہنچتا یہ سب ابن تیمیہ کے پیچھے چلتے ہیں۔

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک صحیح حدیث نقل ہے جو کہ درج ذیل ہے:

كنا نعد الاجتماع الى الميت وصنيعة الطعام بعد دفنه من النياحة۔

بعض عبارات میں صنیعة کی بجائے صنعة کا لفظ مذکور ہے، جیسے کہ ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میت کے گھر میں جمع ہونے اور میت کے گھر کی طرف سے کھانے کے انتظام کو نیاحہ ممنوعہ میں سے سمجھتے تھے۔

اس عبارت سے مخالفینِ خیرات (یعنی جو کھانا پہلے دن یا تیسرے دن یا چالیسویں میں لوگوں کو کھلایا جاتا ہے ہمارے علاقے میں اُسے خیرات کہتے ہیں) وغیرہ پر رد کر رہے ہیں اور فقہاء کرام نے بھی کئے ہیں لیکن فقہاء ضیافت پر رد کر رہے ہیں خیرات اور صدقات پر نہیں کر رہے ہیں۔ اور خصم مطلق منع کرتے ہیں اور فقہاء کرام کی عبارات کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

توہم ان کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب تم لوگ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر اپنے آپ کو عاملین سمجھتے ہو تو پھر پوری کی پوری روایت پر عمل کرو۔ وہ اس طرح کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ: كنا نعد الاجتماع من

[1] (الاختیارات الفقہیۃ للترمذی، ج ا، ص ۳۱۳)

[2] (الدرر السنیۃ فی الکتب النجدیۃ، ج ٦، ص ۱٦۱)

النیاحۃ کہ ہم میت کے گھر میں جمع ہونے کو بھی نیاحہ سمجھتے تھے۔ کون سا ایسا وہابی یا اشاعتی مماتی ہے کہ اس کے گھر جب فوتگی ہوئی ہوتی ہے اور گھر میں لوگ نہ جمع ہوئے ہوں؟ سارے جمع ہو جاتے ہیں۔

یا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح متبع سنت بنو کہ جب غزوۂ یرموک میں غروب سے تھوڑی دیر پہلے آپ کا بیٹا شہید ہو گیا، زخمی پہلے ہوئے تھے مغرب کی نماز کو تھوڑی دیر باقی تھی، وہ تو صحرا تھا لوگ ایک طرف نکل گئے نماز ادا کرنے کے لئے تقریباً ۴۰۰۰۰، ۴۲۰۰۰ لوگ تھے، بہت بڑا اجتماع تھا۔ بس معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھ چند لوگ لئے اور جلدی جلدی غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب نماز سے واپس ہوئے تو نماز جنازہ اور دفن سب کچھ گزر گیا تھا۔ تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی ایسا کیوں کیا؟ تھوڑی دیر صبر کر لیتے تاکہ ہم بھی جنازہ میں شریک ہو جاتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ تعلیم نہیں دی ہے کہ میں میت کو زیادہ دیر ٹھہراؤں۔ بلکہ مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے چند چیزوں میں جلدی کیا کرو، ایک تب جب لڑکی جوان ہو جائے اس کے نکاح میں اور ایک تب جب فوتگی ہو جائے تو جلدی دفن کیا کرو اور جلدی کرنا مستحب بھی ہے۔

کنا نعد الاجتماع میں پہلے اجتماع کا منع آیا ہے، کوئی بھی وہابی یا اشاعتی مماتی یا احناف میں سے (کیونکہ بہت سے احناف بھی خیرات کو ناجائز کہتے ہیں) کسی کے گھر میں جب فوتگی ہو جائے تو دیکھو کہ لوگ جمع ہوتے ہیں یا نہیں؟ سارے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک شور مچایا ہوا ہوتا ہے۔

مخالفین جب بھی تمہیں حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پیش کریں گے تو حدیث کا دوسرا ٹکڑا پیش کرتے ہیں کہ: کنا نعد الاجتماع من النیاحۃ۔ تو تم انہیں کہو کہ پوری روایت پیش کرو جب پوری روایت پیش کریں پھر تم اسی شخص کو قسم دو کہ جب تمہارے گھر میں فوتگی ہو جاتی ہے لوگ نہیں جمع ہوتے؟ یا صرف اس روایت سے تم خیرات وصدقات وغیرہ کو مکروہ یا بدعت یا حرام ثابت کرنا چاہتے ہو؟ جس روایت سے تم خیرات وغیرہ کو حرام ثابت کرنا چاہتے ہو اسی روایت میں تمہارے اجتماع پر بھی رد ہے۔

روایت کا اصل مقصد یہ ہے کہ روایت میں وصنیعۃ الطعام کا لفظ مذکور ہے۔ ایک کھانا یعنی دعوت تیار کرنا ہوتا ہے اور ایک عام خیرات صدقہ کرنا ہوتا ہے ان دونوں میں فرق ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں فلاں جگہ گیا تھا، بہت بہترین کھانا تیار کیا تھا، یہ الفاظ ضیافت کے ہیں۔ اور لفظ صنع سے بھی ضیافت مراد ہے کہ میت کے گھرانے کا میت دفن کرنے کے بعد فوراً کسی کے لئے ضیافت کرنا مراد ہے۔

اقوال الفقہاء والمحدثین فی ذلک الباب

روایت میں لفظ تصدق نہیں ہے بلکہ صنعة الطعام ہے، کوئی بھی نہیں کہتا اس کو کھانے کے بعد جو میت کے پیچھے صدقہ کیا ہوتا ہے کہ بہت اچھا کھانا تیار کیا تھا۔ اصطلاح میں بھی فرق ہے صنیعة الطعام سے مراد ضیافت ہے جیسے کہ لفظوں سے بھی معلوم ہو رہا ہے۔

بل الفقہاء اعلم بمعانی الحدیث: (حدیث کے معانی کو فقیہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے) تمام فقہاء حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت سے ضیافت مراد لیتے ہیں کہ ضیافت مکروہ ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کا لوگوں کے لئے ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ درج ذیل حوالہ جات جو میں پیش کرنے جا رہا ہوں یہ وہ عبارات ہیں جو مخالفین خیرات اور صدقہ کرنے کے رد میں پیش کرتے ہیں۔

عون المعبود میں حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ذکر کی گئی ہے اور پھر فرمایا ہے:

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنْ أَهْلِ الْمَيِّتِ۔

اہل میت کا کسی کی ضیافت کرنا مکروہ ہے۔[1]

لِأَنَّهُ شُرِعَ فِي السُّرُورِ لَا فِي الشُّرُورِ وَهِيَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ۔

اس لئے کہ ضیافات سرور میں مشروع ہیں نہ کہ شرور میں اور یہ بُری بدعت ہے۔[2]

فقہاء ضیافت کو بدعت کہہ رہے ہیں ضیافت کو تو ہم بھی مکروہ کہتے ہیں۔

اسی طرح مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وَقَالَ: يُكْرَهُ اتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنْ أَهْلِ الْمَيِّتِ، وَالْكُلُّ عَلَّلُوهُ بِأَنَّهُ شَرْعٌ فِي السُّرُورِ، لَا فِي الشُّرُورِ. قَالَ: وَهِيَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ۔[3]

اسی طرح حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار میں ہے:

وقال أيضا: ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لانه شرع في السرور۔[4]

اسی طرح فتح القدیر لکمال ابن الہمام میں ہے:

وَيُكْرَهُ اتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنْ الطَّعَامِ مِنْ أَهْلِ الْمَيِّتِ لِأَنَّهُ شُرِعَ فِي السُّرُورِ لَا فِي الشُّرُورِ، وَهِيَ بِدْعَةٌ مُسْتَقْبَحَةٌ۔[5]

---

[1] (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ج۸، ص ۳۰۶)

[2] (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ج۸، ص ۳۰۶)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۵، ص ۹۵۹)

[4] (حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار، ج۲، ص ۲۴۰)

[5] (فتح القدیر لکمال ابن الھمام، ج۳، ص ۴۳۲)

تو مذکورہ فقہاء کرام کی عبارات اس پر دال ہیں کہ میت کے گھرانے کی ضیافات مکروہ ہیں۔

اسی طرح مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

بل ذکر فی البزازیۃ وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا۔[1]

اگر کسی نے فقراء کو کھانا کھلایا تو یہ اچھا کام ہے۔

بل ذکر فی الفتاوی الھندیۃ وفی الخانیۃ وان ولی المیت طعاما للفقراء کان حسنا۔

اگر میت کے گھر والوں نے فقراء کو کھانا کھلایا تو یہ اچھا کام ہے۔

وان یکون فی الورثۃ صغیر لم یتخذ ذلک من الترکۃ فلا یتخذ ذلک من الترکۃ۔

اگر میت کے ورثاء میں صغیر ہو تو پھر ترکہ سے کچھ بھی نہ لینا۔

اگر صغیر ورثاء ہوں تو پھر بھی وارث اس عمل کو تبرع سمجھے گا ناجائز تب بھی نہیں ہے۔ اب دیکھنا ہے اگر صغیر ورثاء کی موجودگی میں کبیر ورثاء میت کے پیچھے خیرات صدقات کر لیتے ہیں کیا وہ اپنے مال سے کرتے ہیں یا ترکہ سے کر رہے ہیں، اگر اپنے مال سے کر رہے ہیں پھر تو اس میں بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے، اور اگر میت کے ترکہ میں سے کر رہے ہیں تو وہاں صغیر بھی موجود ہے جو صاحبِ اجازت نہیں ہے۔ تو اس صورت میں اگر کبیر ورثاء خیرات وصدقات میت کے پیچھے کر لیتے ہیں تو ان کو اپنے دل میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کل جب صغیر جوان ہو جائے تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ جو خیرات وصدقات ہم نے اپنے والد کے پیچھے کئے ہیں کیا تم ان میں حصہ لینا چاہتے ہو کہ نہیں؟ اگر وہ کہے کہ ہاں لینا چاہتا ہوں تو پھر تو مسئلہ درست ہے اور اگر کہے کہ نہیں لینا چاہتا تو پھر کبیر ورثاء نے اپنے مال سے صغیر کو ان کا حصہ دینا ہو گا۔ اور ایسے معاملات ہمارے پاس بہت آتے ہیں کہ میں نے ترکہ سے باپ کے پیچھے خیرات اور صدقات کئے تھے اب یہ ان میں حصہ نہیں ڈالتا تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ نیکی نہیں کرنا چاہتا ہو گا اس کا حق ہے اسے واپس کرو۔

یا کوئی کبیر وارث ہوتا ہے لیکن غائب ہوتا ہے کئی لوگ خبر بھی انہیں نہیں دیتے تو باقی ورثاء میت کے پیچھے ترکہ سے خیرات اور صدقات کر لیتے ہیں پھر جب غائب وارث کو خبر مل جائے تو پھر ان سے بھی پوچھا ہے کہ کیا آپ حصہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ نہیں؟ اگر وہ مان جائے تو پھر تو کوئی مسئلہ نہیں اور اگر کہے کہ نہیں مجھے پورا پورا حصہ دیا جائے تو پھر اس شخص کو وہ پورا حصہ دیں جس نے وہ صدقات و خیرات کئے ہیں۔

---

[1] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ج ۱، ص ۴۱۰)

اسی طرح ردالمختار میں ہے:

وَ الْحاصِلُ أَنَّ اتِّخاذَ الطَّعامِ عِنْدَ قِراءَةِ الْقُرْآنِ لِأَجْلِ الْأَكْلِ يُكْرَهُ۔

ختم القرآن کے وقت کھانا تیار کرنا کھانے کے لئے مکروہ ہے۔[1]

وَ فِيهَا مِنْ كِتَابِ الِاسْتِحْسَانِ: وَإِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا۔

اور اگر فقراء کے لئے کھانا تیار کیا تو یہ احسن ہے۔[2]

اگر کوئی کہتا ہے کہ اس کو تو مالدار لوگ بھی کھاتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ للفقراء کی قید احترازی نہیں ہے بلکہ قید تفاقی ہے۔ یعنی یہ کھانا خیرات ہو اور خیرات اور صدقات لوگ فقراء کے لئے ہی تیار کرتے ہیں اور میت کے پیچھے خیرات اور صدقات نفلی ہوتے ہیں اور ہمارے اصول اس پر گواہ ہیں کہ صدقہ نفلیہ مالدار تو درکنار کافر بھی کھا سکتا ہے۔

اسی طرح بحر الرائق میں ہے:

وفي الْخَانِيَةِ وَإِنْ اتَّخَذَ وَلِيُّ الْمَيِّتِ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كان حَسَنًا إذَا كَانُوا بَالِغِينَ۔

اگر میت کے اولیاء بالغ ہوں تو فقراء کے لئے کھانا بنانا اچھا ہے۔

وَإِنْ كان في الْوَرَثَةِ صَغِيرٌ لم يَتَّخِذْ ذلك من التَرِكَةِ۔

اور اگر ورثاء میں صغیر بھی ہوں تو پھر صدقہ اور خیرات کے لئے ترکہ میں سے خرچ نہ کریں۔[3]

بلکہ اپنی جیب سے خرچ کریں۔ اب یہ استحسان ہے اور جس میں منع آیا ہے وہ قیاس ہے۔ تو قیاس اور استحسان کا جب معارضہ پیش آئے تو المحیط البرھانی للامام برھان الدین بن مارۃ، ج۵، ص۲۳۱ پر ذکر کیا ہے کہ ویترک القیاس بالاستحسان ہمارے فقہ میں جتنے قیاسات آئے ہیں اور اس کے بعد استحسان ہو تو استحسان مقدم ہوتا ہے قیاس پر۔

یہ جواب اشاعتی مماتی کو دے سکتے ہو وہابی کو نہیں۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جن فقہاء نے مطلق خیرات کو ناجائز اور بدعت کہا ہے ضیافت کا لفظ ذکر نہیں کیا ہے جیسے کہ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ تو انہوں نے قیاس سے استدلال کیا ہے اور جن فقہاء نے جائز قرار دیا ہے تو انہوں نے استحسان سے استدلال کیا ہے۔

اور استحسان فقہ حنفی میں قیاس پر مقدم ہوتا ہے اور ترجیح استحسان کو ہوتی ہے۔

---

[1] (ردالمحتار، ج۶، ص۳۹۴)

[2] (ردالمحتار، ج۶، ص۳۹۴)

[3] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۵، ص۳۶۹)

یہ وہ عبارات میں نے ذکر کیں جن سے مخالفین استدلال کرتے ہیں تو ان عبارات کے جوابات ان ہی عبارتوں میں موجود ہوتے ہیں جب وہ ان عبارتوں کو پیش کریں تو ان سے کہنا کہ پوری عبارت پڑھیں جب وہ پوری عبارت پڑھ لیں گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ فقہاء ضیافت کو مکروہ کہہ رہے ہیں صدقہ و خیرات کو مکروہ نہیں کہتے۔

تو حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت محمول ہوئی ضیافات پر کہ میت کے گھر میں ضیافات ناجائز ہیں۔

وہابی وغیرہ کے ساتھ بحث مباحثہ کا طریقہ یہ ہو گا کہ تم سب سے پہلے پوچھو گے: نعد الاجتماع من النیاحۃ؟ تو تم فوتگی کے وقت کیوں اجتماع کرتے ہو؟ اور دوسری بات یہ پوچھو گے کہ صدقات وخیرات کتنے دنوں تک حرام ہیں تو کہے گا کہ تین دن تک۔ تو پوچھنا کہ ثلاثۃ ایام کی قید دکھاؤ۔ کیا حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ثلاثۃ ایام کی قید ہے؟ وہاں یہ قید تو نہیں، وہاں تو مطلق ذکر ہے کہ میت کے گھر والوں کا کھانا کھلانا نیاحۃ میں سے ہم سمجھتے تھے۔

اور جواب صنعۃ الطعام کے لفظ سے دینا ہے کہ لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اس سے مراد ضیافت ہے۔ کیونکہ کھانے کو تیار کرنا ضیافت میں ہوتا ہے کما حققہ الفقہاء جیسے کہ ہمارے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے۔

مسئلہ ایصالِ ثواب اور تصورِ بدعت

بدعت کا لغوی مفہوم

گزشتہ صفحات میں قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں مسئلہ ایصالِ ثواب اور اس کی شرعی حیثیت پر تفصیلی روشنی میں مسئلہ ایصالِ ثواب اور اس کی شرعی حیثیت پر تفصیلی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ اس ضمن میں ہم نے یہ بھی واضح کیا کہ نیکی کے پھیلانے میں کس طرح افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کا راستہ اپنایا جائے؟ مسئلہ ٔ ایصالِ ثواب آج تک جمہور مسلمانوں کے ہاں متفقہ مسئلہ رہا ہے اور جو لوگ اس کے انکاری ہیں وہ دین کی حقیقی ورح سے نابلد ہیں۔

صحیح احادیث مبارکہ کی روسے میت کو زندوں کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔ جمہور مسلمانوں کے ہاں یہی درست عقیدہ ہے اور جو انکاری ہیں دراصل وہ لوگ بدعتی ہیں۔

علامہ ابن قیم الجوزی لکھتے ہیں کہ جو لوگ ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہیں وہ بدعتی ہیں۔

وَ ذهب بعض أهل الْبدع من أهل الْكَلَام أَنه لَا يصل إِلَى الْمَيِّت شَيْء الْبَتَّةَ لَا دعاء وَ لَا غيره۔

بعض متکلم بدعتی کہتے ہیں کہ مردے کو نہ دعا کا ثواب پہنچتا ہے اور نہ کسی اور عمل کا۔[1]

عام طور پر اس مسئلے کے حوالے سے معترضین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ میت کے ایصال ثواب کے لئے قُل، ساتواں، چالیسواں اور عرس وغیرہ کے لئے دن کا تعین کرنا اور اس عمل صالح کو کسی کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں اس طرح تعین نہیں ہوتا تھا اور ہر وہ کام جو عہدِ رسالت مآب میں نہ ہو اور نہ ہی عہدِ خلافتِ راشدہ وعہدِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس کا وجود ملتا ہو وہ بدعت ہے، لہٰذا حرام وناجائز ہے۔ کیا فی الواقع ایسا ہی ہے؟

سردست ہم بدعت کے لغوی واصطلاحی مفہوم کے ذریعے یہ واضح کریں گے کہ بدعت کا مذکورہ تصور بالکل غلط ہے کیونکہ اس تصور کے تحت دینِ اسلام کے بے شمار حقائق اور اس کی متعدد تعلیمات بدعت کے زمرے میں آکر دین سے خارج قرار پاتی ہیں۔

---

[1] (الروح، ج ا، ص ١٦٠)

بدعت کا لغوی مفہوم

"بدعت" عربی زبان کا لفظ ہے جو "بدع" سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے: "اخترعه وصنعه لا علی مثال"۔[1] یعنی "نئی چیز ایجاد کرنا، نیا بنانا" یا جس چیز کا پہلے وجود نہ ہو اسے عالمِ وجود میں لانا۔

جس طرح یہ کائنات نیست اور عدم تھی اور اس کو اللہ رب العزت نے مثال سابق کے بغیر خلعتِ وجود عطا کی تو لغوی اعتبار سے یہ بھی "بدعت" کہلائی اور اس بدعت کا خالق خود اللہ رب العزت ہے جو اپنی شانِ تخلیق بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (البقرة ١١٧)

ترجمہ: نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (الأنعام ١٠١)

ترجمہ: بے کسی نمونے کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ وہ ہستی جو کسی ایسی چیز کو وجود عطا کرے جو پہلے موجود نہ ہو "بدیع" کہلاتی ہے۔ بدعت کے اس لغوی مفہوم کی وضاحت قرآن حکیم کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے اعلان کرایا جارہا ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ (الأحقاف ٩)

ترجمہ: تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں۔

مندرجہ بالا قرآن شہادتوں کی بنا پر متحقق ہو گیا کہ کائنات ارضی و سماوی کی تخلیق کا ہر نیا مرحلہ اللہ رب العزت کی زبان مبارک سے بدعت کہلاتا ہے۔

---

[1] (المنجد، ص ٢٩)

جیسا کہ "فتح المبین شرح اربعین نووی" میں علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کے لغوی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

البدعة لغة ما كان مخترعًا على غير مثال سابق و منه "بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" اى موجدهما على غير مثال سابق۔

بدعت لغت میں اس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو (جس طرح قرآن میں شان خداوندی کے متعلق فرمایا گیا) "آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا" یعنی زمین و آسمان کو بغیر کسی سابقہ مثال کے (پہلی مرتبہ) پیدا فرمانے والا۔[1]

بدعت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاحِ شریعت میں بدعت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فقہاء اور آئمہ حدیث نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"ہر وہ نیا کام جس کی کوئی اصل بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ قرآن میں ہو نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں اور اس کو ضروریاتِ دین میں شمار کرتے ہوئے شامل دین کر لیا جائے"۔

(ضروریاتِ دین ان چیزوں کو کہتے ہیں جن میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔)

ایسی بدعت کو "بدعتِ سیئہ" اور "بدعتِ ضلالہ" کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ارشاد "كل بدعة ضلالة" سے بھی یہی بدعت مراد ہے نہ کہ ہر نئے کام کو "ضلالة" کہا جائے گا۔

کیا ہر نیا کام ناجائز ہے؟

ایسے نئے امور اپنی اصل کے لحاظ سے تو بدعت ہی شمار کئے جاتے ہیں جن کی اصل قرآن و سنت میں نہ ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر نیا کام ازروئے شریعت اس لئے ناجائز و حرام ہو گا کہ وہ نیا ہے؟

اگر شرعی اصولوں کا معیار یہ قرار پا جائے تو دینِ اسلام اور شریعتِ مطہرہ کی تعلیمات میں سے کم و بیش ستّر سے اسّی فیصد حصہ ناجائز ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اجتہاد کی ساری صورتیں اور قیاس، استحسان، استنباط اور استدلال وغیرہ کی جملہ شکلیں ناجائز کہلائیں گی۔ اسی طرح دینی علوم و فنون مثلاً اصولِ تفسیر و حدیث، فقہ و اصولِ فقہ، ان کی تدوین و تدریس ان کو سمجھنے کے لئے صرف و نحو، معانی، منطق و فلسفہ اور دیگر معاشرتی و معاشی علوم جو تفہیم دین کے لئے ضروری اور عصری تقاضوں کے مطابق لابدی حیثیت رکھتے ہیں ان کا سیکھنا، سکھانا حرام قرار پائے گا۔ کیونکہ ان کی اصل قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ان کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ انہیں تو بعد میں ضروریات کے پیشِ نظر علماء و مجتہدین

[1] (بیان المولد والقیام، ص ۲۰)

اسلام نے وضع فرمایا۔ یہ سارے کے سارے علوم وفنون اپنی ہیئت کے اعتبار سے نئے ہیں اور لغتًا یہ بھی بدعت کے زمرے میں آتے ہیں۔

قرونِ اولیٰ کے برعکس بعض مروجہ امور

ہزاروں اور لاکھوں مسائل اور اعمال دینی اور مذہبی زندگی کے اندر ہماری زندگی میں ایسے ہیں جن کو اس شکل میں نہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کیا تھا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا تھا لیکن ہم کرتے ہیں، مثلاً:

۱۔ مسجدوں کا پکا بنانا۔

۲۔ مسجدوں کو مزین کرنا۔

۳۔ آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا۔

۴۔ مخصوص نصابوں پر کتابوں کا مرتب کرنا اور پڑھنا۔

۵۔ مخصوص مقامات پر وعظ تبلیغ اور تربیت کے لئے اجتماعات کا انعقاد کرنا۔

۶۔ جلسوں میں نعرہ لگانا خواہ خالی نعرہ توحید ہی کیوں نہ ہو۔

۷۔ خاص طرز کا لباس پہننا۔

۸۔ قرآن مجید پر غلاف چڑھانا۔

۹۔ قرآن مجید پر زیروزبر لگانا۔

۱۰۔ مختلف نمازوں کے بعد باہم مصافحہ کرنا۔

۱۱۔ صرف، نحو، منطق اور فلسفہ پڑھنا اور پڑھانا۔

۱۲۔ درسِ نظامی قائم کرنا۔

۱۳۔ مدرسوں کا صد سالہ جشن منانا۔

۱۴۔ منبروں پر کفار ومشرکین کو بٹھا کر غیرت دینی کی دھجیاں اڑانا۔

۱۵۔ سالانہ ختم بخاری کے نام پر اجتماعات کا انعقاد کرنا۔

۱۶۔ جماعتیں اور تنظیمیں بنانا۔

۱۷۔ میلادالنبی اور سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نام پر جلسے کرنا۔

۱۸۔ ایک مخصوص مقام پر مقررہ تواریخ پر سالانہ عالمی اجتماعات کرنا۔

۱۹۔ حسنِ قرأت اور حسنِ نعت کے مقابلے منعقد کرانا اور اول، دوئم، سوئم آنے والوں میں یادگاری شیلڈیں تقسیم کرنا۔

۲۰۔ یومِ صدیق، یومِ عمر، یومِ عثمان اور یومِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم منانا۔

۲۱۔ محافل میلاد کو شرک اور بدعت قرار دے کر خود مختلف عنوانات پر ولادت مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کانفرنسوں کا اہتمام کرنا۔

۲۲۔ رمضان المبارک میں محافل شبینہ منعقد کرنا۔

۲۳۔ اجتماعی افطار پارٹی کا اہتمام کرنا۔

۲۴۔ عید ملن پارٹی کا اہتمام کرنا۔

۲۵۔ اپنے دینی رہنماؤں کے لئے جلوس نکالنا۔

۲۶۔ اپنے "شہید" رہنماؤں کی تصویروں پر مبنی پلے کارڈ اٹھا کر اور بینرز لہرا کر احتجاجی مظاہرے کرنا۔

۲۷۔ اجہاد کانفرنس اور جہادی مظاہروں کا اہتمام کرنا۔

۲۸۔ سیمینار اور مذاکرات کی آڑ میں اپنے اکابرین کے عرس اور ان کی برسیاں منانا۔

۲۹۔ نمازِ غائبانہ کے لئے اشتہار بازی سے اپنے مسلک کی تشہیر کرنا۔

۳۰۔ اجتماعی نکاحوں کی تقاریب منعقد کرنا۔

۳۱۔ یکجہتی کے اظہار کے لئے زنجیریں بنانا۔

یہ سب وہ اعمال ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ایسا نہیں کیا تھا جبکہ ہم کرتے ہیں۔

اگر یہ سب کچھ بدعت نہیں تو ایصالِ ثواب (جو ثابت شدہ مسئلہ ہے) کے لئے اپنی انتظامی سہولت کی خاطر وقت کا تعین اور اس نیک عمل کو کسی طرف منسوب کرنا کس طرح بدعت ٹھہرا۔

نیک عمل کے لئے وقت کا تعین

کسی نیک عمل اور صدقہ وخیرات کے لئے انتظامًا کوئی ایک تاریخ مقرر کرلینا بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت ہے۔ اب ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صدقات وخیرات تو کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے۔

اس کے لئے تاریخ کیوں مقرر کی جائے تو اس حوالہ سے یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہئے کہ تعین دو طرح کا ہوتا ہے:

۱۔ تعینِ شرعی ۲۔ تعینِ ذاتی اور انتظام

نمازِ پنجگانہ، حج، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ یہ شریعت کی طرف سے مقررہ ایام اور مقررہ اوقات میں ہیں۔ ان ایام اور اوقات سے ہٹ کر اگر کوئی عمل کریں گے تو وہ قابلِ قبول نہ گو لہٰذا یہ تعین شرعی ہو گا۔

دوسرا تعین ذاتی اور انتظامی ہے۔ یہ تعین ہم اپنی سہولت کے لئے عمل میں مداومت، استقلال اور مستقل مزاجی پیدا کرنے کے لئے کر لیتے ہیں لیکن یہ حکم شرعًا نہیں ہوتا۔ تعین ذاتی عمل میں مداومت کی غرض سے کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہر جمعرات کو قبرستان میں فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مختلف نوافل کے لئے مختلف شامیں اور دن مقرر فرمائے تاکہ عمل میں مداومت پیدا ہو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى اللهِ عَزَّ وَ جَلَّ أَدْوَمُهُ، وَإِنْ قَلَّ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جو بلاناغہ کیا جائے خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔[1]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت طیبہ میں نفلی عبادات کے لئے بھی وقت کے تقرر کا تصور موجود ہے۔

اس حوالے سے ذیل میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ درود پاک کے لئے جمعۃ المبارک کی تخصیص

۱۔ حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ۔

[1] (مسند احمد، ج۶، ص۱۲۵)

ترجمہ: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔ اسی روز ان کی روح قبض کی گئی، اسی روز صور پھونکا جائے گا اور اسی روز بے ہوشی طاری ہوگی۔ پس اسی روز کثرت سے مجھ پر درود شریف بھیجا کرو۔ بے شک تمہارا یہ عمل مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔[1]

۲۔ نفلی روزہ کے لئے پیر اور جمعرات کا تعین

۲۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے۔[2]

۳۔ سفر کے لئے دن کی تخصیص

۳۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ۔

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جمعرات کے دن غزوۂ تبوک میں تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جمعرات کے دن سفر پر نکلنا پسند فرماتے تھے۔[3]

۴۔ نفلی عبادت کے لئے دن کا تعین

۴۔ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ رَاكِبًا وَمَاشِيًا فَيُصَلِّي فِيهِ رَكْعَتَيْنِ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے۔ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔[4]

۵۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ:

وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهُ۔

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا کرتے تھے۔[5]

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۱۵۷)

[2] (سنن الترمذی، ج ۱، ص ۹۳)

[3] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۴۱۴)

[4] (صحیح البخاری، ج ۱، ص ۱۵۹)

[5] (صحیح البخاری، ج ۴، ص ۳۸۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اب نہ تو قرآن نے وہاں جا کر ہفتہ کے دن نفل پڑھنے کا حکم دیا تھا اور نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف سے واضح طور پر اس کا حکم دیا گیا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت مبارکہ سمجھ کر آپ نے اپنے اوپر اس نیک عمل کے لئے مسجد اور دن کی تخصیص کو برقرار رکھا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وعظ و نصیحت کے لئے جمعرات کا دن مخصوص کیا تھا جیسا کہ روایت ہے:

عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ۔

ترجمہ: حضرت ابو وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ فرماتے۔[1]

نیک عمل کو کسی کے نام سے منسوب کرنا

کوئی نیک عمل کر کے کسی کی روح کو ایصالِ ثواب کرنا اور اس کے نام سے منسوب کرنا یہ از روئے شرع جائز، ثواب اور سنت ہے۔ نذر و نیاز، صدقہ و خیرات یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نذر و نیاز کا کوئی تصور نہیں، کسی کے لئے قربانی نہیں ہے، کسی کے لئے صدقہ و خیرات نہیں ہے۔ ہر عمل خالصتًا اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے مگر جس بزرگ، شیخ، دوست یا عزیز کے لئے ایصال ثواب کیا جائے اس کے نام سے منسوب کرنا از روئے شریعت جائز اور درست ہے اور اس کو غیر اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیئے۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی ماں کی طرف سے کنواں کھدوانے کو کہا اور فرمایا:

هَذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ۔

ترجمہ: یہ (کنواں) سعد کی ماں کا ہے۔[2]

حالانکہ کنواں اللہ کے لئے صدقہ تھا مگر ثواب ان کی والدہ کو پہنچانا مقصود تھا۔ اسی طرح نماز عبادت تو اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے نماز کا کہا تھا کہ کوئی نفل پڑھ کر کہے ھذہ لابی ھریرۃ یہ نفل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہیں۔ وہ ثواب کی نیت سے تھا۔

---

[1] (صحیح البخاری، ص ۱۶۱)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۳۴۳)

عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ثواب بندے کے لئے

جب آپ کھانا پکا کر سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں یا حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح کو یا حضرت خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح کو یا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح کو یا زہد الانبیاء بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح کو یا حضرت علاؤالدین صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح کو یا پھر اپنے شیخ طریقت اور والدین کی روحوں کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، تو جس جس کی روح کو ایصال ثواب کر رہے ہیں یہ اس کا حق ہے کہ آپ اس کا نام لیں کیونکہ صدقہ و خیرات عبادتًا تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہو گا مگر ثوابًا اللہ تعالیٰ کے بندے کے لئے ہو گا۔ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتی ہے مگر ثواب اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بلکہ بندے کے لئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے کا نام ثواب کی نیت سے لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام عبادت کی نیت سے۔

ایک مغالطے کا ازالہ

ذہنوں میں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ صدقہ و خیرات اور نیک عمل کر کے بزرگ کا نام لے لیا جاتا ہے، لہٰذا یہاں تو غیر اللہ کا نام آ گیا۔ یہ کیسے درست عمل ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ ولیمہ کرتے ہیں تو اپنی اولاد کا نام لیتے ہیں، شادی کے لئے بکرے لاتے ہیں تو اپنے بیٹوں کا نام لیتے ہیں، دعوت دیتے ہیں تو دوستوں کا نام لیتے ہیں حالانکہ ہر شے اور جائیداد کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے۔ جب آپ کو معلوم ہے کہ مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر جائیداد اپنے نام کیوں کرواتے ہو؟ دراصل بات یہ ہے کہ امانتًا ہر شے آپ کی ہے اور حقیقتًا اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس طرح صدقہ و خیرات عبادتًا تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے مگر ثوابًا اللہ تعالیٰ کے بندے کے لئے ہے۔ یہ نسبت اس طریقے سے کرنا شرعًا جائز ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت کے عین مطابق ہے۔

اسی طرح بعض احباب نے محض تیسرے دن ایصال ثواب کے اہتمام کو یا چالیسویں دن ہونے والے ایصالِ ثواب کو مطلقًا ناجائز سمجھ لیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ عمل نہیں کیا تھا جبکہ گزشتہ صفحات میں کتب احادیث سے متعدد روایات میں اس بات کا ثبوت ہم نے پیش کر دیا کہ خود حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خاص خاص اعمال کے لئے دن اور تاریخ کا تعین فرمایا۔ بعض دنوں اور مہینوں کی فضیلت بیان فرمائی۔ اگر مطلقًا تعین ناجائز ہوتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کبھی ایسا نہ کرتے۔ نہ ہفتہ کے دن

مسجد قبا جانے کا معمول اپناتے، نہ پیر اور جمعرات کے روزے کی تلقین فرماتے، نہ وعظ و نصیحت کے لئے وقت مقرر فرماتے جبکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایسا فرمایا۔

اب اگر کوئی انتظامی سہولت کی خاطر دن اور تاریخ کا تعین کرے تو اس کی بنیاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وہ ارشادات گرامی ہوں گے جن میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تعین شرعی کے علاوی ذاتی سہولت کی خاطر وقت اور دن مقرر کیا۔ ویسے بھی ہمارے نزدیک فقط تیسرے دن قل اور پورے چالیسویں روز ختم کا معمول ضروری نہیں۔ آج کل لوگ اپنی اپنی سہولت کی خاطر ایصالِ ثواب کے لئے دوسرے دن ہی قل خوانی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح چالیسویں کا ختم چند دنوں تک کسی بھی دن رکھ لیتے ہیں۔ میں اختصار کے ساتھ اتنی بات کہہ دوں کہ یہ ناجائز کہنا بھی شریعت کی رو سے افراط ہے، زیادتی ہے۔ شریعت میں ایصالِ ثواب کی یہ ساری صورتیں بلا قید جائز اور باعثِ برکت اور باعثِ ثواب ہیں اور یہ تصور کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تیسرے دن ایصال ثواب کے لئے ایسے اہتمام کب کئے تھے غلط ہے۔ کیونکہ جو از روئے شرع مباح ہو، جس میں نہ قرآن کے اندر کوئی ممانعت ہو نہ حدیث کے اندر اور نہ کوئی پہلو خلافِ شریعت ہو وہ اصلاً مباح قرار پاتا ہے اس کو اصلاً جائز کہتے ہیں۔ وہ پہلے زمانے میں کبھی ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، ہر صورت میں جائز ہے۔

اگر وہی کچھ کرنے کا نام دین ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا ہو تو پھر قرآن اور حدیث کے سوا کسی اور شے کو بیان کرنے کی اجازت نہ ہوتی۔ یہ جو ہم دو دو گھنٹے لچھے دار تقریریں کرتے ہیں اور جماعتیں بناتے ہیں اور تنظیمیں بناتے ہیں خواہ مذہبی ہوں، تبلیغی ہوں یا سیاسی ہوں ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانے میں کچھ بھی نہ تھا، لیکن یہ سب کچھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی ایک جائز اور بابرکت کام کے لئے ہے اس لئے ہم ایسا کرتے ہیں کہ اصلاً ہر شے جائز اور مباح ہے۔ اسی زمرے میں ایصالِ ثواب ہے، بیسیوں طریقے سے اس کا جائز ہونا، مستحسن ہونا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت ہونا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہونا ثابت ہے۔

جب یہ کام اصلاً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت ہے تو خواہ تیسرے دن کریں یا چالیسویں دن کریں اس پر شریعت نے کوئی روک اور ممانعت وارد نہیں کی۔ جو نیک کام ہے جس وقت چاہے کریں، شرعاً کوئی پابندی نہیں۔ تیسرے دن سے پہلے کر لیں تب بھی آپ کی مرضی بعد میں کر لیں تب بھی درست، لیکن تیسرے دن اس لئے کیا جاتا ہے کہ اس دن چونکہ تعزیت کا اختتام ہو رہا ہے تو بزرگوں نے سمجھا کہ اس تعزیتی نشست کا اہتمام صدقہ و خیرات، ختم قرآن اور

دعائے خیر پر ہو۔ اگر آپ چالیسویں دن کرنا چاہیں اس سے پہلے کرنا چاہیں، بعد میں کرنا چاہیں، روزانہ کریں، ہر مہینہ کریں، ہر سال کریں کوئی پابندی نہیں۔ جب چاہیں صدقہ و خیرات کریں، ایصالِ ثواب کے لئے یہ جائز اور مشروع ہے۔

(ایصالِ ثواب کی شرعی حیثیت)

مسئلۃ القراءۃ عند المیت

تمہید: قراءۃ علی المیت یعنی قبر کے سر کی جانب اور پاؤں کی جانب قراءۃ متعین کرنا یا غیر متعین کرنا یا کچھ لوگ جا کر قبرستان میں تلاوت کریں کیا یہ جائز ہے یا نہیں ؟

اس کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول اخیر اور راجح قول یہ ہے کہ قراءت علی القبر جائز ہے۔ ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کراہت کا قول منقول ہے اور صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ سے استحباب کا قول منقول ہے اور فتویٰ صاحبین رحمہا اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ اس لئے لورود الآثار تو ہمارے فقہ حنفی میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے کہ قراءت علی المیت جائز اور مستحب عمل ہے اور یہی امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے اور قول اخیر ہے۔

حدیث نمبر ۱

المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي أُسَامَةَ الْحَلَبِيُّ، ثنا أَبِي، ح۔

سند کی تحویل: وَحَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ دُحَيْمٍ الدِّمَشْقِيُّ، ثنا أَبِي، ح۔

سند کی دوسری تحویل: وَحَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، ثنا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ، قَالُوا:

یہاں سے اشتراک ہے: ثنا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ لِي أَبِي: "يَا بُنَيَّ!۔

علاء بن اللجلاج اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے فرمایا اے میرے بیٹے!

إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَلْحِدْنِي، فَإِذَا وَضَعْتَنِي فِي لَحْدِي۔

کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے لئے لحد بنالینا اور جب تم مجھے اپنی لحد میں رکھو۔

فَقُلْ: بِسْمِ اللهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ، ثُمَّ سِنَّ عَلَيَّ الثَّرَى سِنًّا۔

پس کہو بسم اللہ، الخ یعنی مجھے سپرد خاک کرو پھر مجھ پر مسنم قبر بنانا (یعنی اونٹ کے کوہان کی طرح)۔

ثُمَّ اقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِي بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتِهَا۔

پھر میرے سر کی جانب سورۃ فاتحہ کے شروع سے پڑھنا اور پاؤں کی جانب سورۃ بقرۃ کے آخر سے پڑھنا۔

فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَلِكَ"۔

پس بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔[1]

مذکورہ حدیث سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے کوئی اس پر جرح نہیں کرتا۔

لیکن مخالفین ہمارے ساتھ اس بات میں جھگڑا کرتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۲

یہ ہی روایت سنن الکبریٰ للبیہقی میں اس طرح مذکور ہے:

عَنْ عَبدِ الرَّحمَنِ بنِ العَلَاءِ بنِ اللَّجلاجِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ لِبَنِيهِ: "إِذَا أَدْخَلْتُمُونِي قَبْرِي فَضَعُونِي فِي اللَّحْدِ وَقُولُوا: بِاسْمِ اللهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ سَنًّا وَاقْرَءُوا عِنْدَ رَأْسِي أَوَّلَ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتَهَا فَإِنِّي رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ ذَلِكَ"۔

ابن لجلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے صاحبزدگان سے فرمایا: جب تم لوگ مجھے میری قبر میں داخل کرو تو قبر میں رکھتے ہوئے کہو: بِاسْمِ اللهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر مٹی ڈال دو، اور میرے سرہانے سورۃ البقرۃ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھو، کیونکہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا تھا کہ اس عمل کو مستحب سمجھتے تھے۔[2]

یہ حدیث ما قبل حدیث کو معارضہ میں وہابی پیش کرتے ہیں کہ ما قبل والی حدیث میں فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا ہے اور بعد والی روایت میں فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا ہے کہ وہ اسے مستحب سمجھتے تھے تو کہتے ہیں کہ لہٰذا ترجیح بعد والی روایت کا ما قبل والی روایت تو ہے یعنی موقوف ہے تو میں کہتا ہوں اس سے کیا معارضہ ہے؟ کوئی معارضہ نہیں۔

مثلاً مجھے خبر پہنچی کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قرأت علی القبر کو مستحب سمجھتے تھے اور یہ بھی خبر پہنچی کہ ایک صحابی نے وصیت کی اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے یوں سُنا ہے اب اس میں معارضہ ہے؟ کوئی معارضہ نہیں۔

میں مثال میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں مجھ سے آپ نے پوچھا کہ قرأت علی القبر جائز ہے یا نہیں؟ تو میں آپ کو مذکورہ حدیث بیان کر دیتا ہوں کہ لجلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یوں

---

[1] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۴، ص ۱۰۸)

[2] (سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۴، ص ۵۶)

فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ پھر کسی اور وقت کسی اور نے مجھ سے پوچھا قرأت علی القبر کے بارے میں تو میں نے ان کو جواب دیا کہ اس عمل کو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مستحب سمجھتے تھے۔

اب آپ لوگ خود سوچیں کیا یہ معارضہ ہے؟ اس میں تو کوئی معارضہ نہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسے مستحب سمجھتے تھے اور میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بھی یوں ہی سُنا ہے۔

ایک اور حدیث بھی آگے آرہی ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی سُنا ہے تو مقصد یہ ہے کہ اس میں کوئی معارضہ نہیں جب معارضہ نہیں تو ہم کسی ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوع نہیں قرار دے سکتے۔ کیونکہ ایک راجح اور دوسرے کو مرجوح تب قرار دے سکتے ہیں کہ جب تعارض ہو اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو۔

اب مذکورہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے وصیت سُنی ہے اس لئے خود بھی دوسروں کو یہ ہی وصیت کی ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے استحباب کا فتویٰ بھی پہنچا ہے اور خود بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا ہے۔

اب اگر کسی کو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ پیش کرنا ہے، یا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول پیش کرنا ہے یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیث پیش کرنی ہے تو کوئی معارضہ نہیں۔

تو یہاں کوئی ترجیح نہیں ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ یہ موقوف ہے تو ہم کہتے ہیں کہ آپ تو اسے بدعت کہہ رہے ہیں اور صحابی جو عمل کرے اسے بدعت کہا جا سکتا ہے؟ اسے بدعت نہیں کہا جاتا، جو عمل قرون ثلاثہ میں اصل نہ رکھتا ہو تو وہ بدعت ہوتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور تو قرنِ ثانی ہے، تو قرأت علی القبر کو کیسے بدعت کہہ سکتے ہیں؟

حدیث نمبر ۳

اسی طرح الدعوات الکبیر للبیہقی میں ہے:

باب ما جاء في قراءة القرآن عند القبر: اس کے بعد مذکورہ حدیث کو پیش کیا ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ قَالَ لِبَنِيهِ: إِذَا أَدْخَلْتُمُونِي قَبْرِي فَضَعُونِي فِي اللَّحْدِ وَقُولُوا: بِاسْمِ اللهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ سَنًّا وَاقْرَؤُوا عِنْدَ رَأْسِي أَوَّلَ الْبَقَرَةِ وَخَاتِمَتَهَا فَإِنِّي رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَحِبُّ ذَلِكَ۔[1]

---

[1] (الدعوات الکبیر للبیہقی، ج ۲، ص ۲۹۷)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قرأت علی القبر کو مستحب کہتے ہیں اور تم لوگ اسے بدعت کہتے ہو اور یہ وہی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں کہ جن کی رفع الیدین کے مسئلہ میں حدیث پیش کر کے ہمیں گمراہ کہتے ہو اور یہاں تک کہ کفر تک پہنچادیتے ہو اور ہمیں حدیث کے مخالف قرار دیتے ہو۔

مذکورہ حدیث کی سند پر خصم جرح نہیں کرتے کیونکہ اس کی سند قوی ہے۔ اور خصم بھی قائل ہے کہ مذکورہ روایت کی سند قوی ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ روایت ابن عمر ار لجلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موقوف روایت ہے اور یہ ان کا فتویٰ بھی ہے اور ان کی اصل بھی ہے کہ: هذا موقوف لا حجة في الموقوفات۔

ابن تیمیہ کہتا ہے کہ تلاوت علی القبر سلف کے زمانے میں نہیں تھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر اور لجلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہم سلف نہیں ہیں؟ معلوم نہیں سلف تم کن کو کہتے ہو؟ ابن تیمیہ کی زبان پر ایک ہی بات جاری ہے کہ یہ زمانہ سلف میں نہیں تھا۔

حدیث نمبر ۴

الاربعین المتباینۃ السماع لعسقلانی میں ہے:

مَا أخرجه الْخلال فِي كتاب الْجَامِع لَهُ قَالَ حَدثنَا الْعَبَّاس بن أَحْمد الدوري قَالَ سَأَلت أَحْمد بن حَنْبَل۔

عباس بن احمد دوری سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا:

تحفظ فِي الْقِرَاءَة على الْقُبُور شَيْئا قَالَ لَا۔

قرأت علی القبور کے بارے میں آپ کو کچھ یاد ہے؟ فرمایا: نہیں۔

وہ ایسا زمانہ تھا کہ کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں جب انہیں حدیث مل جاتی کسی کے پاس اور جب وہ کسی مسئلہ پر عمل کر رہے ہوتے اور وہ جزیہ مشہور اور معروف بھی ہوتا لیکن کسی کو دلیل یاد نہ ہوتی تو جب کسی عالم کے پاس حدیث مل جاتی تو وہ عالم لوگوں میں بہت مقبول ہوتا تھا۔ اب کی وجہ سے کوئی اس کا ہاتھ تو کوئی اس کے ہونٹ چومتا تھا۔

تو قرأت علی القبور مسئلہ بھی معروف اور مشہور تھا ہر کوئی اس پر عمل کر رہا ہوتا تھا جیسے کہ آج کل ہوتا ہے تو اس لئے عباس بن احمد دوری نے پوچھا کہ کیا قرأۃ علی القبور کے بارے میں کوئی حدیث آپ کو یاد ہے؟ تو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا نہیں۔

قَالَ: عباس بن احمد الدوری فرماتے ہیں:

وَسَأَلت يحيى بن معِين۔ کہ پھر میں نے یحیٰی بن معین سے پوچھا (کہ قرآت علی القبر کے بارے میں آپ کو کچھ یاد ہے؟)

فَحَدثني عَن مُبشر بن إِسْمَاعِيل الْحلَبِي قَالَ حَدثنِي عبد الرَّحْمَن بن الْعَلَاء بن اللَّجْلَاج عَن أَبِيه قَالَ قَالَ إِنِّي إِذا أَنا مت فضعني، إلخ۔

تو یحیٰی ابن معین نے مجھے وہ حدیث بیان کی جو ما قبل میں گزر گئی۔

و اقرأ عِنْد رَأْسِي بِفَاتِحَة الْكتاب وَأول الْبَقَرَة وخاتمتها فَإِنِّي سَمِعت ابْن عمر يو ص بذلک مُنكر ثمَّ أخرج الْخلال من وَجه آخر أَن أَحْمد كَانَ فِي جَنَازَة۔

پھر خلال کسی وجہ سے نکلے تو امام احمد ایک جنازہ میں تھے۔

فَلَمَّا دفن الْمَيِّت: جب میت کو دفن کیا گیا۔

جَاءَ رجل ضَرِير: ایک شخص آیا جو نابینا تھا۔

يقْرَأ عِنْد الْقَبْر: اور اس نے قبر کے پاس تلاوت کی۔

فَقَالَ لَهُ أَحْمد يَا هَذَا: امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس دلیل نہیں تھی تو فرمایا اے شخص!

إِن الْقِرَاءَة عِنْد الْقَبْر بِدعَة: قبر کے پاس قرآت کرنا بدعت ہے۔

فَقَالَ لَهُ مُحَمَّد بن قدامَة: محمد بن قدامہ نے عرض کیا۔

يَا أَبَا عبد الله مَا تَقول فِي مُبشر الْحلَبِي: اے ابو عبد اللہ (یعنی اے امام احمد) مبشر حلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

قَالَ ثِقَة فَذكر لَهُ عَنهُ هَذَا الحَدِيث: تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ثقہ ہے۔ پھر محمد بن قدامہ نے ان کی سند کے ساتھ مذکورہ حدیث بیان کی جب امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حدیث پہنچ گئی۔

فَقَالَ لَهُ أَحْمد ارْجع إِلَى الرجل وَقل لَهُ يقْرَأ۔

تو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جاؤ اس نابینا شخص سے کہو کہ قبر پر تلاوت کرے۔[1]

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحیح اہل حدیث تھے کہ جیسے ہی حدیث پہنچ گئی بے چون وچرا اس سر خم کرکے حدیث قبول کی اور اپنی بات سے رجوع کر لیا۔

---

[1] (الاربعین المتبانیۃ السماع لعسقلانی، ج ۱، ص ۸۵)

تو جگہ جگہ پر ابن تیمیہ لوگوں کو دھوکہ دے رہاہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قرأت علی القبور کے منکر تھے اور وہ (ابن تیمیہ) الفاظ نقل کرتا ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاہے کہ: قرأت علی القبور بدعة۔ مگر جب حدیث پہنچی تو واپس حکم دیا کہ جاکر قبر پر تلاوت کرو۔ یہ الفاظ نہیں ذکر کرتا کہ واپس رجوع بھی کیا تھا۔

ابو بکر ابن خلال نے ایک کتاب لکھی ہے القرأۃ عند القبور اس میں لکھتے ہیں:

وَأَخْبَرَنِي الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْكَرِيمِ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو شُعَيْبٍ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ شُعَيْبٍ الْحَرَّانِيُّ مِنْ كِتَابِهِ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الضَّحَّاكُ الْبَابْلُتِّيُّ، حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ نَهِيكٍ الْحَلَبِيُّ الزُّهْرِيُّ، مَوْلَى آلِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ الْمَكِّيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوهُ، وَأَسْرِعُوا بِهِ إِلَى قَبْرِهِ۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا ہے فرماتے ہوئے جب تم میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے پس نہ روکو تم اور جلدی کرو اس کی قبر کی طرف۔

وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهِ بِفَاتِحَةِ الْبَقَرَةِ۔ اور پڑھی جائے قبر کے سر کی جانب سے سورۃ الفاتحہ۔

وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَتِهَا فِي قَبْرِهِ۔ اور پاؤں کی جانب سے سورۃ البقرۃ کا آخری حصہ پڑھا جائے۔[1]

ما قبل والی روایت میں یہ نہیں تھا کہ رجلین کی جانب سورۃ البقرۃ کا آخری حصہ پڑھا جائے بلکہ اتنا تھا کہ سورۃ الفاتحہ کا اول اور آخر پڑھا جائے مگر اس حدیث میں اس بات کی تصریح ہوئی کہ آخر حصہ پاؤں کی جانب پڑھنا ہے اور ما قبل والی روایت میں یہ گزرا تھا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس عمل کو مستحب سمجھتے تھے مگر اس حدیث میں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لئے مستحب سمجھتے تھے کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا تھا۔

[1] (القرأۃ عند القبور، ج ۱، ص ۳)

اقوال الفقهاء وعلة قول ابى حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه

اب یہاں سے دیگر فقہاء اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مکروہ قول کرنے کی علت کو بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے قرأت علی القبور پر مکروہ کا قول کیوں کیا ہے۔

ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کو مذکورہ حدیث نہیں پہنچی تھی کیونکہ بعض مسائل میں روایات کم ہوتی ہیں اور اس وقت احادیث کی کتب بھی نہیں ہوتی تھیں کہ سب پر نظر ڈالتے۔ جب حدیث نہیں پہنچی تھی تو اپنی رائے کے ساتھ قول کیا اور فرمایا: اهلها جيفة۔ کہ عام لوگوں کے جسم مٹی اور خراب ہو جاتے ہیں تو وہاں پر جاکر تلاوت کیوں کرتے ہو؟

امام صاحب کے اس علت بیان کرنے سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ پہلے دن کی تلاوت کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ پہلے دن تو جسم سلامت ہوتا ہے، بلکہ آپ نے جس کو مکروہ قرار دیا ہے وہ بعد والے دنوں میں جاکر تلاوت کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

تو امام صاحب کے قول میں تفصیل یہ ہوگی کہ پہلے دن تلاوت کے آپ مخالف نہیں ہیں بلکہ بعد میں جانے کے اور وہاں پر تلاوت کرنے کے مخالف ہیں اور مکروہ کا قول کیا۔

حاشیہ علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

وأخذ من ذلک جواز القراءة على القبر والمسئلة ذات خلاف قال الإمام: تكره لأن أهلها جيفة ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله عليه وسلم۔

امام صاحب کو قرأت علی القبور کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں ملی تھی اس لئے آپ نے کراہت کا قول کیا۔

وقال محمد تستحب لورود الآثار۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں یہ عمل مستحب ہے کیونکہ اس کے بارے میں حدیث وارد ہے۔

وهو المذهب المختار۔

اور حنفی فقہ میں مختار مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ قرأت علی القبور جائز ہے۔

كما صرحوا به في كتاب الاستحسان۔[1]

اسی طرح التاج والاکلیل میں ہے:

اسْتِدْلَالُ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ عَلَى اسْتِحْبَابِ الْقِرَاءَةِ عَلَى الْقَبْرِ لِحَدِيثِ الْجَرِيدَتَيْنِ۔

---

[1] (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۴۱۳)

بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قرأت علی القبور مستحب ہے اس لئے کہ جب نالے کا ثواب پہنچتا ہے تو تلاوت کا ثواب کیسے نہیں پہنچے گا؟

وَقَالَهُ الشَّافِعِيُّ وَفِي الْإِحْيَاءِ: لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ عَلَى الْقُبُورِ۔[1]

اسی طرح منح الجلیل شرح مختصر سید خلیل میں ہے:

إنْ قَرَأَ الرَّجُلُ وَوَهَبَ ثَوَابَ قِرَاءَتِهِ لِمَيِّتٍ جَازَ ذَلِكَ وَحَصَلَ لِلْمَيِّتِ أَجْرُهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔[2]

اسی طرح الانصاف میں ہے:

وَلَا تُكْرَهُ الْقِرَاءَةُ على الْقَبْرِ في أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ۔

کہ نہیں مکروہ قرأت علی القبور صحیح روایات کے مطابق۔

وَهَذَا الْمَذْهَبُ قَالَهُ في الْفُرُوعِ وَغَيْرِهِ۔

قال الشَّارِحُ هذا الْمَشْهُورُ عن أَحْمَدَ۔

قال الْخَلَّالُ وَصَاحِبُ الْمَذْهَبِ رِوَايَةٌ وَاحِدَةٌ لَا تُكْرَهُ۔

کہتے ہیں کہ امام احمد سے یہی ایک قول نقل ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔

وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْأَصْحَابِ منهم الْقَاضِي وَجَزَمَ بِهِ في الْوَجِيزِ وَغَيْرِهِ وَقَدَّمَهُ في الْفُرُوعِ وَالْمُغْنِي وَالشَّرْحِ وبن تَمِيمٍ وَالْفَائِقِ وَغَيْرِهِمْ۔[3]

اسی طرح تذکرۃ للقرطبی میں ہے:

باب ما جاء في قراءة القرآن عند القبر حالة الدفن و بعده و أنه يصل إلى الميت ثواب ما يقرأ و يدعى و يستغفر له و يتصدق عليه۔[4]

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ إبْرَاهِيمَ، عَنْ أُمَيَّةَ الْأَزْدِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ عِنْدَ الْمَيِّتِ سُورَةَ الرَّعْدِ۔[5]

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہی ایک اور مقام پر ہے:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنِ الْمُجَالِدِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: كَانَتْ الْأَنْصَارُ۔

---

[1] (التاج والاکلیل، ج۲، ص ۳۷۴)

[2] (منح الجلیل شرح مختصر سید خلیل، ج۳، ص ۱۷۶)

[3] (الانصاف، ج۲، ص ۳۹۱)

[4] (التذکرۃ للقرطبی، ج۱، ص ۸۴)

[5] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۳، ص ۲۳۷)

مدینہ منورہ کے انصار تھے۔

يَقْرَءُونَ عِنْدَ الْمَيِّتِ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ۔

کہ میت کے پاس سورۃ البقرۃ کی تلاوت کرتے۔[1]

تفسیر مظہری میں ہے:

واخرج الخلالی عن الشعبي كانت الأنصار إذا مات لهم الميت۔

مدینہ منورہ کے انصار میں جب فوتگی ہوتی۔

اختلفوا الی قبره: مختلف دنوں میں قبر پر جاتے۔

يقرؤن القران: وہاں قرآن کریم کی تلاوت کرتے۔

وفی الاحياء عن احمد بن حنبل قال إذا دخلتم المقابر فاقرأوا بفاتحة الكتاب والمعوذتين وقل هو الله أحد واجعلوا ذلک لاهل المقابر فانه يصل إليهم۔[2]

اسی طرح البحر الرائق میں ہے:

وَلَا بَأْسَ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عِنْدَ الْقُبُورِ وَرُبَّمَا تَكُونُ أَفْضَلَ من غَيْرِهِ۔

قبر کے پاس کسی اور عمل سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا افضل ہے۔

وَيَجُوزُ أَنْ يُخَفِّفَ اللَّهُ عن أَهْلِ الْقُبُورِ شيأ من عَذَابِ الْقَبْرِ أو يَقْطَعَهُ عِنْدَ دُعَاءِ القاريء وَتِلَاوَتِهِ وَفِيهِ وَرَدَ آثَارُ من دخل الْمَقَابِرَ فَقَرَأَ سُورَةَ يس خَفَّفَ اللَّهُ عَنْهُمْ يَوْمئِذٍ وكان له بِعَدَدِ من فيها حَسَنَات۔[3]

عمدۃ القاری میں ہے:

لما روى أبو بكر النجار في كتاب (السنن) عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه أن النبي قال من مر بين المقابر۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا جو قبرستان کے اندر سے گزرے۔

فقرأ قل هو الله أحد أحد عشر مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۳، ص ۲۳۶)

[2] (تفسیر مظہری، ج ۱، ص ۳۴ ۳۷)

[3] (البحر الرائق، ج۵، ص ۳۸۳)

پس سورۃ الاخلاص کی وہ گیارہ دفعہ تلاوت کرے پھر اس کا اجر تمام مُردوں کو ہبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو مُردوں کی تعداد کے مطابق اجر عطا فرمائے گا۔[1]

اسی طرح ایک اور روایت پیش کرتے ہیں:

عن أنس یرفعه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں:

من دخل المقابر فقرأ سورة یس خفف الله عنهم یومئذ وعن أبي بکر الصدیق رضي الله تعالی عنه قال رسول الله من زار قبر والدیة أو أحدهما۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے والدین کی قبر کی زیارت کی یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی زیارت کی۔

فقرأ عنده أو عندهما یس غفر له۔

پس تلاوت کی ان کے پاس یا ان دونوں کے پاس سورۃ یٰسٓ کی اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے۔[2]

اسی طرح شرح الکبیر لابن قدامہ میں ہے:

ابن قدامة الجوهري: یا أبا عبد الله ما تقول في مبشر الحلبي؟ قال ثقة۔

یہ وہ ابن قدامہ الجوہری ہیں جن کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عرض کیا گیا تھا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے۔

قال فأخبرني مبشر عن أبيه انه أوصى إذا دفن أن یقرأ عنده بفاتحة البقرة و خاتمتها، و قال سمعت ابن عمر یوصي بذلک؟ فقال أحمد بن حنبل: فارجع فقل للرجل یقرأ. وقال الخلال: حدثني أبو علي الحسن بن الهیثم البزار شیخنا الثقة المأمون قال: رأیت أحمد بن جنبل یصلي خلف ضریر ایقرأ علی القبور۔

ایک معروف حافظِ قرآن تھے جو مقبرہ میں قبروں کے پاس تلاوت کیا کرتے تھے اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے یہ اس لئے بیان کر رہے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک قبروں کے پاس تلاوت کرنا بدعت نہیں تھا، اگر بدعت سمجھتے تو بدعتی کے پیچھے کبھی بھی آپ نماز نہ پڑھتے۔

وقد روي عن النبي صلی الله علیه وسلم انه قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة (یس) خفف عنهم یومئذ و کان له بعدد من فیها حسنات، وروی أبو حفص بن شاهین عن أنس قال قال رسول الله من قال الحمد لله رب العالمین رب السموات ورب الأرض رب العالمین وله الکبریاء في السموات والأرض وهو العزیز الحکیم الله الحمد رب

---

[1] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج۴، ص۴۹۷)

[2] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج۴، ص۴۹۷)

السموات ورب الأرض رب العالمين وله العظمة في السموات والأرض وهو العزيز الحكيم مرة واحدة ثم قال اللهم اجعل ثوابها لوالدي لم يبق لوالديه حق إلا أداه إليهما۔[1]

اسی طرح شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ میں ہے:

وقال القرطبي في حديث إقرؤوا على موتاكم (يس)۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ اپنے مُردوں پر سورۃ یٰسٓ تلاوت کرو۔

هذا يحتمل أن تكون هذه القراءة عند الميت في حال موته۔

اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ قرأت میت کی موت کے وقت ہو۔

ويحتمل أن تكون عند قبره۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس قرأت سے قبر کے پاس قرأت کرنا مراد ہو۔

قلت وبالأول قال الجمهور۔

پہلا قول جمہور کا ہے۔ اکثر محدثین یہی مراد لیتے ہیں لیکن قولِ ثانی پر رد نہیں کرتے۔

كما تقدم في أول الكتاب وبالثاني قال إبن عبد الواحد المقدسي في الجزء الذي تقدمت الإشارة إليه۔

اور ابن عبد الواحد المقدسی فرماتے ہیں کہ اس سے قبرستان میں پڑھنا مراد ہے۔

وبالتعميم في الحالين۔

یا تعمیم کے ساتھ پھر دونوں حالوں کو شامل ہوگا۔

قال المحب الطبري من متأخري أصحابنا۔

اور یہ محب طبری کا قول ہے جو متأخرین شوافع میں سے ہے۔

وفي الإحياء للغزالي والعاقبة لعبد الحق عن أحمد بن حنبل قال إذا دخلتم المقابر فاقرؤوا بفاتحة الكتاب والمعوذتين و(قل هو الله أحد) واجعلوا ذلک لأهل المقابر فإنه يصل إليهم۔[2]

مذکورہ عبارات قبر کے پاس تلاوت کرنے کے متعلق تھیں۔

جو لوگ قبر کے پاس تلاوت کرنے کو ممنوع سمجھتے ہیں کہ ثابت نہیں اور لا نسلّم کی چوٹی پر بیٹھے ہیں تو ہم نے ثابت کیا۔ اب ان کو چاہیئے کہ اسے تسلیم کریں جیسے کہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ثابت ہوا تو فورًا تسلیم کیا تو ایسے ہی ان کو بھی تسلیم کرنا چاہیئے۔ اگر نہیں تسلیم کرتے تو وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔ لیکن تم لوگ اس پر اپنا عقیدہ نہ خراب کرو کہ مقبرہ میں تلاوت

---

[1] (شرح الکبیر لابن قدامۃ، ج ۲، ص ۴۲۵)

[2] (شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ، ج ۱، ص ۳۰۴)

کرنا ممنوع ہے بلکہ یہ ایک جائز عمل ہے۔ اسی طرح مصحف کو قبرستان میں لے کے جانے میں اگر بے ادبی نہ ہو تو جائز ہے اور اگر بے ادبی کا خطرہ ہو تو پھر نہیں لے کے جانا چاہیئے یہ ایک خارجی علت ہے جو ان کو متوجہ ہوتا ہے۔

باقی رہا ختم قرآن کا مسئلہ تو ختم قرآن ایک امر جائز ہے جیسے کہ لوگوں کا جمع ہونا ختم قرآن کے لئے اس پر دارمی شریف کی یہ حدیث دلیل ہے جو کہ باب ما جاء فی ختم القرآن کے باب میں ذکر ہے: کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اہل خانہ کو جمع فرماتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اہل ۹۵ یا ۹۶ بیٹے تھے پھر ان کی اولاد تو یہ ایک بڑا اجتماع ہوتا تھا، تقریباً ۱۵۰ افراد ہوتے جو جمع ہو جاتے اور ختم قرآن کرتے۔

اور اسی طرح سعید بن مسیب اور امام مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال بھی مذکورہ باب میں مذکور ہیں کہ:

دعا عند ختم القرآن مستجابۃ۔

دعا ختم القرآن کے موقع پر قبول ہوتی ہے۔

مخالفین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان میں ایک تلاوت کرتا ہے دوسرا اس کی سماعت نہیں کرتا اور یہ جرم ہے۔

جواب: یہ اعتراض کرنا ان کی کم فہمی ہے خارج الصلوٰۃ تلاوت کرنا بھی مستحب ہے۔

اگر ایک تلاوت کر رہا ہے باقی سماعت کر رہے ہیں تو بھی مستحب عمل ہے اور اگر سب تلاوت کر رہے تو بھی مستحب عمل ہے۔

لیکن بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب سب تلاوت کر رہے ہوں تو خفیہ طریقے سے تلاوت کی جائے تاکہ ایک مستحب کا ترک بھی لازم نہ آئے اور تمام مستحبات پر عمل ہو جائے۔

اگر پھر بھی یہی مذکورہ اعتراض کرتے ہو تو میں یہی اعتراض پھر کر تمہارے مدارس کے حفظ قرآن کی کلاس پر کرتا ہوں کیا اب مدارس میں حفظ کرنا بھی ناجائز ہے؟ حفظ کی کلاس میں تو اتنا شور ہوتا ہے کہ وہاں تو کوئی بھی ایک دوسرے کی سماعت نہیں کرتا۔

اور ختم قرآن پر ایک دلیل مسلم شریف کی وہ روایت بھی ہے:

وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ۔

نہیں جمع ہوتی کوئی قوم اللہ کے گھر میں۔

یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم الا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملائکۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔

اگر جمع ہو جائے اور اس اجتماع میں تین کام سرانجام دے تلاوت، ذکر اور تدریس تو ان کو چار اجر ملتے ہیں۔

تو یہ اجتماع علی التلاوۃ ختم قرآن کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اس کے لئے چار اجر بیان فرمائے ہیں بدعت نہیں فرمایا اور نہ ہی ناجائز فرمایا ہے۔

(۲) باب نمبر دو: جواز قراءة صحيح البخاري وختمه لدفع الْمَصَائِب وَحُصُولِ الْمَقَاصِد

کیا نوازل یا مقدمات یا وبا اور پریشانی کی صورت میں طلباء یا علماء اور مشائخ کو جمع کر کے بخاری شریف کا ختم کرانا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب:

الحمدللہ رب العالمین الحمدللہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ و علی آلہ و صحبہ و اھل بیتہ اجمعین

امابعد!

صحیح اور جائز مقصد کیلئے یا پریشانی اور وباء سے نجات کیلئے بخاری شریف کا ختم کروانے کیلئے علماء و مشائخ کرام کو جمع کر کے ختم کروانا جائز اور مباح ہے اور سلف الصالحین کا طرز و طریقہ ہے۔

ختم بخاری قرون ثلاثہ میں نہیں مگر جائز ہے

سوال: کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کروانا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

جواب: قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔[1]

قال الشیخ العلامه المحدث الفقیه المفسر الملاعلی القاری وَنُقِلَ عَنْ أَبِي جمرَةَ عَمَّنْ لَقِيَهُ مِنَ الْعَارِفِينَ أَنَّهُ مَا قُرِئَ فِي شِدَّةٍ إِلَّا وَفُرِّجَتْ، وَمَا رُكِبَ بِهِ فِي مَرْكَبٍ فَغَرِقَ، وَأَنَّهُ كَانَ مُجَابَ الدَّعْوَةِ، وَلَقَدْ دَعَا لِقَارِئِهِ. قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ كَثِيرٍ: وَكَانَ يَسْتَسْقِي بِقِرَاءَتِهِ الْغَيْثَ، قِيلَ: وَيُسَمَّى التِّرْيَاقَ الْمُجَرَّبَ. وَنَقَلَ السَّيِّدُ جَمَالُ الدِّينِ عَنْ عَمِّهِ السَّيِّدِ أَصِيلِ الدِّينِ أَنَّهُ قَالَ: قَرَأْتُ الْبُخَارِيَّ مِائَةً وَعِشْرِينَ مَرَّةً لِلْوَقَائِعِ، وَالْمُهِمَّاتِ لِي، وَلِغَيْرِي، فَحَصَلَ الْمُرَادَاتُ، وَقَضَى الْحَاجَاتِ، وَهَذَا كُلُّهُ بِبَرَكَةِ سَيِّدِ السَّادَاتِ، وَمَنْبَعِ السَّادَاتِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ، وَأَكْمَلُ التَّحِيَّاتِ.

سیدنا ابی جمرۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ان کی ملاقات کسی عارف سے ہوئی، ان کا کہنا تھا کہ بخاری شریف جب بھی کسی مصیبت میں پڑھی گئی وہ مصیبت ٹل گئی اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ کتاب کسی کشتی میں ہو پھر وہ کشتی غرق ہو گئی ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات تھے انہوں نے اس کتاب کے پڑھنے والے کیلئے دعا فرمائی تھی۔ حافظ ابن کثیر نے کہا کہ بخاری شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی جاتی تھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ”تریاق مجرب“ رکھا گیا ہے۔ سید جمال الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چچا سید اصیل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے اور غیروں

---

[1] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۲)

کے بڑے اہم امور وحوادث میں بخاری شریف کو ایک سو بیس دفعہ پڑھا، چنانچہ مرادیں اور حاجات پوری ہوئیں۔ یہ سب کا سب سید السادات اور منبع سادات یعنی حضرت محمد ﷺ کی برکات سے ہے۔[1]

قال الشيخ أبو محمد عبد الله بن أبي جمرة: قال لي من لقيت من العارفين عمن لقيه من السادة المقر لهم بالفضل أن صحيح البخاري۔ ماقُرئ في شدّة إلا فرجت، ولا رُكب به في مَركب إلا نَجت۔[2]

وقال الحافظ عماد الدين ابن كثيرٍ: وكتاب البخاري الصحيح يستسقى بقراءته الغمام، وأجمع على قبوله وصحة مافيه أهل الإسلام۔[3]

وقال الشيخ عبد الحق الدهلوي: قرأ كثير من المشائخ والعلماء الثقات صحيح البخاري لحصول المرادات، وكفاية المهمات، وقضاء الحاجات، ودفع البليات، وكشف الكربات، وصحة الأمراض، وشفاء المرضى، وعند المضائق والشدائد، فحصل مرادهم، وفازوا بمقاصدهم، ووجدوه كالترياق مجربا، وقد بلغ هذا المعنى عند علماء الحديث مرتبة الشهرة والاستفاضة۔[4]

وقال العلامة أبي العلا محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفوري:

قلتُ: قد أجاز كثير من أهل العلم في هذا الزمان قراءة صحيح البخاري وختمه لشفاء الأمراض ودفع المصائب وحصول المقاصد، فيجتمعون ويقرأ بعضهم الجزء الأول منه مثلا وبعضهم الجزء الثاني وبعضهم الثالث وهكذا فيختمونه باجتماعهم ثم يدعون الله تعالى لشفاء مرضاهم أو لدفع مصائبهم أو لحصول مقاصدهم. استدلوا على ذلك بأن قراءته بتمامه رقية لشفاء المرضى ودفع المصائب وحصول المقاصد. والرقية بما ليس فيه شرك ولا كلمة لا يفهم معناها جائزة بالاتفاق.

فإن قيل: كيف علموا أن قراءته بتمامه رقية ولم يثبت كونه رقية لا بالكتاب ولا بالسنة ولا بالإجماع؟

يقال: كون شيء من الآيات القرآنية أو ذكر أو دعاء من الأذكار والأدعية المأثورة رقية لشيء من الأمراض، وجواز الاسترقاء به لا يتوقف على ثبوت كونه رقية من الكتاب والسنة، فقد روى البخاري في صحيحه عن أبي سعيد قال: انْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوهَا حَتَّى نَزَلُوا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمْ فَلُدِغَ سَيِّدُ ذَلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ... الحديث، وفيه: (فَقَالَ: (وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ). قال الحافظ ابن حجر في فتح الباري: (وزاد سليمان بن قتة في روايته بعد قوله (ومايدريك أنها رقية) قلت: ألقي في روعي. وللدارقطني من هذا الوجه: فقلت: يا رسول الله شيء ألقي في روعي. وهو ظاهر في أنه لم يكن عنده

[1] (مرقاة المفاتيح ج ۱ ص ۱۴ مكتبة امدادية)

[2] (شرح صحيح البخارى ج ۱ ص ۱۵)

[3] (البداية والنهاية ج ۱۱ ص ۳۰ الناشر: دار التراث احياء العربى)

[4] (أشعة اللمعات ج ۱ ص ۱۲ المكتبة الحبيبية)

علم متقدم بمشروعية الرقي بالفاتحة، ولهذا قال له أصحابه لما رجع: ما كنت تحسن رقية، كما وقع في رواية معبد بن سيرين۔[1]

وقال الشيخ هشام بن عبد القادر عقدة:

وأما ما قيل عن صحيح البخاري فهذا كما إذا استأنس بعملٍ صالحٍ رجاء أن يفرج الله همّه. لِمَا جاء في الفاتحة التي لم يعرف الصحابي أنها رقيه وأقره النبيﷺ على ذلک.

قال الشيخ عبد الله علوان ضاق صدر الخديوي بذلک، فركب يوماً مع شريف باشا وهو محرج، فأراد أن يفرِّج عن نفسه، فقال الشريف باشا: ماذا تصنع حينما تُلمُّ بک مُلمَّة تريد أن تدفعها؟ فقال: يا أفندينا، إن الله عودني إذا حاق بي شيء من هذا أن ألجأ إلى "صحيح البخاري"! يقرؤه لي علماء أطهار الأنفاس فيفرج الله عني ... فجمع له من صلحاء العلماء جمعاً أخذوا يتلون في "البخاري" أمام القبلة القديمة في الأزهر...[2]

تقي الدين السبكي حيث قال - في ترجمة البخاري -: وأمَّا "الجامع الصحيح" وكونه ملجأً للمعضلات، ومجرَّباً لقضاء الحوائج فأمرٌ مشهورٌ! ولو اندفعنا في ذكر تفصيل ذلک، وما اتفق فيه لطال الشرح. أهـ[3]

قال الشيخ اسماعيل حقی البروسوی جميع ماابتدعه العلماء والعارفون ممالم تصرح الشريعة بالامربه لايكون بدعة الاان خالف صريح السنة فان لم يخالفها فهو محمود۔

علمائے حقانی اوراولیاءاللہ اگر کوئی ایساکام کریں جو قرآن اور حدیث میں نہ ہواور قرآن اور حدیث سے تضاد بھی نہ ہوتواسے بدعت نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک محمود کام ہو گا۔[4]

مشائخ کا عمل بھی سند باقی رہتا ہے

قال الشيخ اسماعيل حقى البروسوى ان عمل المشائخ يكفى سندا فانهم ذو الجناحين۔[5]

فقط والله اعلم بالصواب

---

[1] (مقدمة تحفة الاحوذی ص ۵۷)

[2] (تربية الأولاد في الإسلام ج ص ۴۹۳)

[3] (طبقات الشافعية الكبرى ج ۲ ص ۲۴۳)

[4] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۳۸۴)

[5] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۱۴۲)

(۳) باب نمبر تین: الاصابۃ فی ایصال ثواب الصدقۃ و الصلوۃ و التلاوۃ و الادعیۃ لارواح الاموات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی نور قلوبنا بالایمان و زیّن نفوسنا بطاعتہ فی کل حین و ان و جعلنا من امۃ حبیبہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم و اصحاب اجمعین و و شحنا بتقلیہ الامام الاجلۃ الاکرم الاعظم ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ و علی احبائہ و اتباعہ أمین ثم أمین۔

اما بعد

فھذہ عجالۃ وجیزۃ وفریدۃ غریبۃ تضمنت لرد طرق الضالین المضلین الغاوین الخارجین من جماعۃ المسلمین المخالفین لسنۃ سید المرسلین الحائدین عن مذھب المھتدین الوھابین الذین زیّن لھم سوء اعمالھم فراھم حسنًا فھم من الخاسرین فقد ضأو واضؤا بما سودوھم من الصحائف التی ارسلوھا الی البلاد شرقًا و غربًا لیضلوا بھا اھل المذاھب و سمیتھا بالاصابۃ فی ایصال ثواب الصدقۃ و الصلوٰۃ و التلاوۃ و الفدیۃ و الادعیۃ لارواح الاموات من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین و المستغرقین المتستغرثین للحقیر المحتاج الی رحمۃ رب العالمین المولوی نور الدین بن شیخ علماء الزمان المولوی محمد وزیر صاحب غفر لھما و لسائر المسلمین و نفع بھا لطالبی الحق و الیقین أمین ثم أمین و ھی مشتملۃ علی القسمین و فیھما ابواب و فصول القسم الاول فیما یوصل ثواب الصدقات و الصلوٰۃ و التلاوت و الادعیات و الفدایا لقضاء الصلوٰۃ و الکفارات الی ارواح الاحیاء و الاموات قبل الدفن و القسم الثانی کذٰلک بعد الدفن الباب الاول فیما جاء فیہ الاحادیث و الآثار و اقوال الفقھآء و ھی ھذا۔

فصل ۱ : ینفع الصدقۃ للمیت و لو بغیر وصیۃ

عن سعد بن عبادۃ قال قلت یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم توفیت أُمی و لم توص و لم تتصدق فھل ینفعھا ان تصدقت عنھا قال و لو بکراع شاۃ محرقۃ۔

فصل ۲ : التصدق بالکراع و العتق

و عن شیبۃ عن سعد بن ابی سعید قال لو تصدق المیت بکراع لتبعہ و اخرج عن عطاء قال یتبع المیت بعد موتہ الضق و الحج و الصدقۃ۔ و اخرج عن ابن جعفر ان الحسن و الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنھما کانا یعتقان عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد موتہ۔

فصل ۳: ینفع ولد الصالح و السنۃ الحسنۃ و المائۃ

و اخرج الدارمی فی مسندہ عن ابن مسعود قال اربع یعطاھن الرجل بعد موتہ ثلث مالہ و ولد الصالح یدعو لہٗ من بعد موتہ و السنۃ الحسنۃ یسنھا الرجل فیعمل بھا بعد موتہ و المائۃ اذا شفعوا للرجل الا شفعوا فیہ۔

فصل ۴: الصدقۃ لتطفئ حرّ القبور

واخرج الطبرانی عن عقبۃ بن عامر قال قل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان الصدقۃ لتطفئ عن اھلھا حرّ القبور والصواب الاطفاء قبل الدفن عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔

فصل ۵: المائۃ مقبول الشفاعۃ

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام مامن میت من المسلمین یبلغون مائۃً کلھم یشفعون لہ الا شفعو فیہ رواہ مسلم وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام الدعاء یرُدُّ البلاء والصدقۃ تطفئ غضب والرب ولنا ماثبت فی الاحادیث الصحائح من الدعاء للاموات خصوصًا فی صلوٰۃ الجنازۃ وقد توارثۃ السلف فلو لم یکن للاموات نفعٌ لما کان لہٗ معنی۔

فصل ۶: الرحم فی لیلۃ الاولیٰ

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم لا یاتی لیلۃ اشد من اول لیلۃ فارحموا علیٰ موتاکم بشیٔ من الصدقۃ من المصابیح۔

فصل ۷: فی التصدق الیٰ سبعۃ ایّام

قال المحدث الدھلوی فی اشعۃ اللمعات والمستحب ان یتصدق عن المیت بعد ذھابہ من الدنیا الی سبعۃ ایام والتصدق الیٰ سبعۃ ایام ینفع بلا خلاف بین اھل علم وورد الاحادیث الصحیحۃ سیما الماء۔

فصل ۸: یتصدق قبل مضی اللیلۃ الاُولیٰ

وذکر فی شرح شرعۃ الاسلام والسنۃ ان یتصدق ولی لمیت قبل مضی اللیلۃ الاولیٰ بشئی مما تیسر لہٗ فان لم یکن ای لم یجد شیئا فلیصلی رکعتین یقرأ فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب وأیۃ الکرسی مرّۃ وسورۃ التکاثر عشر مرّات۔

فصل ۹: فی الصدقۃ قبل الدفن

قال صاحب زاد الاٰخرۃ در فصل پنجم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرمود موت فزع است پس برائے میّت قبل دفن او صدقہ بدہید و ثواب برائے او بخشید۔ شرح برزخ و نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرمود صدقہ گرمیٔ گور را فرو می نشاند و مردہ را نفع می رساند اگرچہ پارۂ از گوشت باشد۔ لالی فاخرہ فی تذکرہ الآخرہ۔ ونیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرمود برائے میت قبل از دفن او تصدق کنید اگرچہ بقاشی از تمر باشد۔ شرح برزخ وشرح صدور للسیوطی۔ تصدق برائے میت ودعاء در حق قبل برداشتن جنازہ وپیش از دفن سبب نجات از اہوال آخرت وعذاب قبر است۔

فصل ۱۰: تصدق بہ نقد و جنس دہند

پس اولیائے میت را باید کہ در روزِ وفات بقدر تیسر از برائے او تصدق کنند او از نقد و جنس بفقراء و غرباء دہند۔

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم تصدقوا لموتاکم قبل الدفن لعل اللہ ینجیہ بذالک و ایضًا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم تفدوا لموتاکم قبل الدفن لیکون ذلک فدیة لہ من ایدی ملائکة العذاب۔ شرح برزخ۔

باب الثانی: فی الدعاء للاحیاء و الاموات

و امّا الدعاء ینفع للاحیاء و الاموات لقولہ تعالیٰ و الذین جآؤا من بعدھم یقولون رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ و ایضًا قال اللہ تعالیٰ فی حق الوالدین و لجمیع المؤمنین رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

فصل ۱: ان الاموات احوج من الاحیاء الی الطّعام و الشراب

و اخرج ابن ابی الدنیا عن سعد قال کان یقال الاموات احوج الی الدعاء من الاحیاء الی الطعام و الشراب و قد نقل غیر واحد الاجماع علی ان الدعاء ینفع المیت۔ سیوطی و عینی و اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند رواہ عن انس مرفوعًا اُمّتی اُمّة مرحومة تدخل قبورھا بذنوبھا و تخرج من قبورھا لا ذنوب علیھا تمحص عنھا ای تزول باستغفار المؤمنین لھا۔

فصل ۲: ان الدعاء للاموات ینفعھم

و فی الاذکار للنووی اجمع العلماء علی ان الدعاء للاموات ینفع و یصلھم ثوابہ و من المصابیح ان من قال اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم اٰل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم ان لا یعذب ھٰذہ المیّت رفع اللہ عنہ العذاب الیٰ یوم ینفخ فی الصور۔ خزانة الروایات و یخفف عن المیت بدعاء الحیّ لانّہ اذا کان تخفف بتسبیح الحوضتین فبدعاء المؤمنین اَولیٰ و احق، اھ۔ حدیث المعذبین بالنمیمة و البول و قال صاحب عقائد النسفی۔

فصل ۳: الدعاء ینفع خلافًا للمعتزلة

و فی دعاء الاحیاء و صدقتھم ای صدقة الاحیاء عنھم ای عن الاموات نفعٌ لھم ای للاموات خلافًا للمعتزلة تمسکًا بان القضاء لا یتبدل و لنا ماورد فی الاحادیث الصحاح من الدعاء للاموات خصوصًا فی صلوٰة الجنازة و غیرھا و قد توارث السلف فلو لم یکن للاموات نفع فیہ لما کان لہ معنی، اھ۔ شرح عقائد مختصرًا۔

فصل ۴: الصلوٰۃ والصدقۃ والصوم قراءۃ ینفع للاموات

وفی البحر من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابَہٗ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنۃ والجماعۃ وقد نقل عن جماعۃ انهم جعلوا ثواب اعمالهم المسلمین وقالوا نلقی اللہ تعالیٰ بالفقر والافلاس والشریعۃ لا تمنع من ذلک ولا یشترط فی الوصول ان یهدیه بلفظه کما لو اعطی فقیرًا بنیّۃ الزکوٰۃ اھ۔ وصرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوٰۃ او صومًا او صدقۃ! وغیرها فی الشامی کذا فی الهدایۃ قال صاحب البحر والبدایع الاصل ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله صلوٰۃً او صومًا وصدقۃً او قراءۃ القرآن او ذکرًا او طوافًا او حجًا او عمرۃً وغیر ذلک لغیرہ من الاحیاء فی الاموات عند اصحابنا بالکتاب والسنۃ، انتهیٰ۔ وعنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم انهٗ ضحی بکبشین املحین احدهما عنه والاٰخر عن امته۔

فصل ۵: الافضل لمن یتصدق نفلًا ان ینوی لجمیع المؤمنین

الافضل لمن یتصدق نفلًا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانّها تصل الیهم ولا ینقص من اجرہ شیٔ وهو مذهب اهل السنۃ والجماعۃ۔

الباب الثالث فی الاسقاط

وکذالک الاِسقاط عن الاموات۔

فصل من مات وعلیه قضاء رَمضان وصلوٰۃ اطعم عنه ولیّهٗ

قال صاحب الهدایۃ فی کتاب الصوم ومن مات وعلیه قضاء رمضان فاوصیٰ به اطعم عنه ولیّه لکلّ یوم مسکینًا نصف صاع من برٍّ او صاعًا من تمرٍ او شعیر لانه عجز عن الاداء فی اٰخر عمرہ فصار کالشیخ الفانی ثم لا بد من الایصاء عندنا خلافًا لشافعی وعلیٰ هذا الزکاۃ الزکوٰۃ والصلوٰۃ کالصوم باستحسان المشایخ وکُلّ صلوٰۃٍ تعتبر بصوم یوم هو الصحیح انتهیٰ۔

وقال صاحب جامع الرموز فی کتاب الصوم وفدیۃ کل صلوٰۃٍ مکتوبۃ کانت او واجبۃ کالوتر دون السنۃ کصوم یوم ای کفدیتہٖ ثم قال بعید ذلک وعلیه الفتویٰ کما فی الکرمانی والقیاس ان لا یجوز الفداء عن الصلوٰۃ والیه ذهب البلخی کما فی القاضی خان والاستحسان ان یجوز الفداء عنها امّا فی الصّوم فلورود النصّ واما فی الصلوٰۃ فلعموم الفضل ولذا قال محمد رحمه اللہ تعالیٰ انه یجزتها ان شاء اللہ تعالیٰ انتهیٰ۔

فصل ۲: فی فدیۃ الکفارۃ والاضحیۃ والایمان

قال صاحب در المختار فی باب الفوائت ولو مات وعلیه صلوٰۃ فائتته واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بُرّ کالفطرۃ وکذا حکم الوتر والصّوم وانما یعطی من ثلث ماله، انتهیٰ وفی الشامی کذالک الاضحیۃ والایمان ای منعقد وعلیٰ هذا الیمین المنعقد مذهبنا۔

فصل ۳: فی اداء الزکوٰۃ و العشر عن المیت ان اوصیٰ

وقال صاحب فتح القدیر لا یجب علی وراثه ان یخرج عنه الزکوٰۃ و العشر الا ان یوصِیَ بذالک ثم اذا اوصی فانما یلزم الوارث اخراجهما اذا کانا یخرجان من الثلث فان زاد دینهما علی الثلث لا یجب علی الوارث الی القدر الزائد۔

فصل ۴: فی فدیة الوارث بالتطوع عن المیت

فان اخرج ای الزائد کان متطوعًا عن المیت ویحکم بجواز اجزائه ولذا قال محمد رحمه اللہ تعالیٰ فی تبرع الوارث بجزیه ان شاء اللہ تعالیٰ کما اذا اوصیٰ بالاطعام عن الصلوٰة یجزیه ان شاء اللہ تعالیٰ انتهیٰ۔ قال صاحب رد المحتار ثم اعلم انه اوصیٰ بفدیة الصّوم یحکم بالجواز قطعًا لانّه منصوص علیه وامّا اذا لم یُوصِ فتطوع بها الوارث فقد قال محمد فی الزیادات انه یجزیه ان شاء اللہ تعالیٰ وکذا علقه بالمشیة فیما اذا اوصیٰ بفدیة الصلوٰة لان الفقهاء الحقوا ها بالصّوم احتیاطًا لاحتمال کون النص فیه معلولًا بالعجز فتشمل العلة الصلوٰة لوجود عجز ھٰهنا ایضًا وان لم یکن النصّ معلولًا بالعجز لاتکون الفدیة بِرًّا ابتدأً یصلح ماحیًا للسیّات، انتهیٰ۔

فصل ۵: فی انّ الصّلوٰة کالصّوم

قال ابن الهمام تحت قول صاحب الهدایة وَالصَّلَاةُ كَالصَّوْمِ بِاسْتِحْسَانِ الْمَشَايِخِ وهذه عبارته وجهه ان المماثلة قد ثبت شرعًا بین الصّوم والاطعام والمماثلة بین الصلوٰة والصوم ثابتة ومثلُ مِثلٍ لشئٍ جاز ان یکون مثلا لذلک الشئی وعلیٰ تقدیر ذلک یجب الاطعام وعلیٰ تقدیر عدمها لا یجب فالاحتیاط فی الایجاب فان کان الواقع ثبوت المماثلة فحصل المقصود الذی هو السقوط وان کان برًّا ابتدأً یصلح ماحیًا للسیّات ولذا قال محمد رحمه اللہ تعالیٰ تجزیه ان شاء اللہ تعالیٰ، انتهیٰ۔

فصل ۶: فی اداء النذر عن المیت ولیه

مسئلہ اگر لازم باشد بر میّت زکوٰۃ یا عشر یا نذر بمال یا اضحیہ فدیہ دہد ولی میت انتہیٰ۔ (فتاویٰ الحاویہ)

فصل ۷: استقراض الولی عن المیّت فی فدیة الصلوٰة وغیرها

قال صاحب فتاویٰ الهندیة إذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ صَلَوَاتٌ فَائِتَةٌ فَأَوْصَى بِأَنْ تُعْطَى كَفَّارَةُ صَلَوَاتِهِ يُعْطَى لِكُلِّ صَلَاةٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ وَلِلْوِتْرِ نِصْفَ صَاعٍ وَلِصَوْمِ يَوْمٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وَرَثَتُهُ نِصْفَ صَاعٍ وَيُدْفَعُ إلَى مِسْكِينٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ الْمِسْكِينُ عَلَى بَعْضِ وَرَثَتِهِ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ ثُمَّ وَثُمَّ حَتَّى يَتِمَّ لِكُلِّ صَلَاةٍ مَا ذَكَرْنَا، كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ.

وَفِي فَتَاوَى الْحُجَّةِ وَإِنْ لَمْ يُوصِ لِوَرَثَتِهِ وَتَبَرَّعَ بَعْضُ الْوَرَثَةِ يَجُوزُ وَيُدْفَعُ عَنْ كُلِّ صَلَاةٍ نِصْفُ صَاعِ حِنْطَةٍ مَنَوَيْنِ، وَلَوْ دُفِعَ جُمْلَةً إلَى فَقِيرٍ وَاحِدٍ، جَازَ بِخِلَافِ كَفَّارَةِ الْيَمِينِ وَكَفَّارَةِ الظِّهَارِ وَكَفَّارَةِ الْإِفْطَارِ، انتهیٰ۔

وقال صاحب در المختار ولو لم یترک مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم، انتہیٰ۔

قال فی نور الایضاح وإن لم یف ما أوصی به عما علیه یدفع ذلک المقدار للفقیر فیسقط عن المیت بقدره ثم یهبه الفقیر للولي ویقبضه ثم یدفعه للفقیر فیسقط بقدره ثم یهبه الفقیر للولي ویقبضه ثم یدفعه الولي للفقیر وهکذا حتی یسقط ما کان علی المیت من صلاة وصیام لمن تعطی الفدیة ویجوز إعطاء فدیة صلوات لواحد جملة بخلاف کفارة الیمین والله سبحانه وتعالی أعلم۔

فصل ۸: فی کیفیت طریق الاسقاط من الولی الی الفقیر و من فقیر الی الولی

وقال فی جامع الرموز وکیفیتہ ان یُسقط من عمرہ اثنا عشرۃ سنۃً ومن عمرھا تسعۃً وکذا ثلاثۃ ایام من شھر للحیض ثم یدفع للباقی من العمر الیٰ مسکین من ملک المیت دفعۃً واحدۃً ان کان الثلث وافیًا بالفدیۃ والا فیدفع الیه ما یملکه فیقبضہٗ ثم یھبہٗ من الدافع فیقبضہٗ ثم یدفعہٗ الی المسکین ثم و ثم الیٰ ان ینتھیٰ عمرہٗ ای عمر المیت وان لم یملک شیئًا استقرض وارثہٗ وینبغی ان یقول الدافع للمسکین فی کل مرۃ الیٰ ادفعک مالًا کذا الفدیۃ صوم کذا لفلان بن فلانٍ المتوفیٰ ویقول المسکین قبلتہٗ انتھیٰ۔ وقال فی موضع أخر ولا خلاف الہٗ امرٌ مستحسنٌ یصل ثوابه الیه وینبغی ان یفدی قبل الدفن وان جاز بعد الدفن کذا فی التنویر والدرر والبحر والتمرتاشی فی الرسالۃ الثامنۃ محمد علاؤ الدین ابن العابدین، ص ۲۱۲۔۲۱۸ مجموعۃ الرسائل، انتھیٰ۔

باب الرابع فی جواز الحیلۃ

فصل ۱: فی طریقتھا

دلائل جواز حیلۃ قولہ تعالیٰ قال لایوب علیه السلام وَ خُذْ بِیَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ (ص ۴۴) وخذ بیدک ای مل کفک من حشیش او عیدان او ریحان فاضرب به ولا تحنث وکان ایوب علیه السلام قد حلف ان یضرب امرأتہ مائۃ سوطٍ فشکر اللہ وحسن صبرھا معه فافتاہ فی ضربھا وسھل له ای لایوب علیه السلام الامر امرہ بان یاخذ ضغثًا یشتمل علیٰ مائۃ عودٍ صغار فیضربھا به ضربۃ واحدۃ ففعل ولم یحنث فی یمینه وھل ذلک لایوب خاصۃ ام لا فیه قولان۔

فصل ۲: فی حیلۃ العام و الخاص

احدھما انه عام وبه قال ابن عباس وعماد بن ابی رباح والثانی انه خاص بایوب قاله المجاھد واختلف الفقھاء فیمن حلف ان یضرب عبدہٗ مائۃ سوط مجمعھا وضربه بھا ضربۃً واحدۃً فقال مالک واللیث بن سعد واحمد لا یبرّ وقال ابو حنیفۃ والشافعی اذا ضربه ضربۃً واحدۃً فاصابه کل سوط علیٰ حدۃ فقد بژ واجتمعوا بعموم ھٰذہ الأیۃ اھ۔[1]

[1] (تفسیر خازن، ج۴، ص ۴۵)

فاضرب به ای بذلک الضغث ولا تحنث بیمینک فان البرّ یتحقق به ولقد شرع اللہ تعالیٰ ذلک رحمة علیه وعلیها لحُسن خدمتها ایاہ ورضاہ عنها ورخصة باقیة فی الحدود فی شریعتنا وفی غیرها ایضًا لکن غیر الحدود یعلم بطریق الاولیٰ فقد اخرج عبدالرزاق وسعید ابن منصور وابن جریر وابن المنذر عن ابی امامة بن سهل بن حنیف قال حملت ولیدةً فی بنی ساعدة من زنا فقیل لها ممن حملک قالت من فلان المقعد فسئل المقعد فقال صدقت فرفع ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فقال خذوا اعثکولًا فیه مائة شمراخ فاضربها به ضربةً واحدةً ففعلوا۔

فصل ۳: فی حدیث الحیلة حالة المرض

واخرج عبدالرزاق وعبد بن حمید عن محمد بن عبدالرحمٰن عن ثوبان ان رجلا اصاب فاحشة علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ وسلم وهو مریض علیٰ شفا موت فاخبر اهله بما صنع وأمر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بقنوٍ فیه مائة شمراح فضربه ضربة واحدة۔

فصل ۴: فی حیلة الشیخ

واخرج الطبرانی عن سهل ابن سعد ان النبی علیه الصلوٰة اتیٰ بشیخ قد ظهر تعروقه قد زنی بامرأة فضربه بضغث فیه مائة شمراخ ضربة واحدة ولا دلالة فی هذه الاخبار علی عموم الحکم من یطیق الجلد المتعارف لکن القائل ببقاء حکم الاٰیة قائل بالعموم لکن شرطوا فی ذلک ان یصیب المضروب کل واحدة من المائة اما باطرافها قائمة او باعراضها مبسوطة علی هیئة الضرب وکثیر من النّاس استدل بها علیٰ جواز الحیل وجعلها اصلاً لصحته۔[1]

فصل ۵: فی حیلة القسم

قال شارح الاشباہ نافلًا عن تاتارخانیه وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما انه قال وقت وحشةٌ بین هاجرہ وسارہ فحلف سارة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان ظفرت بها قطعت عضوا منها فارسل اللہ تعالیٰ جبرئیل علیه السلام ان یصلح بینهما فقالت سارة ما حیلة یمینی فاوحی اللہ تعالیٰ الیٰ ابراهیم علیه السلام ان یامر سارة ان تتقب اذنی هاجرة فمن ثم تقوب الاذان۔

فصل ٦: فی حیلة المفلس

قال مولوی رشید احمد الجونجوهی فی جواب سوال السائل بجواز الحیلة بان العلماء وضعوها للمفلس ولا بعد ان یقبلها اللہ تعالیٰ عنه صحة نیة الورثة والحکم بجواز حیلة المفلس انما یکون لقلة المال وکثرة الفدایا فاذا کان واضعوها العلماء وفیها رجاء القبول من اللہ لا خلاف انه امر مستحسن یحصل ثوابه الیه ولا شک فی جوازها واعلم ان نفس الحیلة مما لا ینکر عنه العاقل والفاضل لذکرها فی القرآن کما ذکرنا فی قصة ایوب ومارہ وهاجرہ وابراهیم علیهم الصلوٰة والسلام وما نذکر فی قصة ابراهیم ویوسف علیهم الصلوٰة وغیرهما الاول لا بقاء اخیه بنیامین عنده

[1] (تفسیر روح المعانی، ج۷، ص ۳٦۳)

نجباء صاع الملک فی رحلہ ثم النداء بقولہ ایتھا العیر انکم لسارقون وقال اللہ تعالیٰ بعد ذلک کذلک کدنا لیوسف فعلم ان اللہ تعالیٰ ما انکر علیہ تلک الحیلۃ بل ذکرھا فی مقام الامتنان الثانی حین طلب الکفار ان یذھب معھم الیٰ عیدھم فنظر نظرۃ فی النجوم فقال انی سقیم فطلب الحیلۃ لعدم ذھابہ معھم۔ واللہ تعالیٰ ذکرھا وما انکر علیہ وایضًا قال الامام البخاری فی کتاب الحیل المجلد الثانی والحیل فی کتب الفقہ کثیرۃ خصوصًا فی کتابی الطلاق والشفعۃ۔

فصل ۷: فی المعاریض وھی حیلۃ

والمعاریض کذلک وھی فی حکم الحیلۃ کما اذا احدث احدکم فی الصلوۃ فلیاخذ بانفیہ حتی یظن الناس انہ رعف ثم الانکار عن مطلق الحیل انکار عن الکتاب والسنۃ واقوال الائمۃ والفقھاء۔

فصل ۸: فی حیلۃ الزکوٰۃ

وکذلک الحیلۃ فی الزکوٰۃ ان یعطی المدیون زکوتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مدّ یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقّہ فان مانعہ رفعہ للقاضی، اہ[1]

قال شمس الدین السرخسی فی المبسوط ان الحیل فی الاحکام المخرجۃ عن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جائزۃ عند جمھور العلماء وانما کرہ ذلک بعض المتعسفین لجھلھم وقلۃ تامل فی الکتاب والسنۃ والدلیل علیٰ جوازہ من الکتاب قولہ تعالیٰ وخُذ بیدک، الخ۔ ھذا تعلیم المخرج لایوب علیہ السلام عن یمینہ وقولہ تعالیٰ ولمّا جھّزھم بجھازھم جعل السقایۃ فی رحل اخیہ، الخ۔ وذلک منہ حیلۃ وکان ھذا حیلۃ لامساک اخیہ عندہ حینئذٍ لیوقف اخوتہ علی مقصودہ وقولہ تعالیٰ حکایۃ عن موسیٰ علیہ السلام ستجدنی ان شاء اللہ صابرًا ولم یقل علیٰ ذلک لانہ قید سلامتہٗ بالاستثناء وھو مخرج صحیح قال اللہ تعالیٰ ولا تقولن لشئی انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ۔

فصل ۹: فی حیلۃ الحرب

واما السنۃ فما روی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم قال یوم الاحزاب لعروۃ بن مسعود فی شان بنی قریظۃ فلعلنا امرناھم بذلک فلما قال لہٗ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ذلک قال علیہ السلام الحرب خدمۃ وکان ذلک منہ اکتساب حیلۃ ومخرج من الاثم بتقیید الکلام بلعل۔

فصل ۱۰: فی حیلۃ الطّلاق

ولما اتاہ رجل واخبرہ انہ حلف بطلاق امرأتہ ثلاثًا ان لا یکلّم اخاہ قال لہٗ طلّقھا واحدۃ فاذا انقضت عدّتھا فکلم اخاک ثم تزوّجھا وھذا تعلیم الحیلۃ والاٰثار فیہ کثیرۃ من تامّل احکام الشرع وجد المعاملات کلّھا بھٰذہ الصّفۃ فان من احبّ امرأۃ اذا سأل فقال ما الحیلۃ لی حتی اصل الیھا یقال لہا تزوّجھا۔

---

[1] (طحطاوی، ص ۳۹)

فصل ۱۱ :فی حیلة الجاریة

و اذا هوی جاریة فقال مالحیلة لی حتی اصل الیها یقال له اشترها و اذا کره صحبة امرأته فقال ما لحیلة لی فی التخلّص منها قیل لهٗ طلقها و بعد ما طلقها اذا ندم و سال الحیلة فی ذلک قیله له راجعها و بعد ما طلقها ثلاثا اذا تابت من سوء خلقها و طلبا حیلة قیل لهما الحیلة فی ذلک ان تتزوّج بزوج أخر و یدخل بها فمن کره الحیل فی الاحکام فانما یکره فی الحقیقة احکام الشرع و انما یقع مثل هٰذه الاشیاء من قلة التامل فالحاصل ان ما یتخلص به الرجل من الحرام او یتوصل به الی الحلال من الحیل فهو حسن و انما یکره ذلک ان یحتال فی حق الرجل حتی یبطله او فی باطل یوهمه او فی حق حتی یدخل فیه شبهة فما کان علیٰ هذا السبیل فهو مکروه و ما کان علی السبیل الذی قلنا او لاً فلا باس به لان اللہ تعالیٰ قال وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدة ۲) ففی النوع الاول معنی التعاون علی البرّ و التقویٰ و فی النوع الثانی معنی التعاون علی الاثم و العدوان، الخ۔ فان شئت زیادة الحجج و الدلائل فارغب الی کتاب الحیل فی جزء الثلاثین من کتاب المبسوط لشمس الدین السرخسی۔[1]

فصل ۱۲ :فی حیلة الاسقاط

و اما حیلة الاسقاط انما تکون لتکثیر المال فان المال اذا کان قلیلا و الفدایا کثیرة فلا بد من تلک حیلة الاسقاط کما ذکرنا من الهندیة و در المختار و جامع و نور الایضاح و البحر و غیره۔

باب الخامس فی قرأة القرآن للمیت علی قبرہ

فصل ۱ :فی قرأة القرآن للمیّت او علیٰ قبرہ

وَاَمَّا قراءة القرأن للمیت او علیٰ قبره۔ قال السیوطی وصول ثواب القراءه للمیت فجمهور السّلف و الائمة الثلاثة و محققی الشوافع علی الوصول مستدلاً بقوله تعالیٰ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الطور ۲۱) ادخل الابناء الجنة بصلاح الآباء لان هذه الامة المرحومة فلها ما سعت و ما سعی لها و لان المؤمن فلهٗ ما سعیٰ و ما سعیٰ له۔

فصل ۲ :فی انکار ابن تیمیة عند النبی فی القراءة

و ذکر ابن حجر فی الفتاویٰ الفقهیة ان الحافظ ابن تیمیة زعم منع اهداء القرأن للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلهٖ و اصحابهٖ و سلم لان جنابه لا یتجوز علیه القیام اذن فیه و هو الصلوٰة و سوال الوسیلة لهٗ قال و بالغ السبکی و غیره و الرّد علیه ان مثل ذلک لا یحتاج الیٰ اذن خاص الا تریٰ ان الموافق و هو فی طبقة الجنید عنه سبعین حجة و ختم ابن سراج عنه صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلهٖ و اصحابهٖ و سلم اکثر من عشرة الاف ختمة و ضحیٰ عنه مثل ذلک، اه۔[2]

---

[1] (المبسوط، ص ۲۰۹)

[2] (فتاویٰ سعدیه)

فصل ۳: فی اجماع علی قراءة القراٰن للاموات

واستدلوا علی الوصول بالقیاس علی الصدقة والصوم والحج والدعاء والعتق فانه لا فرق فی نقل الثواب بین ان یکون عن حج او صدقة او وقف ودعاء او قراءة وبالاحادیث اللاتی ذکرها وهی وان کانت ضعیفة فمجموعها یدل علی ان لذلک اصلاً وبان المسلمین ما زالوا فی کل عصر یجتمعون ویقرؤن لموتاهم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعًا واما القراءة عند القبر فجزم بمشروعیتها العلماء بالاتفاق قال الزعفرانی سالت الشافعی رحمه اللّٰہ تعالیٰ عن القراءة عند القبر فقال لا بأس به وقال النووی فی شرح المهذب یستحب لزائر القبور ان یقرأ ما تیسر من القراٰن ویدعو لهم عقبها نص علیه الشافعی واتفق علیه الاصحاب وزاد فی موضع آخر وان ختموا القرآن علی القبر کان افضل واخرج الخلال فی الجامع عن الشعبی قال کانت الانصار اذا مات لهم المیت اختلفوا ای ذهبوا الی قبره ویقرؤن القراٰن وقال القرطبی فی حدیث اقرءوا علیٰ موتاکم یٰسٓ هذا یحتمل ان تکون هذه القراءة عند المیت فی حال موته او عند قبره وبالاول قال الجمهور وبالثانی قال ابن عبدالواحد المقدمی وبالتعمیم فی الحالین قال المحب الطبری۔

فصل ۴: فی ثواب القراءة للقاری وثواب الاستماع للمیت

قال القرطبی وقد قیل ان ثواب القراءة للقاری وثواب الاستماع للمیت ولذلک تلحقه الرحمة قال اللّٰہ تعالیٰ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف ۲۰۴) ولا یبعد فی کرم اللّٰہ تعالیٰ ان یلحقه ثواب القراءة والاستماع معاً ویلحقه ثواب مایهدی الیه من القراءة کالصدقة والدعاء۔

فصل ۵: فی قراءة خصوص السور للاموات

وفی شرح اللباب ویقرء القرآن ماتیسر له من الفاتحة واول سورة البقرة الی المفلحون وآیة الکرسی وآمن الرسول وسورة یس وتبارک الذی بیده الملک وسورة التکاثر والاخلاص اثنی عشر مرة او احد عشر مرة او سبعاًاو ثلاثاًثم یقول اللهم اوصل ثواب ماقرأناه الی فلان او الیهم، اه۔ وقال شیخ عبدالوهاب الشعرانی فی کشف الغمة عن جمیع الامة وکان صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یقول اقرءوا علی موتاکم یٰسٓ فانها قلب القرآن لا یقرءها رجل یرید اللّٰہ والدار الاخرة الا غفر له۔

فصل ٦: في قوله علیه السلام زبدوا موتاکم لا اله الا اللّٰہ

وکان صلی اللّٰہ علیه واله وسلم یأمر بتلقین المختصر لا اله الا اللّٰہ ویقول زوّدوا موتاکم لا إله إلا اللّٰہ فإن من کان آخر کلامه لا اله الا اللّٰہ دخل الجنة۔

فصل ۷: في قراءة القرآن عند رأس المیت ورجلیه

وکان صلی اللّٰہ علیه وسلم یأمر بقراءة الفاتحة عند رأس المیت ورجلیه وبقراه خواتیم سوره البقره عند وضعه في القبر۔ آه۔ کشف الغمة صفحة ۱۵۰۔

فصل ۸: في اجماع سلف في بلاد المسلمين على قراءة القران للاموات

قال مولانا ثناء الله قال حافظ شمس الدين ابن عبد الواحد من سالف في بلاد المسلمين اجتمعوا وقرءوا اى يجتمعون ويقرءون بقراءة القران للاموات۔اھ۔ص ۱۸۳ سيفية۔

فصل ۹: في ختمات لا جزية القرآن والصحيح البخاري والصحيح المسلم بحضرة الميت

وكذا الختمات لا جزية القرآن والصحيح البخارى والصحيح المسلم ينبغي ويناسب ان تكون بحضرت الميت وقبره۔ اھ۔ كذا يعلم من عبارة ابن العابدين في رسالة المذكورة صفحة ۱۸۰ مجموعة الرسائل۔وقال في المراجية ولو زار قبر صديق او قريب له وقرء عنده شيئا من القرآن فهو حسن۔ اھ۔ فتاوى تنقيح الحامديه لابن العابدين۔ص ۱۴۲ ج۲۔

باب السادس في اجره على تعليم القران

فصل ۱ : في الأُجرة على تعليم القران

واما الاجارة على تعليم القران۔ واعلم ان عامة كتب المذهب من متون وشروح وفتاوى كلها متفقة على ان الاستيجار على الطاعات لا يصح عندنا واستثنى المتاخرون من مشائخ البلخ تعليم القران فجوّز والاستيجار عليه وعللوا ذلک في شروح الهداية وغيرها بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن لانه حيث انقطعت العطايا من بيت المال وعدم الحرص على الدفع بطريق الحسبة يشتغل المعلمون بمعاشهم ولا يعلمون احدا ويضيع القران فافتى المأخرون بالجواز لذلک۔

فصل ۲ : الاستئجار على الامامه والاذان والدرس وتعليم الدين

واستثنى بعضهم ايضاً الاستيجار على الاذان والامامة والدرس لتعليم الدين للعلة المذكورة لانها من شعائر الدين ففى تفويتها هدم الدين فهذه المذكورات مستثناة للضرورة فان الضرورات تنبيح المحظورات واتفقوا كلهم على عدم جواز الاستنجار على الحج لعدم الضرورة لان الحجوج عنه يدفع المال الى المأمور على سبيل النفقة ولذا اجمعوا على انه لو فضل مع المأمور درهم واحد يجب عليه ردُّه الى الامر فحيث اندفعت الضرورة بالدفع على سبيل الانفاق لم تجز ألاجارة۔ص ۱۲۶ ۔فتاوى تنقيح الحامدية۔

باب الصعب في اجره على التلاوه

فاصل واحد في الاجره على تلاوه القران

واما الاجاره بتلاوة القران قال ابن العابدين لا شک ان التلاوة المجرة عن التعليم من اعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب فلا يصح الاستيجار عليها لان الاستيجار بيع المنافع وليس للتالي منفعة سوى الثواب ولا يصح بيع الثواب ولان الاجرة الا تستحق الا بعد حصول المنفعة المستاجر والثواب غير معلوم فمن استاجر رجلا ليختم له ختمة ويهدي ثوابها الى روحه او روح احد من امواته لم يعلم حصول الثواب له حتى يلزمه دفع الاجرة ولو علم حصوله للتالي

لم يصلح بيعه بالاجرة فكيف وهو غير معلوم بل الظاهر العلم يعدم حصوله لان شرط الثواب الاخلاص لله تعالى في العمل والقارى بالاجرة انما يقرأ لاجل الدنيا لا لوجه الله تعالى بدليل انه لو علم ان المستاجر لا يدفع له شيئا لا يقرأ له حرفاًو احداً خصوصاًمن جعل ذلک حرفته ولذاقال تاج الشريعة في شرح الهداية ان قارئ القران بالاجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى والوصية باجرة القران فلا معنى لها بل الوصية للقارى لاجل قراءة باطلة لانها تشبه الاستيجار على التلاوة فالاجارة الحقيقية تكون باطلة بالأولى۔

فصل ۲: في الرد على صرة الفتاوىٰ من جانب الشامي

وماقال صرة الفتاوى ناقلاًعن فتاوى الحاوي رجل قال للقارئ اختم القران لي او لاولادي او لابي او لامي او لابني او لاخي او لاعمامي ولم يسم شيئاً من الاجرة وختمه يجب على الآمر اجر المثل للقارى وهو ما نطق به النص اعني اربعين درهماً شرعياً اما اذا سمى اجرا لزم ما سمى لكن يأثم المستاجر والاجير ان عقداه اقل من اربعين درهما لمخالفه النص الا ان يهب الاجر للمستاجر ما فوق المسمى الى الاربعين بعد العقد عليه او شرط ان يكون ثواب ما فوقه لنفسه فلا يأثم قول شاذٌ مخالفٌ للمنقول في المتون والشروح والفتاوى وصاحب الفتاوى الحاوي والقنية وهو الزاهدى مع قطع النظر عن كونه معتزلياً مشهورٌ عند العلماء والثقات بنقل الروايات الضعيفة ولذا قال ابن وهبان وغيره لانه لا عبرة بما يقوله الزاهدي مخالفاً لغيره ۔ ص ۱۲۷۔ الحامدية وقال مولانا عبد الحي اللكنوِي في مقدمة الشرح الوقاية قال في ردالمحتار نقلاًعن الاشباه للشيخ هبة الله البعلي قال شيخنا العلامة صالح لا يجوز الافتاء من الكتب المختصرة كالنهر وشرح الكنز للعيني والدر المختار شرح تنوير الابصار لعدم لاطلاع على حال مصنفها كشرح الكنز لملامسكين وشرح النقاية للقهستاني او للنقل الاقوال الضعيفة كالقنية للزاهدي فلا يجوز الافتاء من هذه الا اذا علم المنقول عنه واخذه منه۔ انتهى۔ مقدمة ص ۱۱۔

فصل ۳: في الرد علي الشامي والبركوي واللكنوي

اقول بتوفيق الله وتوفيقه ان ابن العابدين في تنقيحه ومجموعته وكتابه ردالمحتار اتبع في اكثر المسائل خصوصاًفيمانحن فيه للبركوى محمدبن پيرعلى مصنف الطريقة المحمدية والرسائل له اعنى جلاء القلوب وايقاظ النائمين واِنقاظ الهالكين وسيف الصارم كماذكرهافى آخرالطريقة واعلم ان كتب البركوى ورسائله مجروحة ومقدوحة باعتراضات علماء الامة عليها خصوصاًثمار جى طريقته۔

فصل ٤: فى المعترضين على البركوى

الاول محمدبن ملاابوبكربن ملامحمدبن ملاسليمان الكردى البهرانى الانوانى و شرحهابالقول اوله الحمدلله الذى جعلنا امة خيرا۔ الخ۔ ذكر انه الفه وشرحه بإشارة بعض المشائخ والعلماء الربانيين المكاشفين وردّفى كثير من المواضع على المصنف اعنى مصنف الطريقة وذلک فى صفر ۱۰٦۳ھ فى قسطنطنية۔

والثانى الشيخ العالم عبدالغنى النابلسى الدمشقى المتوفى ۱۱٤٤ھ والف وسماه الحديقة وهى الموجودة الان فى مطبع الاسلامية لاهور او نقلها على حاشة الطريقة وفيها اعتراضات على المصنف۔

و الثالث للخادمی صاحب بریقة محمودیة علی طریقة محمدیة ۱۱٦۸ھ وهی مائة من الاعتراضات علی متن الطریقة المحمدیة فماالفائدة فی اتباع ابن العابدین للبرکوی صاحب الطریقة واتباع مولانامحمدعبدالحی اللکنوی لابن العابدین لان مایردمن الاعتراضات علی صاحب فتاوی الحاوی و القنیة کذا یعترض بأعتراضات کثیرة علی صاحب الطریقة للبرکوی امام ابن العابدین بل البرکوی من عاداته اخفاف العلماء وتغلیظاته فی شان الصوفیة الکرام کثیرة وتشدیداته لهم وفیرة و الحق ماقال صاحب البحر و المبسوط قال صاحب بحر الرائق وفی الحاوی للکرابلسی اذا استاجره لیختم عنده القران ولم یسم له اجرا لیس له ان یاخذ اقل من خمسة و اربعین درهماشرعاوامااذاسمی اجراًلزم ماسمی لکن یأثم المستاجر اذاعقدعلی اقل من خمسة واربعین درهماالاان یهب المستاجر مابقی من تمام العقداویشترط ان یکون ثواب مافوقه لنفسه فلایأثم وکذااذاقال اقرأبقدر ماقدرت علیه فله من الاجربقدر ماقرأوهذایجب حفظه کمافی المبسوط۔

فصل ۵: فی ان صاحب البحر و المبسوط صاحبا التحقیق

وماقال صاحب الحاوی موافقاًللبحر و المبسوط صاحباالحق لانهمامن اصحاب التحقیق لان بهذاالاجارة تعظیم القران وعزته وکذلک للمیت اعانة وصلة لروحه وشفقة علیه۔ص۲۰بحر بزیادة ما۔ج۸۔

فصل ٦: فی قرأة القرآن مدّة معلومة

قال صاحب الجوهرة بجواز الاجرة علی تلاوة القرآن علی قول البعض حیث قال و اختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن علی القبر مدّة معلومة قال بعضهم لایجوز وهو المختار ویعلم منه قال بعضهم یجوز اقول وهو المختار لانّ قول هذاالبعض موافق لماقال صاحب البحر و المبسوط وجمهور الفقهاء۔

فصل ۷: فی الاجرة علی الحج علی قدر تفقته

وقال ایضا فَإِذَا اُسْتُؤْجِرَ عَلَى الْحَجِّ عَنْ الْمَيِّتِ جَازَ عَنْ الْمَيِّتِ وَلَهُ مِنْ الْأُجْرَةِ مِقْدَارُ نَفَقَتِهِ فِي الطَّرِيقِ ذَاهِبًا وَ جَائِيًا وَيَرُدُّ الْفَضْلَ عَلَى الْوَرَثَةِ ، لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَيْهِ وَيَجُوزُ عَلَى وَيَجُوزُ عَلَى حَفْرِ الْقَبْرِ ، وَأَمَّا حَمْلُ الْمَيِّتِ قَالَ فِي الْعُيُونِ : يَجُوزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَيْهِ ، وَفِي الْفَتَاوَى إنْ لَمْ يُوجَدْ غَيْرُهُمْ لَا يَجُوزُ ، لِأَنَّ ذَلِكَ وَاجِبٌ عَلَيْهِمْ ، وَإِنْ وُجِدَ غَيْرُهُمْ جَازَ۔ ۱۵۔جوهرة ۲۷۳۔

فصل ۸: فی الوصیة بقرأة القرآن

حکی عن الشیخ الامام ابی بکر العیاض انه اوصی عندموته بقرأة القرآن علی قبره علم منه جواز الوصیة بقرأة القرآن۔

فصل ۹: فی اجرة القرآن للقاری المعین

وقال بعضهم ان کان القاری معیناً یجوز الاجرة و الافلاو قال یدل هذاعلی الاستیجار علی القرأة وهو جائز لانّ تعین العقدضروری کذلک تعین الموجر۔

وقال فی الفتاوی العالمکیریة واختلفوا فی الاستیجار علی قرأة القرآن علی القبر مدّة معلومة قال بعضهم تجوز وهو المختار۔ کذافی سراج الوهاج انتهی۔

فصل ۱۰: فی القول المختار علی اجرة قرأة القرآن

وقال العلامة الطحطاوی فی حاشیته علی الدر المختار والمختار جواز الاستیجار علی قراءة القرآن علی القبور مدة معلومة وفی الحموی مانصه ونقل العلامة المقدسی من هامش نسخه من القنیة مانصه وفی الکواشی المستاجر المختم لیس له ان یأخذ الاجر اقل من خمسة واربعین درهما شرعیا کماذکره فی المبسوط فی رجل قال للقاری اختم القرآن لی ولم یسم شیئاً من الاجر وختمه لیس له ان یأخذ اقل من خمسة واربعین درهما لمخالفة النص الاان یهب الاجیر للمستاجر مافوق المسمی الی خمسة واربعین درهما بعد العقد علیه او شرط ان یکون ثواب افوقه لنفسه فلا یأثم وعلی هذا لو قاری قال القاری اقرأ ختماً بقدر ما قدرت من الاجیر حین امره المستاجر بالختم باقل من خمسة واربعین فقرأ من القرآن ذلک المقدار من الثلث او الربع او النصف او نحوها فلا یأثم انتهی۔ ملخصاً۔ فإن قلت هذا اذا لم یسم شیئاً من الاجر ویصح عقد الاجارة فبتسمیته اولی واقوی۔

فصل ۱۱: فی جواز قراءة القرآن علی وجه الصلة

قال صاحب بریقة محمودیة اذا کان القاری معیناً ینبغی ان تجوز وصیة له علی وجه الصلة وکذا وَأَمَّا إِذَا لَمْ یَکُنْ عَقْدٌ وَلَا شَرْطٌ فَقَرَأَ لِرُوحِ الْمَیِّتِ لِمَرْضَاهُ اللّٰہ تَعَالَی فَأَعْطَاهُ قَرِیبُ الْمَیِّتِ شَیْئًا مِنْ الْمَالِ بِطَرِیقِ الصِّلَةِ فَجَائِزٌ۔[1]

ثم فاذاتم الدلائل علی اجرة تعلیم القرآن وقراءة الفرقان واجرة تلاوته فاعلم ان الآیات والسور من القرآن والادعیة الماثورة والاورادالمشهورة کماسیأتی اذاکانت للامراض الجسمانیة وآفات البدنیة شافیة وکافیة وبمنزلة التداوی وافیة وکذلک الاجرة بها جائزة فما وجه لعدم جواز الاجرت علی قراءة القرآن وتلاوته لتداوی الروحانیة لارواح الاموات وغرقاء الارض والفلوات والبرزخ والسموات والله ارحم علی خلق الارض والسموات واوصل للثواب الی ارواح الاحیاء والاموات والاحادیث الواردة فی شفاء الارواح۔ هذه بعضها۔

فصل ۱۲ فی سورة الملک مانعة من عذاب القبر

وفی الحدیث سورة مانعة من عذاب القبر ومن قرأ کل جمعة بعد العشاء فاذا مات قال له المنکر والنکیر من ربک فقال ملک آخر غیرهما لاتسئله فانه یقرأ سورة الملک۔ وقال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ان سورة فی القرآن ثلاثون آیة شفعت لصاحبها حتی غفرت له وهی تبارک الذی ویقرأ قبل دفن المیت او بعده ویوهب الاجر له لیسهل علیه جواب سوال المنکر والنکیر ویأمن عذاب القبر۔ عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی بعد المغرب رکعتین في لیلة الجمعة یقرأ في کل واحدة منها بفاتحة الکتاب مرة، وإذا زلزلت خمس عشرة مرة هون الله علیه سکرات الموت، وأعاذه من عذاب القبر، ویسر له الجواز علی الصراط یوم

[1] (بریقة ص ۱٤٥١، ج ٦ ص ٤٠١)

القیامة۔ وکذلک الاحادیث الواردة فی شفاء سورة یس للمرضی وسهولة النّزع علیهم کثیرة لایسعهاالرسالة ولاتطول الکلام بها۔

فصل ۱۳: فی الاجرة بالرقی ولیس فیها اختلاف

قال مولناواستاذنامصنف انوارالمحمودعلی ابی داؤد ابوالعتیق محمدصدیق واماکان بآیات القرآن وباذکارالمعروفة وبرقی الاسلامیة اوبمایعرف معناهاولم یکن فیهاشیئ من المحظورات فهذه کلهاجائزة بل بعضهاسنة ولایخالف ماوردفی الذین یدخلون الجنة بغیر حساب لایرقون ولایسترقون وعلی ربهم یتوکلون لانه مدح والمرادبهاترک الرقی التی لم یرد بهاالسنة۔ الرقی افسون۔ ص ۴۲۳۔ انوارمحمود۔ قال صاحب المرقاةالرقی بضم الراءوفتح القاف جمع رقیةوهي العوذةالتي یرقی بهاصاحب الآفة کالحمی والصرع وغیر ذلک واختلف فی مبدأهذاالعلم علی اقوال کثیرةوالمختاران بعضه علم بالوحی الی بعض انبیائه وسائره بالتجارب۔ اه۔ مرقاة۔

فصل ۱۴: فی الرقیة عن العین الحمة والنملة

وعن انس رضی اللہ تعالی عنه رَخَّصَ رَسولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم في الرُّقْيَةِ مِنَ العَيْنِ، والْحُمَةِ، والنَّمْلَةِ۔ والمرادمن الرقیة ههنامایقرأ من الدعاء وآیات القرآن لطلب الشفاء والرخصة انماتکون بعدالنهی وکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدنهی عن الرقی لماعسی ان یکون فیهامن الالفاظ الجاهلیة۔ فانتهی۔ الناس عن الرقی فرخص لهم فیمااذاعریت عن الفاظ الجاهلیة والاحادیث فیه کثیرة یفیدالطول۔

فصل ۱۵: فی اجرة الرقی علی لدیغ اوسلیم

والاجرة علی الرقی۔ وعن ابن عباس: أن نفراً من أصحاب النبي صلی الله علیه وسلم مروا بماء، فیهم لدیغ - أو سلیم - فعرض لهم رجل من أهل الماء، فقال: هل فیکم من راق؟ إن في الماء لدیغاً - أو سلیماً - فانطلق رجل منهم، فقرأ بفاتحة الکتاب علي شاء فبرئ، فجاء بالشاء إلي أصحابه، فکرهوا ذلک، وقالوا: أخذت علي کتاب الله أجراً، حتی قدموا المدینة، فقالوا: یارسول الله! أخذ علي کتاب الله أجراً. فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ((إن أحق ما أخذتم علیه أجراً کتاب الله)). رواه البخاري. وفي روایة: ((أصبتم، اقسموا، واضربوا لي معکم سهماً))۔[1]

فصل ۱۶: فی اجرة علی قراءة فاتحة الکتاب فی حق المعتوه

خارجة بن الصلت التمیمي عن عمِّه [عِلاقة بن صُحار] قال: «أقْبَلْنا من عند رسول الله - صلی الله علیه وسلم -، فأتینا علی حيّ من العرب، فقالوا: إنا قد أُنبِئْنا أنکم قد جئتم من عند هذا الرجل بخیر، فهل عندکم من دواء، أو رُقْیَة، فإن عندنا مَعْتوها في القُیُودِ؟ قال: فقلنا: نعم، قال: فجاؤوا بمَعْتُوه في القُیُودِ، فقرأتُ علیه فاتحةَ الکتاب ثلاثة أیام غُدْوَة وعَشِیَّة، [کُلّما ختمتُها] أجْمَعُ بَزَاقي، ثم أتْفُلُ، قال: فکأنما أُنْشطَ [ای حل کنایة عن مرعة برئة من الجنون

---

[1] (شرح الطیبي علی مشکاة المصابیح المسمی بـ(الکاشف عن حقائق السنن) رقم الحدیث ۲۹۸۵)

بر كة قراءة فاتحة القرآن] من عِقَال، فأعْطَوْني جُعلاً، فقلتُ، لا، حتى أسأل النبيَّ -صلى الله عليه وسلم- فقال: كُلْ، فلَعمري مَن أكل برقية باطل، لقد أكلت برقية حق» رواه احمد و ابو داؤد و مشكوة۔[1]

فصل ۱۷: فی رقیة الصبی و رقیة للیهودیة و للمریض بالمعوذتین

عن عائشة قالت: [دخلَ النبي -صلى اللّه عليه وسلم- فسمع صوت صبي يبكي فقال: ما لصبيكم هذا يبكي؟ فهلا استرقيتم له من العين؟] حَدِيثُ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَتْ: «دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ، فَقَالَ لِي: أَلَا تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ؟» رَوَاهُ الْمَجْدُ فِي الْمُنْتَقَى عَنْ أَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ وَقَالَ بَعْدَهُ: وَهُوَ دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ تَعَلُّمِ النِّسَاءِ الْكِتَابَةَ۔[2]

و قالت عائشة رضی الله تعالی عنها دخل عليّ ابو بکر و یهودیة ترقینی فقال ارقیها بکتاب الله ۔ و قالت عائشة رضی الله تعالی عنها و کان رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم یرقی من مرض من اهله بالمعوذتان و ینفث علیه۔[3]

فصل ۱۸: فی رقیة بثلاثین شاة اجرة

قال الامام البخاری حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى ، حَدَّثَنَا وَهْبٌ ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ مَعْبَدٍ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كُنَّا فِي مَسِيرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ إِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ سَلِيمٌ وَإِنَّ نَفَرَنَا غُيَّبٌ فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ فَرَقَاهُ فَبَرَأَ فَأَمَرَ لَهُ بِثَلَاثِينَ شَاةً وَسَقَانَا لَبَنًا فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً، أَوْ كُنْتَ تَرْقِي قَالَ: لَا مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْكِتَابِ قُلْنَا لَا تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتَّى نَأْتِيَ، أَوْ نَسْأَلَ - النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ۔[4]

قال النووی هو مِنْ بَابِ الْمُرُوءَاتِ وَالتَّبَرُّعَاتِ وَمُوَاسَاةِ الْأَصْحَابِ وَالرِّفَاقِ، وَإِلَّا فَجَمِيعُ الشِّيَاهِ مِلْكٌ لِلرَّاقِي، قَالَهُ تَطْيِيبًا لِقُلُوبِهِمْ، وَمُبَالَغَةً فِي تَعْرِيفِهِمْ أَنَّهُ حَلَالٌ لَا شُبْهَةَ فِيهِ، و فی الحدیث دلیل علی جواز الرقیة بالقرآن و بذکر الله تعالی و اخذ الاجرة علیها لان القراءة و النفث من الافعال المباحة۔[5]

فصل ۱۹: فی جواز بیع المصاحف

و به تمسک من رخص بیع المصاحف و شرائها و اخذ الاجرة علی کتابتها و به قال حسن و الشعبی و عکرمة و الیه ذهب سعید و مالک و الشافعی و اصحاب ابی حنیفة رحمهم الله تعالی کذا ذکره الطیبی نقلاً عن شرح السنة بخاری ج۲۔

---

[1] (جامع الأصول في أحاديث الرسول رقم ٥٧٢٢)

[2] (أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن ج٩ ص٢٠)

[3] (كشف الغمة ص ٢٢٤)

[4] (محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبو عبد الله ج٦ ص٢٣١)

[5] (شرح النووي على صحيح مسلم ج١٤ ص١٨٨)

قال فی تفسیر المدارک قال اللہ تعالی وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ وفي الحديث: "من لم يستشف بالقرآن فلاشفاه الله"۔[1]

فصل ۲۰ فی غسل کتابۃ القرآن و شرب ماءھا

قال المحدث الدھلوی وروی عن مجاھد لا بأس ان یکتب القرآن ویغسل ویشرب ماءھا علی المریض الی ان قال وکتابتھافی الظروف الصینیۃ وغسلھابالماء و شرب ماءھا علی المریض۔[2]

فصل ۲۱ فی عقد التعویذ فی العنق و العضد

قال السبکی و الدھلوی ان فی عقد التعویذ فی العنق و العضد للعلماء کلام الا ان لہ سندمن حدیث عبداللہ بن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم علمہ دعاء لدفع السحر فکان ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھمایعلم الدعاء من اولادہ الکبار ویکتب للاصغار ویعلق فی اعناقھم۔ ص ۵۷۲ ج۳۔قال المحقق شاہ ولی اللہ الدھلوی و امر النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم برقی تامۃ کاملۃ فیھا ذکر اللہ و استعانۃ بہ یریدان تغشیھم غاشیۃ من رحمۃ اللہ فتدفع بلایاھم و ان یکبحھم عماکانوایفعلون فی الجاھلیۃ من الاستعانۃ بطواغیتھم ویعوضھم عن ذلک باحسن العوض منھاقول الراقی وھویمسحہ بیمینہ اذھب البأس رب الناس ۔ و اشف انت الشافی لاشفاء الاشفاءک شفاءً لایغادرسقما ۔ وقولہ بسم اللہ ارقیک من کل شئ یؤذیک من شر کل نفس اوعین حاسد۔ اللہ یشفیک باسم اللہ ارقیک۔ وقولہ اعیذک بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ ۔ وقولہ سبع مرات اسأل اللہ العظیم رب العرش العظیم أن یشفیک ۔ ومنھاالنفث بالمعوذات و المسح و ان یضع یدہ علی الذی یألم من جسدہ ویقول باسم اللہ ثلاثاًوسبع مرات اعوذبعزۃ اللہ وقدرتہ من شرمااجدواحاذر وقولہ باسم اللہ الکبیر اعوذباللہ العظیم من شر کل عرق نعارومن شرحرالنار وقولہ ربنااللہ الذی فی السماء تقدس اسمک امرک فی السماء و الارض کمارحمتک فی السماء فاجعل رحمتک فی الارض اغفرلناحوبناوخطایانا انت رب الطیبین انزل رحمۃ من رحمتک و شفاءً من شفائک علی ھذاالوجع۔[3]

و القسم الثانی فی حالۃ الدفن و بعدہ

الباب الثانی و فیہ ایضاً فصول

فصل ۱ فی قراءۃ علی رأس القبر و رجلیہ

عن ابن عمررضی اللہ عنھماسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول إذا مات أحدُكم فلاتَحْبِسُوهُ وأسرِعُوا بِهِ إلى قبرِهِ ولْيُقْرَأْ عندَ رأسِهِ بفاتِحَةِ الْكِتابِ وعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخاتِمَةِ سورةِ الْبَقَرَةِ في قَبْرِهِ۔[4]

---

[1](تفسیر المدارک ج۲ ص۲۱۵)

[2](ص ۵۹۷)

[3](حجۃ اللہ البالغۃ، ص ۱۱۵ ج۲)

[4](الهيثمي، مجمع الزوائد(۳/۴۷))

عن حیثمة قال کانوا یستحبون اذادفن المیت ان یقولوا بسم الله و فی سبیل الله وعلی ملة رسول الله اللهم اجره من عذاب القبر وعذاب النار و شر الشیطان الرجیم۔

قال فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی الله علیه و آله و سلم إذا فرَغ مِنْ دَفْنِ المیتِ وقفَ علیه و قال استغفِروا لأخیکُم واسألوا له التثبیتَ فإنه الآنَ یُسألُ۔[1]

فصل فی تلقین علی القبر

قال الطبرانی ممایلحق بذلک انهم اذافرغوا من دفن المیت یستحب الجلوس عندقبره بقدرماینحر جزورویقسم لحمه یتلون تلاوة القرآن ویدعون للمیت فقدوردانه یستانس بهم وینتفع به۔

وعن عثمان رضی الله تعالی عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم إذا فرَغ مِنْ دَفْنِ المیتِ وقفَ علیه و قال استغفِروا لأخیکُم واسألوا له التثبیتَ فإنه الآنَ یُسألُ[2]

وتلقینه بعدالدفن حسن واستحبه الشافعیة لماعن ابی امامة رضی الله تعالی عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم إذا ماتَ أحدٌ من إخوانِکم، فسَوَّیتم التُّرابَ علیه، فلْیَقُمْ أحدُکم علی رَأسِ قَبرِه ثم لِیَقُلْ : یافُلانُ ابنَ فُلانَةَ، فإنَّه یَسمَعُ ولا یُجیبُ، ثم یقولُ : یافُلانُ ابنَ فُلانَةَ، فإنَّه یَستَوي قاعِدًا، ثم یقولُ : یافُلانُ ابنَ فُلانَةَ، فإنَّه یقولُ: أرْشِدْنا رَحِمَکَ اللهُ، ولکن لا تَشعُرون، فلْیَقُلْ: اذکُرْ ما خَرَجتَ علیه من الدُّنیا، شَهادَةِ أنْ لا إلهَ إلّا اللهُ، وأنَّ مُحمَّدًا عبدُه ورسولُه، وأنَّکَ رَضِیتَ باللهِ رَبًّا، وبالإسلامِ دِینًا، وبمُحمَّدٍ نَبیًّا، وبالقُرآنِ إمامًا، فإنَّ مُنکَرًا ونَکیرًا یأخُذُ کُلَّ واحِدٍ منهما بیَدِ صاحِبِه، یقولُ: انطلِقْ بنا ما نَقعُدُ عندَ مَن لُقِّنَ حُجَّتَه، فیکونُ اللهُ حَجیجَه دونَهما، قال رَجُلٌ : یارسولَ اللهِ، فإنْ لم یَعرِفْ أُمَّه؟ قال: فیَنسُبُه إلی حَوّاءَ، یافُلانُ ابنَ حَوّاءَ۔رواه طبرانی فی الکبیر وفی شرعة الاسلام والسنة ان یتصدق ولی المیت قبل مضی اللیلة الاولی بشیءٍ مماتیسر له الخ کماذکرنامن قبل۔

فصل ۳: فی الصدقة الی قبر المیت

وعن انس رضی الله تعالی عنه سمعت رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم مامن أهلِ بیتٍ یموتُ منهم مَیّتٌ فیَتَصَدَّقُونَ عنه بعدَ مَوْتِهِ إلّا أَهْداها لَهُ جبریلُ علیه السلامُ علی طبقٍ من نورٍ ثم یَقِفُ علی شَفِیرِ القبرِ فیقولُ یا صاحِبَ القبرِ العَمیقِ هذِهِ هدیةٌ أهداها إلیکَ أهلُکَ فاقْبَلْها فیدخلُ علیه فیَفرحُ بها ویستبشرُ ویحزنُ جیرانُهُ الذین لا یُهْدی إلَیْهِمْ شيءٌ۔[3]

فصل ٤: اعمال الجاریة للمیت

وعن انس رضی الله تعالی عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم سبعٌ یجري أجرُها للعبدِ بعدموتِه وهو في قبرِه: من علَّم عِلمًا، أو أجری نهرًا، أو حفر بئرًا، أو غرس نخلًا، أو بنی مسجدًا، أو ورَّث مُصحفًا، أو ترک ولدًا یستغفرُ له بعدمَوْتِه۔اه۔[1]

---

[1] (أخرجه أبو داود (۳۲۲۱))

[2] (أخرجه أبو داود (۳۲۲۱))

[3] (الهیثمي، مجمع الزوائد (۳/۱٤۲))

فصل ۵ فی الدعوۃ من جانب ولی المیت للفقراء و حاضری الجنازۃ من الحاملین و الحافرین و الداعیین و غیر ذلک کمافی المشکوۃ

وعن عاصم بن كليب عن ابيه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فی جنازة فرأيتُ رسولَ اللهِ - صلى الله عليه وآله وسلم - وهو على القبرِ يوصِي الحافرَ؛ يقولُ: أَوْسِعْ من قِبَلِ رِجْلَيْهِ، أَوْسِعْ من قِبَلِ رأسِهِ، فلما رجع استقبله داعِي امرأتِهِ، فأجاب ونحن معه فجيء بالطعامِ فوضع يدَه، ثم وضع القومُ فأكلوا، فنظَرْنا إلى رسولِ اللهِ - صلى الله عليه وآله وسلم - يَلُوكُ لقمةً في فِيهِ، ثم قال: أَجِدُ لَحْمَ شاةٍ أُخِذَتْ بغيرِ إذنِ أهلِها، فأرسلت المرأةُ تقولُ: يا رسولَ اللهِ! إني أَرْسَلْتُ إلى النَّقِيعِ - وهو موضعٌ يُباعُ فيه الغنمُ - لِيُشْتَرَي لي شاةٌ، فلم توجَدْ، فأَرْسَلْتُ إلى جارٍ لي قد اشترى شاةً أن يُرْسِلَ بها إليَّ بثمَنِها، فلم يوجدْ، فأرسلتُ إلى امرأتِهِ، فأَرْسَلَتْ إليَّ بها، فقال: رسولُ اللهِ - صلى الله عليه وآله وسلم -: أَطْعِمِي هذا الطعامَ الأَسْرى۔[2]

ایضاً فصل ٦ فی الدعوۃ من جانب اھل المیت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و اصحابه رضی اللہ تعالی عنھم

شرح هذا الحديث من مرقاة شرح مشكوة

وعن عاصم بن كليب بالتصغير قال المؤلف في فضل التابعين هو الجرمي الكوفي سمع أباه وغيره ومنه الثوري وشعبة وحديثه في الصلاة والحج والجهاد انتهى وكان حقه أن يقول وفي المعجزات عن أبيه لم يذكره المؤلف في أسمائه عن رجل من الأنصار قال خرجنا مع رسول الله في جنازة بكسر الجيم وفتحها فرأيت رسول الله وهو على القبر أي طرفه والجملة حال يوصي الحافر بتخفيف الصاد وتشدد حال أخرى يقول بيان أو بدل أوسع أمر مخاطب للحافر من قبل رجليه بكسر القاف وفتح الباء أي من جانبهما أوسع من قبل رأسه فلما رجع أي عن المقبرة استقبله داعي امرأته أي زوجة المتوفي فأجاب ونحن معه فجيء بالطعام فوضع يده أي فيه ثم وضع القوم أي أيديهم فأكلوا هذا الحديث بظاهره يرد على ما قرره أصحاب مذهبنا من أنه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول أو الثالث أو بعد الأسبوع كما في البزازية وذكر في الخلاصة أنه لا يباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة أيام وقال الزيلعي ولا بأس بالجلوس للمصيبة إلى ثلاث من غير ارتكاب محظور من فرش البسط والأطعمة من أهل الميت وقال ابن الهمام يكره اتخاذ الضيافة من أهل الميت والكل عللوه بأنه شرع في السرور لا في الشرور قال وهي بدعة مستقبحة روى الإمام أحمد وابن حبان بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنيعهم الطعام من النياحة انتهى فينبغي أن يقيد كلامهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء أهل بيت الميت فيطعمونهم كرها أو يحمل على كون بعض الورثة صغيرا أو غائبا أو لم يعرف رضاه أو لم يكن الطعام من عند أحد معين من مال نفسه لا من مال الميت قبل قسمته ونحو

---

[1] (أبو نعيم، حلية الأولياء (٢/٣٩٠))

[2] (رواہ ابو داؤد و البیھقی فی دلائل النبوۃ ص ٥٤٤ ج۔ مشکوۃ، تحفة الأحوذي ٣/٤٣٥))

ذلک وعليه يحمل قول قاضي خان يكره اتخاذ الضيافة في أيام المصيبة لأنها أيام تأسف فلا يليق بها ما يكون للسرور وإن اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا وأما الوصية باتخاذ الطعام بعد موته ليطعم الناس ثلاثة أيام فباطلة على الأصح وقيل يجوز ذلک من الثلث وهو الأظهر فنظرنا رسول الله أي إلى رسول الله كما في نسخة يلوک لقمة في فيه أي يلقيها من فمه إلى جانب آخر ففي النهاية اللوک إدارة الشيء في الفم ثم قال أجد لحم شاة أخذت وفي نسخة اتخذت بغير إذن أهلها فأرسلت المرأة تقول يا رسول الله إني أرسلت إلى النقيع بالنون وهو موضع يباع فيه الغنم أي تفسير مدرج من بعض الرواة وفي المقدمة النقيع موضع بشرق المدينة وقال في التهذيب هو في صدر وادي العقيق على نحو عشرين ميلا من المدينة قال الخطابي أخطأ من قال بالموحدة والجملة معترضة بين الفعل وهو قولها أرسلت وبين متعلقه وهو قولها ليشتري لي شاة بصيغة المجهول فلم توجد فأرسلت إلى جار لي قد اشترى شاة أن يرسل أي بأن يرسل الجار بها أي بالشاة المشتراة لنفسه إلي بثمنها أي الذي اشتراها به فلم يوجد أي الجار فأرسلت إلى امرأته فأرسلت أي المرأة إلي بها أي بالشاة فظهر أن شراءها غير صحيح لأن إذن جارها ورضاه غير صحيح وهو يقارب بيع الفضولي المتوقف على إجازة صاحبه وعلى كل فالشبهة قوية والمباشرة غير مرضية فقال رسول الله أطعمي هذا الطعام الأسرى جمع أسير والغالب أنه فقير وقال الطيبي وهم كفار وذلک أنه لما لم يوجد صاحب الشاة ليستحلوا منه وكان الطعام في صدد الفساد ولم يكن بد من إطعامه هؤلاء فأمر بإطعامهم انتهى وقد لزمها قيمة الشاة بإتلافها ووقع هذا تصدقا۔

رواه ابو داؤد والبیهقی فی دلائل النبوة متعلق بروی المقدر فتدبر، اهـ[1]

وفی شرح الشیخ عبدالحق الدهلوی قال گفت آن مرد از انصار خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی جنازة بیرون آمدیم ما همراه آنحضرت ﷺ از برائے نماز جنازه فرأیتُ رسولَ اللهِ ﷺ وهو علی القبرِ وحال آنکه آنحضرت ﷺ نشسته است نزد قبر که مے کند یُوصِي الحافرَ؛ وصیت مے کند آنحضرت ﷺ قبر کننده را یقولُ: مے گوید أَوْسِعْ من قِبَلِ رِجْلَیهِ، فراخ کن قبر را از جانب پائے ہائے میت أَوْسِعْ من قِبَلِ رأسِهِ، وفراخ کن از جانب سروے فلما رجع استقبله داعِي امرأتِهِ، پس چون برگشت آنحضرت ﷺ یعنی از دفنِ میت پیش آمد آنحضرت ﷺ را دعوت کننده بالطعامِ از جانبِ زنِ آن میت فأجاب پس اجابت کرد آنحضرت ﷺ وقبولِ دعوتِ اوراو رفت بخانهٔ او ونحن معه وبآنحضرت بودیم ﷺ یعنی مانیز رفتیم وطفیلی آنحضرت ﷺ شدیم باآنحضرت ﷺ راباجماعت دعوت کرده بود فجيء بالطعامِ آورده شده طعام فوضع یدَه، پس نهاد آنحضرت ﷺ دست مبارک خود را یعنی برائے خوردنِ بعام ثم وضع القومُ پستر نهادند قوم

[1] (مرقاة ص ۴۸۲ ج ۵ شرح مشکوة)

دستہائے خود را فأكلوا، پس خوردند قوم بعام فنظَرْنا إلى رسولِ اللهِ ﷺ يَلُوكُ لقمةً في فِيهِ، پس نگاہ کردیم ماجانب آنحضرت ﷺ راکہ مے خاید لقمہ راومے گرداند آن رادر دہن مبارک خود وفرو نمی برد ثم قال: پس گفت آنحضرت ﷺ أَجِدُ لَحمَ شاةٍ أُخِذَتْ بغيرِ إذنِ أهلِها، الخ۔ مے یابم من این گوشت را گوشت گوسفندی کہ گرفتہ شدہ است بے دستوری بے رضائے صاحبِ گوسفند، آہ۔[1]

قال في البزازية يكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى المقبرة في المواسم واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص اھ قال البرهان الحلبي ولا يخلو عن نظر لأنه لا دليل على الكراهة إلا حديث جرير المتقدم وهو ما رواه الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحيح۔ عن جرير بن عبد الله كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اھ يعني وهو فعل الجاهلية إنما يدل على كراهة ذلك عند الموت فقط على أنه قد عارضه ما رواه الإمام أحمد أيضا بسند صحيح وأبو داود عن عاصم بن كليب عن أبيه عن رجل من الأنصار قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة فلما رجع استقبله داعي امرأته فجاء وجيء بالطعام فوضع يده ووضع القوم فأكلوا۔ الخ۔ كما قلنا من قبل فی حديث كليب وشرحه للمرقاة فليراجعه۔

فصل فی التصدق للمیت من یوم الاول الی سبعة ایام

وقال المحدث الدهلوی علیہ الرحمۃ والمستحب ان یتصدق عن المیت بعد ذهابه من الدنیا الی سبعة ایام والتصدق الیٰ سبعة ایام ینفع بلاخلاف بین اهل العلم وردفی هذا الباب الاحادیث الصحیحة۔ وقال بعض العلماء لاتصل الی المیت الاالصدقة والدعاء ص ۶۳۴ شیخ ج ۱۔ فعلم من هذه الاحادیث والعبارات ان اتخاذ الطعام للفقراء بنیة التصدیق لاللسمعة والریاء امر مندوب الیه۔

وبعد از وفات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سوئم یا تیجہ کردہ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ میگوید روز سوم کثرت ہجوم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حساب بست ہشتاد و یک کلام اللہ بشمار آمدہ وزیادہ ہم شدہ باشد و کلمہ را حصر نیست۔[2]

قال ابو داؤد اصنعوا الآل جعفر طعاما الخ۔ واختلفوا فی اکل غیر المصیبت ذلک الطعام قال ابو القاسم علیہ الرحمۃ لابأس لمن کان مشغولاً بجهاز المیت کذا وصایا جامع الفقه۔ ج ۲ ۱ ص ۴۴۷۔ حاشیة ۵ ابو داؤد ج ۲۔ قال صاحب بذل المجهود واصطناع اهل المیت لاجل احتمال الناس علیه بدعة مکروهة بل صح عن جریر علیہ الرحمۃ کنا نعده من النیاحة وهو ظاهر ففی التحریم قال الغزالی ویکره الاکل منه قلت وهذا اذا لم یکن من مال الیتیم او الغائب

---

[1] (لمعات ص ۳۲۵۔ مطبع قدیم ج ۴)

[2] (ملفوظاتِ عزیزی ص ۵۵)

والافهو حرام بلاخلاف ۔ انتهی ۔ قال القاری ۔ اھ ۔ ص ۱۸۹ ج ۴ ۔ بذل المجهود ۔ قال ابو داؤد استقبله داعی امرأة قال صاحب بذل المجهود شارحه هكذا فی جمیع نسخ ابو داؤد الموجودة عندی من المكتوبة والمطبوعة وفی نسخ مشكوة المصابیح داعی امراته وفی شرح القاری ای زوجة المتوفی فعلی نسخة المشكوة وشرحه اشكال من جهة ان فقهائنا صرحوا بانه لایحل الضیافة من اهل البیت لانها شرعت فی السرور لافی الشرور وقبول الضیافة من رسول الله ﷺ یدل علی جوازها فیمكن ان یجاب عنها لو كانت فی نسخة المصابیح صحیحا ان هذه القصة وقعت قبل النهی عنها ویمكن ان یحمل علی بیان الجواز فانها من اهل المیت لیست بحرمة بل مكروه فلعله فعله رسول الله ﷺ لبیان الجواز ۔ اھ ۔ قوله فوضع یده ۔ اھ ۔ قال الشیخ ولی الله الدهلوی رحمة الله علیه هذا الحدیث یدل علی انه یجوز للضیف ان یتناول من بیت المصائب موت قریبه وفیه رد علی مااشتهر فی زماننا هذا علی السنة الناس ۔ حاشیة ۳ ص ۱۱۷ ۔ ابو داؤد طبع مجیدی و نور محمد ۔

بسم الله الرحمٰن الرحیم

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال النبی ﷺ ما المیت فی قبره الا شبه الغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من اب و ام او ولد او صدیق ثقة كانت للمیت خیرا من الدنیا و مافیها و ان هدیة الاحیاء الی الاموات الاستغفار لهم ۔ اھ ۔ مختصرا ۔

واخرج الشیخان عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان رجلا قال یارسول الله ﷺ ان امی ماتت بغتة ولم توص أفلها اجر ان تصدقت عنها قال نعم ۔ اھ ۔ عن سعد بن عبادة قال جئت إلی رسول الله صلی الله علیه و سلم فقلت توفیت أمي ولم توص ولم تتصدق فهل یقبل إن تصدقت عنها قال نعم قال فهل ینفعها ذلک قال نعم ولو بكراع شاة محترق ۔ [1]

واخرج ایضاً عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما وقال قال رسول الله ﷺ اذا تصدق احدكم بصدقة تطوعا فیجعلها عن ابویه فیكون لهما اجرها ولا ینقص من اجره شیئا ۔ اھ ۔ واخرج الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی الله تعالیٰ عنه سمعت رسول الله ﷺ ما من أهل بیت یموت منهم میت فیتصدقون عنه بعد موته إلا أهداها له جبریل علیه السلام علی طبق من نور ، ثم یقف علی شفیر القبر فیقول : یا صاحب القبر العمیق ، هذه هدیة أهداها إلیک أهلک فاقبلها ، فیدخل علیه فیفرح بها ویستبشر ، ویحزن جیرانه الذین لا یهدی إلیهم شيء " اھ ۔ واخرج ابن ابی شیبة عن سعید بن ابی سعید قال لو تصدق عن المیت بكراع لتبعه ۔ اھ ۔

فصل ۸ فی العقر فی الاسلام

واما قول علیه الصلوة والسلام فی العقر وقال علیه الصلوة والسلام لاعقر فی الاسلام وهو الذی كان یعقر عند القبر بقرة او شاة ۔ اھ ۔

قال ابن الأثیر: هذا نفي للعادة الجاهلیة وتحذیر منها كانوا في الجاهلیة یعقرون الإبل أي ینحرونها علی قبور الموتی ویقولون صاحب القبر كان یعقرها للأضیاف في حیاته فیكافأ بصنیعه بعد موته ۔ [1]

---

[1] (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۲۷۷)

اقول فان کان العقر یعنی ذبح الابل والبقر والغنم علی قبر المیت من جانب اولیاء المیت بطریق الصدقة لروح المیت لا للریاء والمکافاة فما وجه منع لجوازہ۔

فصل ۹ فی الجریدة والبقرة ینفع للمیت

والجریدة ینفع للمیت کما فی حدیث الجریدة للمعذبین بالنمیمة فما وجہ لعدم النفع بذبح البقرة ایصالاً لثواب الصدقة لروح المیت وجزء من لحم الشاة کما ذکرنا فی الحدیث ینفع للمیت فلأی دلیل لاینفع الشاة لروح المیت۔

فصل ۱۰ فی ان المیت کالغریق المتغوث

لان الْمَيّتُ كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوّثِ، يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ کما ذکر فی الحدیث قال قال رسول اللہ ﷺ مَا الْمَيّتُ فِي الْقَبْرِ إِلّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوّثِ، يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ، فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَتْ أَحَبّ إِلَيْهِ مِنَ الدّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَإِنّ اللهَ عَزّ وَجَلّ لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، وَإِنّ هَدِيّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ" (رواہ البیهقی فی شعب الایمان) قال النبی ﷺ لما اصیب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لاهله اصنعوا لاهله طعاما فانهم فی شغل السبت نهیت یارسول اللہ ﷺ عن ذلک قال انما نهیتکم عن الریاء والسمعة۔اھ۔

فصل ۱۱ فی ان یوم عید ویوم جمعة ویوم عاشوراء ولیلة شعبان یأتی ارواح الاموات

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما یقول اذا کان یوم عید او یوم جمعة او یوم عاشوراء او لیلة نصف شعبان یأتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتهم فیقولون هل من احد یذکرنا هل من احد یرحم علینا هل من احد یذکر غربتنا یامن سکنتم بیوتنا ویامن اقمتم فی اوسع قصورنا ونحن اضیق قبورنا ویامن استدللتم ایتامنا ویامن نکحتم نساءنا من احد یتفکر غربتنا وفقرنا کتبنا مطویة وکتبکم منشورة۔اھ۔

فصل ۱۲ : فی الدعاء یرد البلاء والصدقة تطفئ غضب الرب

وعن سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال علیه الصلوٰة والسلام الدعاء یرد البلاء والصَّدقةُ تُطفِئُ غضبَ الرَّبِّ واخرج الطبرانی عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ إن الصدقةَ لتُطْفِئُ عن أهلِها حرَّ القبورَ ای حرارتها۔اھ۔ قال النبی ﷺ لایأتی لیلة اشد من اول لیلة فارحموا علی موتاکم بشئی من الصدقة۔اھ۔ وماقال البرکوی صاحب الطریقة المحمدیة فی طریقته الوصیة باتخاذ الطعام والضیافة یوم موته او بعده بدعة۔

---

[1] (فیض القدیر ص ۵۶۳ وطحطاوی ص ۳۳۹)

فصل ۱۳: فی التعزیۃ یطعمون الذین یحضرون جاز من الثلث

فاقول قال صاحب بریقۃ محمودیۃ قال فی فتاویٰ السراجیۃ اذا وصیٰ بان یتخذ طعاما بعدو فاتہ ویطعمون الذین یحضرون للتعزیہ جاز من الثلث۔انتہی۔وقال ایضاً عن الخانیۃ ولو اوصیٰ باتخاذ الطعام للماتم بعدو فاتہ ویطعم الذین یحضرون التعزیۃ قال ابو جعفر یجوز ذلک من الثلث ویحل للذین یطول مقامھم عندہ وللذین یجیئ من مکان بعید فیستوی فیہ الاغنیاء والفقراء ولا یجوز للذی لا یطول مسافتہ ولا مقامہ اذا کانوا اغنیا وفی فصول العماد نقلہ عن عینۃ اذا مات الرجل وترکہ ورثۃ صغار أو کبار أیسع للکبار ان یأکلوا وان اطعموا احداً او اھدوا الیہ یسعہ ان یأکل۔اھ۔ فصول عمادی۔

فصل ۱۴: یجوز ان یأکل من بیت المیت لسبعۃ نفر

وقال فی انواع الفتاویٰ یجوز ان یأکل من بیت المیت لسبعۃ نفر غاسل المیت وحامل الجنازۃ وحافر القبر والامام والمؤذن والعالم والطلبۃ۔اھ۔

و در ذخیرہ آوردہ است بطعامیکہ خلف جنازہ بردارند خوردن آن حلال است زیرا کہ اہل مصیبت برائے حامل جنازہ بطعام بردارند پس خوردن حلال است و در ملتقط آوردہ است کہ اہل مصیبت اگر بطعام بردارند خلف جنازہ خوردن او حلال است برائے عموم البلویٰ۔اھ۔

(الإصابۃ لمولوی نور الدین بن محمد وزیر)

(۴) باب نمبر چار: حدائق الحق لمن اراد اتباع الحق

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ الذی من علی المؤحدین المؤمنین بجعل المامور بہ علی نوعین وزین قلوب العلماء بنور العرفان والصلاۃ والسلام علی خیر الوریٰ ورسول الثقلین سیدنا محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ط اما بعد:

المقدمۃ

ا۔ وقت سے متعلق مامور بہ مقید وقت کے ساتھ۔ وقت سے متعلق مامور بہ وہ ہے جس میں مامور بہ ایک خاص وقت سے مقید نہ ہو۔ بلکہ جب بھی ادا کریں تو مامور بہ ادا ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال میں صاحبِ حسامی نے زکوٰۃ اور صدقہ فطر اور عشر، کفارات، رمضان کی قضاء اور نذر مطلق شمار کی ہے۔[1]

علماء شریعت میں سے جس کا اجتہاد کتاب اللّٰہ اور سنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مشہورہ کے خلاف ہو یا کتاب اللّٰہ اور سنت مشہورہ کے خلاف سنتِ غریبہ پر عمل کرنا ہو تو مردود اور باطل ہے، اور بالکل عذر ہے ہی نہیں۔[2]

دوسری قسم کی مثال نوافل ہیں اور نوافل کا حکم یہ ہے کہ ان کے کرنے پر کرنے والے کو ثواب دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت کرنا سبب ثواب ہے۔[3]

اس لئے کسی کو بھی جائز نہیں کہ اس کو ناجائز یا بدعت وحرام کہے۔

اسی طرح اپنی رائے سے تفسیر کرنا ممنوع ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے قرآن کے اندر اپنی عقل سے کچھ کہا اسے چاہیئے اپنا ٹھکانہ آگ میں تلاش کرے اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کچھ کہا اسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ (ترمذی)[4]

---

[1] (حسامی مع نامی، ص ۷۱)

[2] (حسامی مع نامی، ص ۳۱۱)

[3] (حسامی مع نامی، ص ۱۲۴)

[4] (مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۷۹، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فقد أخطأ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ وَأَبُو دَاوُد)

اور حضرت جندب راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہااور وہ حقیقت وواقع کے مطابق بھی ہو تواس نے تب بھی غلطی کی۔[1]

اس لئے ہم پر لازم ہے کہ اپنے خواہشات سے مکمل پرہیز کر کے خلاف دلائل شریعت سے نہ کہی اور قواعد دین کی مکمل اتباع کریں تاکہ عذاب آخرت سے محفوظ رہیں لہٰذا اس سلسلہ میں عصامی کی تحقیق بھی سن لیجیۓ۔

عصام شرح بیضاوی میں ہے کہ:

استقباح ما جعل اللہ مندو با ایضا کفر۔

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیاہو اس کا قبیح گردانا بھی کفر ہے۔[2]

لہٰذا احتیاط ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: "إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ: عَالِمٌ لَا ينْتَفع بِعِلْمِهِ". رَوَاهُ الدَّارِمِيّ۔

ترجمہ: صاحب مشکوٰۃ نے دارمی سے نقل کیاہے، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک مرتبہ میں سب سے بدتر وہ عالم ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا۔[3]

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «من سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُد وَالتِّرْمِذِيّ۔

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی گئی جو اسے معلوم تھی مگر اس نے چھپائی (یعنی بتائی نہیں) تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی، اھ۔

اور کہا کہ اس کی روایت احمد، ابو داوٗد اور ترمذی نے کی ہے اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیاہے۔[4]

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۹، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] (بیضاوی درسی، حاشیہ نمبر ۸)

[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۸۹، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[4] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۷۷، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

علماء کرام کی خصوصی توجہ کے لئے ضروری بات

السکوت عن الحق

ان السکوت عن الحق حرام قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم الساکت عن الحق شیطان اخرس کذا فی الاسرار۔[1]

اور تلویح میں ہے:

فَإِنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ أَنْ يُبَيِّنَ مَذْهَبَهُ وَ مَاهُوَ حَقٌّ عِنْدَهُ لِئَلَّا يَكُونُ شَيْطَانًا أَخْرَس بِسُكُوتِهِ عَنْ الْحَقِّ۔

یعنی حق سے خاموشی حرام ہے اور حق سے خاموشی اختیار کرنے والا گونگا شیطان ہے۔ پس اپنا مذہب اور جو اس کے ہاں حق ہو وہ اس پر واجب ہے کہ بیان کرے۔[2]

اور مندرجہ بالا نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ دعا ہے اللہ پاک حق بیان کرنے کی توفیق دے، آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحث اول: نیک اعمال میں سبقت حاصل کرنا مطلوب شرعًا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (البقرة ۴۸)

ترجمہ: تو یہ چاہو کہ نیکیوں میں اوروں سے آگے نکل جائیں۔

اور

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ (المائدة ۴۸)

تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو۔

فسارعوا إلى ما هو خير لكم في الدارين من العقائد الحقة و الأعمال الصالحة المندرجة في القرآن الكريم و ابتدروها انتهاز اللفرصة وإحراز الفضل السبق و التقدم، فالسابقون السابقون أولئک المقربون۔

[1] (المستصفی للامام النسفی، کتاب الصلاۃ، ج ۱، ص ۳۵۷، ص ۵۰۸، شرح النووی علی صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۰، شذرات الذهب، ج ۳، ص ۱۸۰، نور الانوار، ص ۲۱۹، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۰، باب الحث علی اکرام الجار، سنگین فتنه، ص ۹۵، اصول تکفیر جدید ایڈیشن، ص ۱۷۱، التفسیر الکاشف، ج ۵، ص ۳۲)

[2] (معدن الاصول شرح اصول الشاشی، ص ۳۵۲، طریقه محمدیه، ج ۲، ص ۸۶، شرح التلویح علی التوضیح، ج ۳، ص ۲۰)

ترجمہ: قرآن پاک میں ذکر عقائد حقہ اور نیک اعمال میں سبقت کرو یہ آپ کے لئے دونوں جہانوں میں خیر ہے۔ فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس میں جلدی کرو، سبقت اور تقدم کو حاصل کرنے کے لئے اور جو اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ اعلیٰ درجہ کے ہیں وہ خاص قرب الٰہی والے ہیں۔[1]

اعمال صالحہ میں جلدی کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام اور ذوالکفل علیہ السلام اور ذوالنون علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے ذکر کر کے فرمایا:

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (الأنبياء ٩٠)

انھم سے مراد وہ سب لوگ ہیں جن کا ذکر اسی سورت میں آچکا ہے۔[2]

أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ (المؤمنون ٦١)

ترجمہ: یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی سب سے پہلے انہیں پہنچے۔

یعنی یہ اہل ایمان واہل تقویٰ ہی نفع حاصل کرتے ہیں۔[3]

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (١٠) أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (١١) فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ (الواقعة ١٢)

ترجمہ: اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقربِ بارگاہ ہیں، چین کے باغوں میں۔

مراد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور پھر اُن کے بعد اولیاء اُمت اور متقین کاملین ہیں والسابقون یعنی اپنی طاعت وعبدیت کے لحاظ سے درجہ اول والے اے السابقون الی الخیر و السابقون الی طاعۃ اللہ۔

السابقون: یعنی اجر وصلہ اور مرتبہ اُخروی کے لحاظ سے درجہ اول والے۔

ای السابقون الی الجنۃ السابقون الی رحمۃ سبحانہ۔[4]

اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا:

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمان ٣٤)

ترجمہ: اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی۔

---

[1] (روح المعانی، ج۳، ص ۳۲۲، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت)
[2] (تفسیر ماجدی، ج ۲، ص ۶۷۲، حاشیہ ۱۲۴)
[3] (تفسیر ماجدی، ج ۲، ص ۷۰۳، حاشیہ ۵۴)
[4] (تفسیر ماجدی، ج ۲، ص ۱۰۶۸، تاج کمپنی، کراچی)

ضروری وضاحت

شرع کی مقدرات اور مفروضات کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جو زیادت اور نقصان دونوں منع کرتا ہے وہ حدود ہے۔

۲۔ وہ جو نہ زیادت منع کرتا ہے اور نہ نقصان جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا، اس میں نقصان منع نہیں کہ کل سے قبل کیا کرے گا اور زیادہ بھی منع نہیں کہ کل کے بعد کیا کرے گا، ان دونوں کا کسی کو علم نہیں اور یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے: آج کا کام کل پر مت ڈالو۔

۳۔ وہ ہے جو زیادت منع کرتا ہے مگر نقصان منع نہیں کرتا اور وہ خیار شرط ہے۔

۴۔ اور وہ ہے کہ کمی و نقصان منع کرتا ہے مگر زیادۃ منع نہیں کرتا جیسا کہ مدت سفر ہے۔(کما فی علم اصول فقه)

مغیبات خمسہ سے ہے:

عن النبی صلی اللہ علیه وسلم مفاتح الغیب خمس وتلا هذه الآیة وعن ابن عباس رضی اللہ عنهما من ادّعی علم هذه الخمسة فقد کذب۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے روایت ہے: غیب کی چابیاں پانچ ہیں، اور آپ نے اس آیت مبارکہ کو تلاوت فرمایا، اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں کہ جس نے ان پانچ مغیبات کے علم کا دعویٰ کیا تو یقیناً اس نے جھوٹ کہا۔[1]

روح المعانی کا فتویٰ

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ أي كل نفس برة كانت أو فاجرة كما يدل عليه وقوع النكرة في سياق النفي ماذا تَكْسِبُ غَداً أي في الزمان المستقبل من خير أو شر، اه۔

کوئی شخص نہیں جانتا خواہ نیک ہو یا بدکار جیسا کہ اس پر نفی کے بیان میں واقع ہونا دلیل ہے، کل کیا کرے گا؟ آنے والے وقت میں نیک عمل یا بد عمل۔[2]

یعنی یہ گارنٹی کوئی دے سکتا ہے کہ وقت موجودہ کے بعد میں زندہ ہوں گا اور مال و دولت بھی ہو گا یا نہیں؟ لہٰذا مقدر بر نیکی جلد از جلد کر لینی چاہیئے اور نیک اعمال کرنے کے لئے تاریخیں نہ دے۔

ویترک التسویف فإنه ورد: هلک المسوفون۔ قبول توبه برب کریم فعجل إن في التأخیر آفات۔

---

1 (تفسیر مدارک، ج۲، ص ۷۲۳، الناشر: دار الکلم الطیب، بیروت)

2 (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۱۰۷، الناشر: دار الکتب العلمیة - بیروت)

کیونکہ آیاہے تاخیر کرنے اور کہنے والے کو کروں گا ہلاک۔ توبہ قبول کرنا رب کریم پر ہے۔ تو جلدی کر و یقیناً تاخیر میں بہت آفتیں ہیں۔[1]

هَلَکَ الْمُسَوِّفُونَ۔

تاخیر کرنے والے ہلاک ہوئے (کہ کہے یہ کام کل کروں گا۔)[2]

حضرت علامہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث بیان کی ہے اس میں ہے:

يا علي لا تكونن فتانا ولا مختالا ولا تاجرا إلا تاجر خير فإن أولئک مسوفون في العمل۔

رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اے علی بہت فتنہ میں ڈالنے والے اور نہ تکبر کرنے والے اور نہ تجارت کرنے والے، بغیر خیر تجارت کرنے والے مت بنو اس لئے کہ بے شک یہ لوگ عمل کرنے میں تاخیر کرنے والے ہیں۔[3]

هلک المسوفون۔

تاخیر کرنے والے ہلاک ہوئے۔[4]

بحث الامل: یہ آفات دل سے دسویں آفت ہے۔ (تفصیل وہاں ملاحظہ ہو۔)[5]

وروي عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي أنه قال: "هلک المسوفون"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فریا تاخیر کرنے والے ہلاک ہوئے، جو کہتے ہیں ہم توبہ کرلیں گے۔[6]

مذکورہ کی طرح سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی نے بھی بحث توبہ میں ذکر کی ہے۔[7]

قاعدہ شرعیہ

اذا العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

---

[1] (روح البیان، ج۴، ص۱۱۷، دار النشر/دار إحیاء التراث العربی)

[2] (احیاء العلوم، ج۲، ص۲۰، نورانی کتب خانہ، پشاور)

[3] (مسند امام احمد بن حنبل، ج۷، ص۲۹۷)

[4] (بریقۃ شرح طریقۃ محمدیۃ، ج۲، ص۳۱۱)

[5] (مختصر منہاج القاصدین، ج۱، ص۲۶۷، فصل فی الدواء التوبۃ، طریقۃ علاج دل وعقد، دار البیان، دمشق لنجم الدین المدسی المتوفی ۶۹۲ھ)

[6] (الغنیۃ لطالبي طریق الحق عز وجل، ص ۱۸۹ فصل فی شروط التوبۃ وکیفیتھا، دار الفکر، بیروت، تنبیہ الغافلین لابی اللیث ثمرقندی حنفی، ص ۵۲، دار الفکر بیروت)

[7] (غنیۃ الطالبین، ص ۱۸۹)

یعنی اعتبار لفظ کے عموم کے لئے ہے۔ خصوص سب کے لئے معتبر نہیں ہے۔[1]

اذا العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

اعتبار تعمیم لفظ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ سبب کی تخصیص کے لئے۔[2]

انا بینا فی اصول الفقه أن العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

ہم نے اصول فقہ میں بیان کی ہے کہ اعتبار عموم لفظ کے لئے ہے نہ کہ سبب کے خاص ہونے کے لئے ہے۔[3]

و انما الحکم عندنا لعموم اللفظ۔

ہمارے ہاں حکم صرف لفظ کے عموم کے لئے ہوتا ہے۔[4]

شان رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى (٣) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (النجم ۴)

خلاصہ تفسیر: اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں (جیسا تم لوگ کہتے ہو) افتراء بلکہ ان کا ارشاد تیری وحی سے ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے، (خواہ الفاظ کی بھی وحی ہو) جو قرآن کہلاتا ہے۔ خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے اور خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدہ کلیہ کی وحی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں، پس اس سے نفی اجتہاد کی نہیں۔[5]

بحث دوم: شعب تقویٰ میں جلدی اور دوڑنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بہ ہے

اللہ تعالیٰ کا فرمان اور حکم ہے:

وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (١٣٣) الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (آل عمران ۱۳۴)

ترجمہ: اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان وزمین آ جائیں پرہیزگاروں کے لیے تیار رکھی ہے۔ وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں (یعنی ہر حال میں خرچ کرتے ہیں)۔

بادروا وسابقوا، وقرئ بالأخير إلى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ أي أسبابهما من الأعمال الصالحة۔

---

[1] (الفتاویٰ الحدیثه، لابن حجر الهیتمی المکی، میر کتب خانه کراچی، ص ۲۸۸)

[2] (روح المعانی، ج۸، ص ۱۹، مکتبه امدادیه، ملتان)

[3] (تفسیر کبیر للامام رازی، ج۴، ص ۲۰۱، الطبع الثانی مطبعة ۱۳۳۴ھ)

[4] (احکام القرآن للجصاص، ج۲، ص ۴۰۸، تفسیر مظهری، ج۳، ص ۳۴۱، بلوچستان بک ڈپو)

[5] (معارف، ج۸، ص ۱۸۹)

دوڑو اور سبقت کرو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کو یعنی ان دونوں اسباب میں جو اعمال نیک ہیں۔[1]

أَيْ سَارِعُوا إِلَى مَا يُوجِبُ الْمَغْفِرَةَ وهي الطاعة, وَالْآيَةُ عَامَّةٌ في الجميع, ومعناها معني اسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔[2]

جیسا کہ صاحب روح المعانی نے فرمایا:

والظاهر العموم ويدخل فيه سائر الأنواع۔[3]

وَهَذِهِ الْآيَةَ كَقَوْلِهِ فِي سُورَةِ الْحَدِيد "سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَة مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّة عَرْضهَا كَعَرْضِ السَّمَاء وَالْأَرْض" الْآيَة۔[4]

یعنی ان طاعات و عبادات کی طرف دوڑو جو مغفرت لازم کرتی ہیں۔ اور آیت سب معنی منقول کو عام ہے، اور اس کا معنی فاستبقوا الخيرات کا معنی ہے نیکی میں سبقت کرو۔

آیت عام ہے اس میں سب اقسام نیکیوں کی داخل ہیں اور یہ آیات سورۃ الحدید کی آیات سَابِقُوا اپنے رب کی مغفرت اور جنت کو سبقت کرو کی طرح ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ ایسے لوگ (ہیں) جو کہ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں (ہر حال میں) فراغت میں (بھی) اور تنگی میں بھی۔[5]

سراء و ضراء سے مراد کیا ہے؟

مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح والتحمید والتھلیل والتکبیر الفصل الثانی فی حدیث ۵ عن ابن عباس میں سراء و القراء آیا ہے ۱۰ نمبر حاشیہ پر ہے:

ابن عباس في السراء والضراء في حالة الرخاء والشدة, أو الأحوالِ كلها؛ إذ الإنسان لا يخلو عن مسرة أو مضرة, والمقابل للسرور الحزن, وللضر النفع, وفي إيقاع التقابل بين السراء والضراء مزيد التعميم والإحاطة لشمول نقيضهما, كأنه قال: في السرور والحزن والضر والنفع؛ لأن ذكر كلٍّ يقتضي ذكر مقابله, فتضمَّن ذكرَ الكل مع الاختصار, وهذا طريق في البيان يسلكه الفصحاء, وله نظائر۔

ترجمہ: خوشی میں اور سختی، بدحالی میں، جان و مال کے نقصان میں، یعنی خوشی کی حالت اور سختی کی حالت میں اور سارے حالات میں کیونکہ آدمی خوشی، عیش اور سختی اور نقصان سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ سر آء خوشی عیش کے مقابل غم ہے اور سختی

---

[1] (روح المعانی، ج۲، ص ۲۷۱، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

[2] (تفسیر قرطبی، ج۴، ص ۲۰۳)

[3] (روح المعانی، ج۴، ص ۵۶)

[4] (تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص ۴۰۴)

[5] (خلاصۂ تفسیر معارف القرآن، ج۲، ص ۱۸۴)

وبدحالی کے مقابل نفع فائدہ ہے (اور اپنی ضد سے پہچانا جاتا ہے) اور سراء وضراء کو مقابل کرنے میں زیادہ تعمیم ہے اور اپنے عکس و مخالف شامل کرنے کے احاطہ کے لئے ہے گویا ایسا کہا کہ خوشی عیش کی حالت اور غم اور فائدہ اور نقصان میں اس لئے کہ ہر ایک کا ذکر اپنے مدمقابل کا ذکر کرنے کا تقاضا کرتا ہے تو اس میں اختصار کے ساتھ سب کا ذکر ہے اور بیان ہے۔ اور عربی بیان کا طریقہ فصیح لوگ اس کو چلاتے یعنی اس طرح بیان کرتے ہیں اور اس کی بہت نظائر اور امثال ہیں۔ (لمعات)[1]

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حالت غم میں صدقات کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت تیار کی ہے۔ بعض مفسرین کے تفسیری بیان سے پہلے یہ وضاحت کرنا مطلوب ہے کہ بعض شرک اور بدعات پھیلانے والے کہتے ہیں کہ مردہ کے گھر میں دھواں حرام ہے۔ مگر دونوں جملوں میں گھر سے کون ساگھر مراد ہے اور دھویں سے کون سا دھواں مراد ہے۔

فوت شدہ کا گھر

جس گھر میں مردہ فوت ہوا وہ گھر مردہ کا گھر باقی نہ رہا وہ اس میں رہنے والے زندہ افراد کا گھر ہے، مردہ کا گھر قبر ہی ہے۔

ملاحظہ ہو:

ای الصلوٰۃ فی البیوت کانہ قال لا تکونوا کالموتی الذین لا یصلون فی بیوتھم وھی القبور۔

یعنی گھروں میں نماز ادا کرو گویا یہ کہا کہ مردوں کی طرح نہ بنو جو کہ اپنے گھروں میں نماز ادا نہیں کرتے اور وہ قبور ہی ہیں۔ (یعنی مردوں کے گھر قبور ہی ہیں۔)[2]

نیز اس پر دلیل حدیث بریدہ ہے جس میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب قبرستانوں کو جائے اس طرح ان کو سلام کرو: السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین۔

مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور فصل اول اور فصل ثالث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بقیع کو جاتے تو کہتے السلام علیکم دار قوم مومنین، اھ۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم مسلمانوں کو سکھایا کرتے تھے کہ وہ جب قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں: سلامتی ہو تم پر اے گھر والے مؤمنین ومسلمین۔

---

[1] (لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۰۱، لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۵، ص ۱۳۴، رقم الحدیث: ۲۳۰۸، مکتبہ علوم اسلامیہ، لاھور)

[2] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۶۲، حاشیہ ۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بقیع تشریف لے جاتے وہاں کہتے سلامتی ہو تم پر اے مومنوں کے دار والے، اھ۔

اور مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ نزال بن سیرہ نے فرمایا کہ جب کہ آپ مجھے میری قبر میں داخل کریں تو کہیں: اللھم بارک فی ھذا البیت۔ اے اللہ تعالیٰ اس گھر میں برکت فرما۔[1]

الغرض کئی احادیث سے ثابت ہے کہ میت کا گھر قبر ہی ہے اور قبر میں کوئی دھواں کرتے ہیں اور کھانا پکاتے ہیں یہ صرف اہل ضلال کا مکر ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرتے رہے ہیں۔ جب ایک مسلمان فوت ہو جائے تو اگر اس کا کچھ ترکہ ہو تو سب سے پہلے اس سے اس کا تجہیز و تکفین کرے۔ تجہیز و تکفین کے بعد اگر کچھ مال باقی ہو اور اس پر قرض ہو تو وہ مال قرض میں ادا کیا جائے گا۔ اور اگر قرض نہ ہو یا قرض ادا کرنے کے بعد کچھ باقی ہو اور مردہ نے وصیت کی ہو تو ایک تہائی تک اس سے وصیت کا مال نکالا جائے گا اور اگر وصیت نہ کی ہو یا وصیت ادا کرنے کے بعد مال و دولت باقی ہو تو وہ حق ورثاء ہے، اس میں حاضر، غائب اور چھوٹے بڑے سب شریعت کے مطابق اپنا اپنا حصہ لیں گے۔ مال مشترکہ سے کچھ خیرات وغیرہ کرنے کی تحقیق آئندہ اوراق میں آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور غمزدوں کے لئے عبادت اور نیکی کرنا سبب ہے رفع درجات، کثرت ثواب اور دخول جنت کا ذریعہ نہ کہ گناہ اور بدعت و حرام ہے جس کا بیان فی اسراء و ضراء مذکور ہوا۔

ثُمَّ ذَكَرَ تَعَالَى صِفَةَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَقَالَ " الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ " أَيْ فِي الشِّدَّةِ وَالرَّخَاءِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَالصِّحَّةِ وَالْمَرَضِ۔ وَفِي جَمِيعِ الْأَحْوَالِ كَمَا قَالَ "الَّذِينَ يُنْفِقُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً" وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ لَا يَشْغَلُهُمْ أَمْرٌ عَنْ طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَالْإِنْفَاقِ فِي مَرَاضِيهِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى خَلْقِهِ، اھ۔

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی صفت بیان کی تو فرمایا کہ اہل جنت وہ لوگ ہیں کہ خوشی اور سختی، بدحالی میں مال خرچ کرتے ہیں یعنی شدت اور رخاء پسندیدہ اور ناپسندیدہ، صحت اور مرض میں اور سب حالات میں مال خرچ کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا کہ وہ لوگ جو شب پوشیدہ اور اعلانیہ مال خرچ کرتے ہیں معنی ہے کہ ان کو کوئی امر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مشغول نہیں کرتے نہ آپ کے مراض میں انفاق سے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے احسان کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔[2]

(فی السراء والضراء) فی حالتی الرخاء والشدة والیسر والعسر او فی احوال کلها اذا الانسان لا یخلو عن مسرة او مضرة أی لا یخلون فی حال ما بانفاق ما قدروا علیه من قلیل او کثیر، اھ۔

---

[1] (مصنف عبد الرزاق، ج۳، ص۴۹۷، مجلس علمی، کراچی)

[2] (تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۴۰۴، امجد اکیڈمی، لاہور)

ترجمہ: خوشی، بدحالی، خوشی، عیش اور سختی وقحط دونوں حالوں میں اور آسانی ودشواری یاسب حالات میں انفاق کرنا نہیں چھوڑتا اس لئے کہ انسان مسرۃ اور مضرۃ سے خالی نہیں ہوتا، اس لئے کسی بھی حال میں مقدور بھر تھوڑا ہو کہ زیادہ ہو انفاق نہیں کرتا ہے۔ نیکی میں مال کو صرف کرتا ہے۔[1]

اور تفسیر روح المعانی، ج۴، ص ۵۸ میں مذکورہ تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انگور کا ایک دانہ تصدق کیا اور حدیث میں: اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، اگرچہ کھجور کے ایک حصہ سے ہو۔[2]

اور تفسیر خازن میں ہے کہ دونوں حالتوں میں مال خرچ کرنا نہیں چھوڑتے نہ مالداری اور غنی میں نہ فقیری اور محتاجی میں، نہ خوشی میں اور نہ سختی میں اور نہ خوشحالی اور سرور کی حالت میں اور محنت اور بلا کی حالت میں خواہ کہ کوئی شادی میں ہو یا کہ قید میں ہو، ہر حال میں وہ احسان کرنا نہیں چھوڑتا۔[3]

اس طرح اس آیت کریمہ کہ:

قَالَ تعالیٰ: الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً (البقرۃ ۲۷۴) قيل: إن الآية عامة في الذين ينفقون أموالهم في جميع الأوقات، اھ۔

کہا گیا ہے کہ آیت ان لوگوں میں عام ہے جو اپنے اموال کو سب وقتوں میں خرچ کرتے ہیں۔[4]

لِأَنَّ الْمَوْتَ لَا يَمْنَعُ التَقَرُّبَ عَنِ الْمَيِّتِ۔

یعنی مردہ کی طرف سے وفات عبادات کو منع نہیں کرتی۔[5]

بحث سوم

أَنَّ الْأَدِلَّةَ السَّمْعِيَّةَ أَرْبَعَةٌ: الْأَوَّلُ قَطْعِيُّ الثُّبُوتِ وَالدَّلَالَةِ كَنُصُوصِ الْقُرْآنِ الْمُفَسَّرَةِ أَوْ الْمُحْكَمَةِ وَالسُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ الَّتِي مَفْهُومُهَا قَطْعِيٌّ، الثَّانِي قَطْعِيُّ الثُّبُوتِ ظَنِّيُّ الدَّلَالَةِ كَالْآيَاتِ الْمُؤَوَّلَةِ، الثَّالِثُ عَكْسُهُ كَأَخْبَارِ الْآحَادِ الَّتِي مَفْهُومُهَا قَطْعِيٌّ، الرَّابِعُ ظَنِّيُّهُمَا كَأَخْبَارِ الْآحَادِ الَّتِي مَفْهُومُهَا ظَنِّيٌّ، فَبِالْأَوَّلِ يَثْبُتُ الْفَرْضُ وَالْحَرَامُ، وَبِالثَّانِي وَالثَّالِثِ الْوَاجِبُ وَكَرَاهَةُ التَّحْرِيمِ، وَبِالرَّابِعِ السُّنَّةُ وَالْمُسْتَحَبُّ۔

---

[1] (تفسیر ابوسعد، ج۲، ص ۲۹۶، تفسیر کبیر، ج۲، ص ۲۹۶، مطبع حسینیہ، مصری)

[2] (روح المعانی، ج۴، ص ۱۰۰، تفسیر کبیر، ج۳، ص ۵۲، مطبوعہ حسینیہ مصری)

[3] (تفسیر خازن، ج۲، ص ۳۵۲)

[4] (تفسیر خازن، ج ۱، ص ۲۴۹، بیروت)

[5] (ردالمحتار، ج۵، ص ۲۲۹)

سنے ہوئے دلائل چار ہیں: پہلا یہ کہ اس کا ثبوت بھی قطعی اور دلالت بھی قطعی ہو جیسے قرآن مجید کی تفسیر، آیات اور محکم آیات اور وہ متواتر حدیث جس کا مفہوم قطعی ہو۔ دوسری قسم وہ ہے کہ اس کا ثبوت قطعی ہو مگر دلالت ظنی ہو جیسے مؤَل آیات، اور تیسرا اس کا عکس ہے (ظني الثبوت قطعي الدلالت) وہ اخبار احاد جن کا مفہوم قطعی ہو۔ اور چہارم وہ جن کا ثبوت بھی ظنی ہو اور دلالت بھی ظنی ہو، جیسے وہ اخبار احاد جن کا مفہوم ظنی ہو۔ تو قسم اول سے فرض اور حرام ثابت ہوتا ہے، اور دوسرے اور تیسرے پر واجب اور کراہۃ تحریم ثابت ہوتی ہے اور چوتھے پر سنت اور استحباب ثابت ہوتا ہے۔ (شامي مصري، ج ا، ص ۷۰۔ تفصیل وہاں ملاحظہ ہو)[1]

اور کراہت حکم شرعی ہے۔ اس لئے اس کے لئے خاص دلیل ضروری ہے۔[2]

وغیرہ نہ کرنے سے کراہت ثابت نہیں ہوتی۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًا بَعۡدَ إِذۡ هَدَاهُمۡ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمۡ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٌ (التوبة ۱۱۵)

ترجمہ: اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرکے گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہیے بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

أي ما يجب اتقائه من الأعمال فلم يتقوه ويستحقون الإضلال۔

یعنی جن اعمال سے بچنا اور پرہیز کرنا واجب ہو مگر وہ پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے گمراہی کا حق دار بن جائے۔ (مظہری)[4]

وَما كانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡماً أي ما يستقيم من لطف الله تعالى وأفضاله أن يصف قوما بالضلال عن طريق الحق ويذمهم ويجري عليهم أحكامه بَعۡدَ إِذۡ هَداهُمۡ للإسلام حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمۡ بالوحي صريحا أو دلالة ما يَتَّقُونَ أي ما يجب اتقاؤه من محذورات الدين فلا ينزجروا عما نهوا عنه، اھ۔

إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٌ تعليل لما سبق أي إن الله تعالى عليم بجميع الأشياء التي من جملتها حاجتهم إلى البيان فيبين لهم۔

اور اللہ تعالیٰ ایک قوم کو گمراہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بھلائی سے درست نہیں ہو سکتا کہ کسی قوم کو طریق سے گمراہی پر موصوف کرے اور ان کی مذمت کرے اور ان پر گمراہی کے احکام جاری کرے۔ اس کے بعد کہ ان کو اسلام کی

---

[1] (شامی مصری، ج ا، ص ۸۶)

[2] (شامی، ص ۴۸۳، شامی مصری، ج ا، ص ۵۲۱، ۶۱۴، شامی، ج۵، ص ۳۶، ص ۳۲۹، ص ۲۶۳)

[3] (تحریر الممتار، ج ا، ص ۱۱۴)

[4] (تفسیر مظہری، ج ۴، ص ۳۱۰)

ہدایت کر دے یہاں تک کہ ان کو وحی صراحتًا یا دلالتًا وہ چیز سے منع بیان نہ کرے جن محذورات دین سے پرہیز کرنا واجب ہو اور وہ ان سے منع نہ ہو جن سے ان کو منع فرمایا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب اشیاء پر عالم ہے اس میں سے وہ بھی ہیں جن کے بیان کی ان کو حاجت اور ضرورت ہے تو ان کو بیان کریں۔ (روح المعانی)[1]

فضیلت انفاق فی سبیل اللہ

ارشاد خداوندی ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرة ۲۶۱)

ترجمہ: ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح جس نے اوگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں، وہ سب کو یہ افزونی دے سکتے ہیں مگر ساتھ ہی جاننے والے بھی ہیں، انفاق کرنے والے کی نیت و اخلاص اور سب احوال ان کو معلوم ہیں۔)

نیک کام میں خرچ کرنا باعتبار نیت تین قسم کا ہے:

۱۔ نمائش کے ساتھ اس کا کچھ ثواب نہیں۔

۲۔ ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا (الأنعام ۱۶۰) میں اس ادنیٰ ہی کا بیان ہے۔

۳۔ زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجہ کے ساتھ اس کے لئے اس آیت میں وعدہ ہے دس سے زیادہ سات سو تک علی حسب تفاوت مراتب۔ اور سات سو کے وعدہ کے بعد اور زیادہ کا بھی وعدہ ہو گیا جس کی حد بغیر اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

بعض شرائط قبول انفاق خیر میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرة ۲۶۲)

---

[1] (روح المعانی، ج ۱۱، ص ۳۹، امدادیہ ملتان)

ترجمہ: ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح جس نے او گائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

انفاقات کے بطلانِ ثواب کے اسباب

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (البقرة ۲۶۴)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنے صدقے باطل نہ کردو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے۔(مراد اس سے بقرینہ نفی ایمان کے منافی ہے۔)

مطلب: مقصد یہ ہے بطلان ثواب من واذیٰ اور ریا سے ہوتا ہے، اس لئے ان سے اپنے آپ کو بچانا ہے تاکہ عمل برباد نہ ہو۔

اس طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے منع کرنے والوں کا اس میں خرچہ کی مذمت میں سورۃ الانفال آیت نمبر ۳۵ بیان ہوئی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا ثواب سورۃ الانفال آیت نمبر ۶۰ میں بیان ہوئی ہے۔

احوال مشترکہ منافقین

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے صدقہ کی ترغیب دی تو ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سامان لے آئے، منافقین نے کہا کہ یہ ریاکار ہے، دوسرے غریب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قلیل سامان لائے۔ منافقین نے کہا کہ یہ اس واسطے لائے ہیں کہ میرا بھی نام ہو جائے۔

اس پر آیت نازل ہوئی، جیسا کہ بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے، آیت مبارکہ یہ ہے:

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (التوبة ۷۹)

ترجمہ: یہ (منافقین) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوصًا) ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز محنت ومزدوری (کی آمدنی) کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا اور وہ بیچارے اس میں سے ہمت کرکے حاضر کردیتے ہیں ان پر زیاہ طعن کرتے ہیں یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں (یعنی مطلق طعن تو سب پر کرتے ہیں، اور

ان غریبوں سے تمسخر بھی کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کو تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دیں گے اور (ویسے مطلق طعن کا تو یہ بدلہ ملے گا) ان کے لئے (آخرت میں) ویسے مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے ہی گا کہ ان کے لئے (آخرت میں) دردناک سزا ہوگی۔

حق اور شریعت کسی کی خواہش کے تابع نہیں

اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ (المؤمنون ۷۱)

ترجمہ: اور (بفرض محال) اگر (ایسا امر واقع ہو جاتا) اور دین حق ان کے خیالات کے تابع اور موافق ہو جاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہو جاتا اور اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ) تمام آسمان اور زمین اور جو انہیں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے۔۔۔۔ بلکہ (اس سے بڑھ کر دوسرا عیب اور بھی ہے کہ حق کا اتباع جو ان ہی کے نفع کا سامان ہے اُس سے دور بھاگتے ہیں بس) ہم نے اُن کے پس اُن کی نصیحت (اور نفع) کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔[1]

یہ ارشاد بھی ہے:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (الشوریٰ ۲۱)

ترجمہ: کیا ان کے کچھ شریک (خدائی) ہے، جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی اور اگر (خدا کی طرف سے) ایک قول فیصل (ٹھہرا ہوا) نہ ہوتا تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور (آخرت میں) ان ظالموں کو ضرور دردناک عذاب ہوگا۔

ایسے لوگوں کا حکم بھی سنو:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف ۱۰۶) أي ما يؤمن أكثرهم إلا في حال إشراكهم. قال ابن عباس ومجاهد وعكرمة والشعبي وقتادة۔

ترجمہ: اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں (بیان القرآن) یعنی ان کے اکثر ایمان نہیں لاتے مگر شرک کرنے کی حالت میں۔[2]

---

[1] (معارف القرآن، ج۲، ص ۳۲۰، ۳۲۱)

[2] (روح المعانی، ج۱۳، ص ۶۶، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

باطل پرستوں کی اتباع بھی ممنوع ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ (الأنعام ۱۲۱)

ترجمہ: اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تا کہ تم سے جدا کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔ (بیان القرآن)

حدیث خبر واحد سے قرآن کریم منسوخ نہیں ہوتا

صاحب مشکوٰۃ نے دار قطنی کے حوالے سے بیان کیا ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَلَامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللهِ وَكَلَامُ اللهِ يَنْسَخُ كَلَامِي وَكَلَامُ اللهِ يَنْسَخُ بعضه بَعْضًا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا کلام کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا اور کلام اللہ میرے کلام کو منسوخ کر دیتا ہے، اور کلام اللہ کا بعض بعضوں کو منسوخ کرتا ہے۔[1]

عدالت اسلام کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے ذمہ داری

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَهُ إِلَى الْيَمِين قَالَ: «كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟» قَالَ: أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ قَالَ: «فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ؟» قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ؟» قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو قَالَ: فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ وَقَالَ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ وَأَبُو دَاوُد والدارمي۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جب ان معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (قاضی و حاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی فیصلہ پیش ہو گا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ (قرآن کریم) کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا: اگر تمہیں وہ مسئلہ (صراحتًا) کتاب اللہ میں نہ ملا؟ انہوں نے کہا پھر سنت رسول اللہ (حدیث نبوی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں بھی نہ ملا؟ انہوں نے کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا (نہ کہ اپنی خواہش سے) اور (اپنے اجتہاد و حقیقت اسی میں) کوتاہی نہیں

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۲)

کروں گا، معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا وہ راوی جنہوں نے یہ حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ سن کر اپنا دست مبارک معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ پر مارا (تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہو اور فرمایا) تمام احسن تعریفیں خدا کے لئے ہیں، جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے رسول یعنی معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو، اھ۔[1]

اور امام بیہقی نے اپنی سند سے المدخل الکبیر الی السنن الکبریٰ اور اس میں ہے:

ابو داؤد الطیالسی نے منحۃ المعبود، ج۱، ص۲۸۶، احمد فی المسند، ج۵، ص۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۲، ابو داؤد فی السنن، ج۴، ص۱۸، ترمذی نے الاحکام، ج۳، ص۶۰ اور بیہقی نے السنن، ج۱۰، ۱۱۴ اور دوسروں نے اس کی تخریج کی ہے۔ لیکن من حیث المجموع اس کی اسناد کو ضعیف کہا ہے۔[2]

یہ بھی ملاحظہ ہو:

امام ترمذی نے جامع الترمذی باب ما جاء لبس الفراء اپنی سند کے ساتھ سلمان سے حدیث بیان کی جس میں ہے کہ حلال وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے:

وَمَاسَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ۔

جس سے خاموشی اختیار کی تو وہ وہی ہے جو معاف ہے۔[3]

ابو داؤد نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی زیادتی ہے:

وَتَلَا قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ (الأنعام ۱۴۵)

یعنی جس کو نہ حلال فرمایا نہ حرام وہ اس قسم سے ہے جس کو معاف رکھا گیا ہے (یعنی اس کے استعمال کرنے کو مباح رکھا ہے۔) اس روایت کو ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اور (ترمذی نے) کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔[4]

مرقاۃ میں تفصیل موجود ہے، وہاں ملاحظہ ہو۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۲۴)

[2] (مدخل مترجم، ص ۱۸۷، معارف اسلامی، لاہور)

[3] (ترمذی، ج ۱، ص ۲۰۶)

[4] (ابو داؤد، ج ۲، ص ۱۸۳، باب مایذکر تحریمہ، مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۶۷)

مرقاۃ اور صاحب لمعات التنقیح

أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ إِبَاحَتُهَا۔

یعنی اشیاء میں اصل اباحت اور جائز ہونا ہے (تحریم اصل نہیں ہے)۔[1]

مندرجہ بالا غور سے پڑھ کر حق پرست موحد مسلمان فوت شدہ مسلمان کے لئے ان کے اہل وعیال پہلے اور دوسرے اور تیسرے دن صدقہ اور خیرات برائے ایصال ثواب کو حرام یا مکروہ یا بدعت کہنے والے نیا حکم خود سوچ لیں۔

مشترکہ ترکہ سے خرچ کرنا خیر و خیرات پر

امام بخاری شیخ الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل المتوفی ۲۵٦ھ اپنی صحیح میں رقم طراز ہیں:

مذہب مانعین کورد کرتے ہوئے مذہب احناف کی تائید کرتے ہیں۔

بَاب مَنْ بَاعَ ثِمَارَهُ أَوْ نَخْلَهُ أَوْ أَرْضَهُ أَوْ زَرْعَهُ وَقَدْ وَجَبَ فِيهِ الْعُشْرُ أَوْ الصَّدَقَةُ فَأَدَّى الزَّكَاةَ مِنْ غَيْرِهِ أَوْ بَاعَ ثِمَارَهُ وَلَمْ تَجِبْ فِيهِ الصَّدَقَةُ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيعُوا الثَّمَرَةَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا فَلَمْ يَحْظُرْ الْبَيْعَ بَعْدَ الصَّلَاحِ عَلَى أَحَدٍ وَلَمْ يَخُصَّ مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الزَّكَاةُ مِمَّنْ لَمْ تَجِبْ۔

یہ باب اس بارے میں ہے جس نے اپنا میوہ یا اپنی کھجور یا اپنی زمین یا اپنی فصل جس میں یقیناً عشر یا صدقہ واجب ہوا تھا فروخت کی اور زکوٰۃ دوسرے مال سے ادا کی یا اتنا میوہ جس پر صدقہ واجب نہیں ہوا تھا فروخت کی اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میوہ صلاحیت سے پہلے فروخت مت کرو۔ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) میوہ کی صلاح کے بعد کسی پر اس کا فروخت کرنا منع نہیں فرمایا۔ اور جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہو اس کو خاص نہیں کیا ان میں سے کہ جس پر واجب نہیں ہوا ہو۔[2]

لم يحرم النبي البيع بعد الصلاح على أحد سواء وجبت عليه الزكاة أو لا وأشار إليه بقوله ولم يخص أي النبي من وجبت عليه الزكاة ممن لم تجب عليه وبهذا رد البخاري على الشافعي في أحد قوليه إن البيع فاسد لأنه باع ما يملك وما لا يملك وهو نصيب المساكين ففسدت الصفقة وإنما ذكر قوله فلم يحظر بالفاء لأنه تفسير لما قبله۔

اس کے حاشیہ ۸ میں ہے:

میوہ کو قابل استعمال ہونے کے بعد کسی پر اس کا فروخت کرنا منع نہیں فرمایا خواہ اس پر زکوٰۃ لازم ہو یا نہ ہو۔

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۴۷، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

[2] (ص ۲۰۱، حاشیہ ۸)

اور اپنے اس قول کے ذریعے اس کو اشارہ کیا کہ خاص نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس کو جس پر صدقہ واجب نہیں ہوا اس سے جس پر واجب ہوا ہے۔

امام بخاری نے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ایک قول پر اس میں رد فرمایا کہ بیع فاسد ہے، اس لئے کہ انہوں نے اپنی ملک اور غیر ملک کو فروخت کیا وہ مسکینوں کا حصہ اور نصیب تھا تو بیع فاسد ہوئی۔ اور فلم یحظر فاء کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ یہ ماقبل تفسیر کے ہے، اھ (بخاری)[1]

مولوی عبد الہادی شاہ منصوری المتوفی ۱۴۰۷ھ رقمطراز ہیں:

قوله بعد الصلاح ای قبل اداء الزکوٰۃ قوله ولم یخص ای البیع بعد الصلاح وعند الشافعی بعد الصلاح ایضًا لا یجوز البیع لان فیه حق المساکین فیلزم بیع حق الغیر وقلنا بالجواز کما قال المصنف وحق المساکین فی ذمۃ البائع۔ فافهم وبهذا یحل کثیر من المسائل مثل ان یتصدق الرجل من المال المشترک فصدقته صحیحة لا تبطلها شرکة الشریک البتة وتلزم الصدقة فی حصة المتصدق لا الشریک۔ خذهذا۔

اور تسہیل بخاری میں ہے:

اس کا یہ کہنا کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ صلاحیت کے بعد یعنی زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے۔ اور آپ کا یہ قول کہ خاص نہیں کیا ہے یعنی صلاحیت کے بعد فروخت کرنے کو اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں صلاحیت کے بعد بھی فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں مسکینوں کا حق ہے تو اس لئے کہ اس میں غیر کے حق کا فروخت کرنا ہے اور ہم احناف جواز پر قول کرتے ہیں اور مسکینوں کا حق بائع کے ذمہ ہے وہ دے گا تو اس کو پہچان لو اور اس سے بہت مسائل کا حل نکلتا ہے۔ کہ ایک شخص مشترک مال سے تصدق کرے تو اس کا صدقہ صحیح ہے شریک کی شراکت اس کو باطل نہیں کرتی۔ البتہ صدقہ صدقہ کرنے والے کے حصہ میں لازم ہوتا ہے نہ کہ شریک کے حصہ میں۔ اس پر عمل کرو۔ (تسہیل بخاری)[2]

قال ابن بطال: عرضه الرد علی الشافعی حیث منع البیع بعد الصلاح حتی یؤدی الزکاة منها فخالف إباحة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلهٖ واصحابهٖ وسلم۔

---

[1] (عمدۃ القاری، ج ۱۴، ص ۷۷)

[2] (تسهیل البخاری، ص ۲۶، طبع جدید، ص ۲۶، فیض الباری، ج ۳، ص ۴۹، ۵۰)

ابن بطال نے فرمایا امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقصد امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر رد کرتا ہے اس حیثیت سے کہ صلاحیت کے بعد آپ فروخت کرنا منع فرمایا اس وقت سے پہلے زکوٰۃ ادا کرے تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اباحت کی مخالفت کی۔[1]

معارف القرآن کے مسئلہ کا رد

مندرجہ بالا تحقیق سے روزروشن کی طرح واضح ہوا کہ معارف کا یہ مسئلہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس میں سے مہمانوں کی خاطر تواضع اور صدقہ وخیرات کچھ جائز نہیں۔ اس طرح کے صدقہ وخیرات کرنے سے مُردے کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا بلکہ ثواب سمجھ کر دینا اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے، اس لئے کہ مورث کے مرنے کے بعد اب یہ سب مال تمام ورثاء کا حق ہے اور ان میں یتیم بھی ہوتے ہیں۔ اس مشترک مال میں سے دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کا مال چرا کر میت کے حق میں صدقہ کردیا جائے۔ پہلے مال تقسیم کردیا جائے، اس کے بعد اگر وہ وارث اپنے مال میں سے اپنی مرضی سے میت کے حق میں صدقہ وخیرات کریں تو ان کو اختیار ہے۔

تقسیم سے پہلے بھی وارثوں سے اجازت لے کر مشترک ترکہ میں سے صدقہ خیرات نہ کریں، اس لئے کہ جو اُن میں یتیم ہیں ان کی اجازت تو معتبر ہی نہیں اور جو بالغین ہیں وہ بھی ضروری نہیں کہ خوش دلی[2] سے اجازت دیں۔ ہو سکتا ہے وہ لحاظ کی وجہ سے اجازت دینے پر مجبور ہوں، اور اگر لوگوں کے طعنوں کے خوف سے کہ اپنے مردہ کے حق میں دو پیسے تک خرچ نہ کئے، اس عار سے بچنے کے لئے بادل نخواستہ ہامی بھرلے۔ حالانکہ شریعت میں صرف وہ مال حلال ہے جب کہ دینے والا طیب خاطر سے دے رہا ہو، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

یہاں ہم ایک بزرگ کا واقعہ نقل کرتے ہیں، جس سے مسئلہ اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔ یہ بزرگ[3] ایک مسلمان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھوڑی دیر مریض کے پاس بیٹھے تھے کہ اس کی روح پرواز کرگئی، اس موقع پر جو چراغ جل رہا تھا انہوں نے فوراً اسے بجھا دیا، اور اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگوایا اور روشنی کی۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا جب تک یہ شخص زندہ تھا یہ چراغ اس کی ملکیت تھی، اور اس کی روشنی استعمال کرنا درست تھا۔ اب یہ اس دنیا سے

---

[1] (شرح الکرمانی علی صحیح البخاری، ج۴، ص ۴۸۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

[2] اس کی تفصیل کتاب النکاح، باب الولی والکفوء میں ملاحظہ فرمائیں۔ کتب فقہ میں تو بطلان واضح ہو گا۔

[3] مثال برائے توضیح ومثل ہوتی ہے، جبکہ دونوں میں کوئی مطابقت ہو، مگر یہاں مثال ومثل میں کوئی مطابقت نہیں، فافھم۔

رخصت ہو گیا تو اس کی ہر چیز میں وارثوں کا حق ہو گیا، لہٰذا سب وارثوں کی اجازت ہی سے ہم یہ چراغ استعمال کر سکتے ہیں۔ اور وہ سب یہاں موجود نہیں ہیں لہٰذا اپنے پیسوں سے تیل منگا کر روشنی کی۔[1]

خلاف حدیث نبوی اور مذہب حنفی اور امام بخاری اور ابن بطال کے سراسر خلاف ہے، لہٰذا مقبول نہیں۔ اس طرح مجتہد نہیں اور اگر ہو بھی تو خلاف مذہب اس کا قول مقبول نہیں اور اس کے دعاوی بلا دلیل ہے، اس لئے حجت مقبول نہیں۔

اس طرح یہ مسلمانوں کے تعامل سلف سے لے کر آج تک کے خلاف ہے، اس لئے قابل قبول نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مردہ کی تجہیز و تکفین جلدی اور سرعت کا خلاف ہے، اس لئے قابل عمل نہیں۔ مردہ ویسے پڑا رہے گا اور غائب و نابالغ کے حضور اور بلوغ تک تقسیم نہیں ہو سکتا جس سے مردہ کا بدن ویسے ختم ہو جائے اور حاضرین ورثہ کے لئے مشکلات سے دوچار ہوں گے۔

صاحب تفسیر مظہری تحریر فرماہیں:

(مسئلة) اجمعوا علی انه اوّل حق یتعلق بالترکة تجهیز المیت ثم یؤدی دیونه من جمیع ماله ثم ینفذ وصایاه من ثلث مابقي من الترکة بعد الدین ثم یقسم مابقي بین الورثة۔

ترجمہ: اس پر اجماع منعقد ہے کہ سب سے اول ترکہ میں حق تجہیز میت ہے یعنی گور کفن اس کے بعد سب مال سے قرضہ دیا جائے گا یعنی میت کی تدفین کے بعد میت کے وصیتین کو ترکہ ۱/۳ حصہ ادا کیا جائے گا۔ قرض ادا کرنے کے بعد پھر اس کے ورثہ میں مابقیہ ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے۔[2]

(تفصیل کے لئے تفسیر مظہری ملاحظہ ہو، دلائل وہاں مذکور ہیں، بوجوہ خوف تطویل نقل نہیں کئے۔)

مظہری سے معلوم ہوا کہ معارف کا قول خلاف اجماع بھی ہے، یہ نہیں کہ مردہ گھر میں ایک طرف پڑا رہے اور ورثہ تقسیم ترکہ میں مصروف ہوں۔ اگر ورثہ میں نابالغ ہو تو اس کے بلوغ تک اور اگر کوئی غائب ہو تو اس کے حضور معاملہ ویسا ہی پڑا رہے۔ یہ دین و شریعت اور عمل اہل اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ ایک مجہول شخص کا شریعت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے خلاف عمل کو رہنما بنانا ایک عاقل کے لئے کیسا بنتا ہے۔ نیز اگر بعض شوافع نے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے لئے کوئی ازار بنایا ہو تو وہ ان کے لئے کارآمد ہو گا مگر احناف کے لئے ہر گز ہر گز کارآمد نہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ معارف القرآن میں سورۃ النساء آیت ۱۳۵ ملاحظہ ہو:

فَلَاتَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (النساء ۱۳۵)

---

[1] (معارف القرآن، ج ۲، ص ۳۱۷، ۳۱۸)

[2] (تفسیر مظهری، ج ۲، تفسیر سورة النساء)

ترجمہ: سوتم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔[1]

اسی طرح سورۃ الانعام آیت ۱۲، ص آیت ۲۶، الفرقان آیت ۴۳، القصص آیت ۵۰، القصص نمبر ۲۰، سورۃ روم آیت ۲۹، محمد آیت ۱۶، القمر آیت ۲، ۳، الجاثیہ آیت ۲۳، سورۃ محمد آیت ۱۴ وغیرہ کا ترجمہ مع تفسیر معارف القرآن میں ملاحظہ کریں، تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ: از ماست کہ بر ماست۔ ہم نے خود اپنے پاؤں کو اپنے کلہاڑے پر مار دیا ہے، بزرگ کے واقعہ کے ابطال کے لئے ملاحظہ ہو درج ذیل کو کہ ایسے شخص کی اتباع نہیں کرنی چاہیئے:

ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الجاثیة ۱۸)

پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام کے سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی۔[2]

اس کے ساتھ ساتھ پ ۱۵، آیت ۲۸، معارف القرآن، ج ۵، ص ۵۷۴، پ ۱۶، طٰہٰ، آیت ۱۶، سورۃ المائدۃ، آیت ۷۷، سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۵ اور آیت ۵۶، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۰، البقرۃ، آیت ۱۴۵، سورۃ المائدۃ آیت ۴۸، ۴۹، الرعد آیت ۳۷، شوریٰ آیت ۱۵، ان آیات کا ترجمہ اور تفسیر معارف القرآن میں ملاحظہ ہو مگر عدل وانصاف پر قائم رہتے ہوئے تو آپ کو حق معلوم ہو جائے گا۔

باقی جوابات بحث چہارم میں ملاحظہ ہوں۔

بحث چہارم

وجہ اول

فَلَاأُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (۱۶) وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ (۱۷) وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ (الانشقاق ۱۸)

ترجمہ: سو قسم کھاتا ہوں شام کی سُرخی کی، اور رات کی اور جو چیز اس میں سمٹ آتی ہے، اور چاند کی جب پورا ابھر جائے۔

ایں ہر سہ چیز یعنی شفق وشب تاریک وماہ روشن نمونۂ سہ حالت زا است کہ بر آدمی بعد از موت کہ گویا نمونۂ غروب آفتاب زندگیست رو خواہد داد۔ اول حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد کہ فی الجملہ اثر حیات سابقہ والفت تعلق بدن ودیگر معروفان از ابنائی جنس خود باقی است وآن وقت گویا برزخ است درمیان زندگانی دنیا واستغراق عالم قبر کہ چیزے ازیں طرف وچیزے

[1] (معارف القرآن، ج ۲، ص ۵۷۰)

[2] (معارف القرآن، ج ۷، ص ۷۸۱)

از ایں طرف دارد وبعینہ مثال وقت بقائے شفق است ہنوز تصرفات مخلوق درآمد وشد آنہا منقطع نگردید وجانداران ہمہ بیدار وحاس ومتحرک ودربقائے اعمال روز مشغول وایں حالت انکشاف وجزائے برخے از نیک ہاوبدی است ومدد زندگان بمردگان دراین حالت زود تر می رسد ومردگان منتظر لحوق مدد از ایں طرف مے باشد چنانچہ گمان مے برند کہ ہنوز زندہ ایم ولہٰذا در حدیث شریف دراحوال قبر وارد است کہ مرد مسلمان دران جا میگوید کہ دعونی اصلی یعنی بگذارید مرا تا نماز بخوانم ونیز وارد است کہ مردہ درآن حالت مانند غریقی است کہ انتظار فریاد رسی میکرد وصدقات وادعیہ وفاتحہ درین وقت بسیار بکار میںمایند وروح مردہ نیز در قرب موت در خواب وعالم تمثال ملاقات زندگان می کند ومافی الضمیر خود را اظہار می نمایند الخ۔

ترجمہ: شفق اور تاریک رات اور روشن ماہ یہ تین چیزیں ان تین حالات کا نمونہ ہیں جو آدمی پر موت کے بعد (کہ نمونۂ زندگی کا سورج ہونے کا ہے) ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلی وہ حالت ہے کہ روح کے بدن سے جدا ہونے پر ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر سابقہ زندگی اور الفت اور بدن کا تعلق اپنے ہم جنس کے دیگر پہچان والوں سے باقی ہے، یہ وقت برزخ کے مشابہ ہے، زندگی اور دنیا اور عالم قبر میں میں ڈوب جانے کے اس طرف سے اور کچھ اِس طرف سے ہے، یہ بعینہ شفق کے وقت بقا سے مشابہ ہے کہ ابھی تک مخلوق کا چلنا پھرنا اور تصرفات ختم نہیں ہوئے سب جاندار بیدار، حساس اور متحرک ہیں اور دن کے باقی ماندہ اعمال میں مشغول ہیں۔ یہ برزخی جزا کے انکشاف کا حال ہے، خواہ وہ نیکی ہو یا بدی۔ مردوں کو زندہ لوگوں کی مدد اس حالت میں بہت جلد پہنچتی ہے۔ اور مرے ہوئے لوگ زندہ لوگوں کی طرف سے امداد ملنے کے منتظر ہوتے ہیں اور اس طرح گمان کرتے ہیں کہ اب میں زندہ ہوں۔ اس لئے احوال قبر کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان آدمی اس مقام میں کہتے ہیں کہ مجھے رہا کرو کہ میں نماز ادا کروں اور نیز اس طرح آیا ہے کہ میت اس حال میں غرق ہونے والے کے مشابہ ہے کہ فریاد رسی کا انتظار کرتی ہے۔ خیر وخیرات اور دعائیں اور فاتحہ اس وقت بہت کام آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بنی آدم کی جماعتیں ایک سال تک اور خصوصًا چالیس دن تک فوت ہونے کے بعد مردوں کی اس طرح امداد کرنے کی پوری کوشش کرتی ہیں اور مردہ کی روح فوت ہونے کے قرب کی وجہ سے زندہ لوگوں سے خواب میں ملاقات کرتی ہے اور اپنے دل کی باتیں ظاہر کرتی ہے، انتہیٰ۔[1]

---

[1] (تفسیر عزیزی، پ ۳۰، ص ۲۰۵، مطبوعہ مسلم بک ڈپو، دھلی)

اکابر دیوبند کی وضاحت

وجہ دوم

عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: طُعِنَ عُمَرُ، فَأَمَرَ صُهَيْبًا أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ ثَلَاثًا، وَأَمَرَ أَنْ يَجْعَلَ لِلنَّاسِ طَعَامًا تِلْكَ الثَّلَاثِ الْأَيَّامِ حَتَّى يَجْتَمِعَ أَهْلُ الشُّورَى عَلَى رَجُلٍ، فَلَمَّا رَجَعُوا مِنَ الْجِنَازَةِ جَاؤُوا وَقَدْ وُضِعَتِ الْمَوَائِدُ، فَأَمْسَكَ النَّاسُ لِلْحُزْنِ الَّذِي هُمْ فِيهِ، فَجَاءَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ مَاتَ رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا بَعْدَهُ، وَمَاتَ أَبُو بَكْرٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا. أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِنْ هَذَا الطَّعَامِ، فَمَدَّ يَدَهُ وَمَدَّ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ، اھ۔

رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَفِيهِ عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ، وَحَدِيثُهُ حَسَنٌ، وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ رِجَالُ الصَّحِيحِ۔

ترجمہ: جب خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیزہ سے مارا گیا تو آپ نے حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دن لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور حکم دیا وہ تین دن لوگوں کے لئے طعام تیار کرتے رہو، یہاں تک کہ مشورہ والے کسی کی خلافت پر متفق ہو جائیں۔ تو جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے جنازہ سے واپس ہو کر تشریف لائے اور کھانے اور دستر خوان رکھے ہوئے تھے تو لوگ جس غم میں تھے کھانے سے اس وجہ سے ہاتھ بند رکھے اور کھانا نہ کھاتے، تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائے اور فرمایا: اے لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہوئے تو ہم نے کھایا پیا، ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے تو ہم نے کھایا پیا، اس کے بعد فرمایا اے لوگو! اس طعام کو کھاؤ تو آپ نے کھانے کے لئے ہاتھ کو لمبا کیا یعنی کھانا شروع کیا اور لوگوں نے کھانا شروع کیا اور کھایا، اھ۔ [1]

سوال یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اس وقت موجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیا سب کے سب شریعت سے بے خبر تھے؟ انہوں نے یعنی سب نے خلاف شریعت کام، حرام اور بدعت کی؟ **اعاذنا اللہ منہ!**

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان الشیطان لا یلقی عمر منذ اسلم الا خر لوجھہ۔

یعنی رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام لایا ان سے شیطان نے ملاقات نہیں کی مگر سرنگوں پڑا رہا۔ [2]

---

[1] (تفسیر عزیزی، پ ۳۰، ص ۲۰۵، مطبوعہ مسلم بک ڈپو، دھلی)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۱، رقم الحدیث: ۷۷۴، ص ۲۱۳، ۲۱۴)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله عز وجل جعل الحق على لسان عمر وقلبه۔

اور اللہ جل وعلا نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل اور زبان پر حق جاری کیا ہے۔[1]

اور مشکوٰۃ باب مناقب میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اس میں ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَخَافُ مِنْکَ یَا عُمَرُ۔

اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان آپ سے ڈرتا ہے۔[2]

اسی طرح مشکوٰۃ میں حدیث متفق علیہ میں ہے:

يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے میری اس ذات پر قسم ہے کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ہرگز شیطان اس راستہ پر نہیں گیا اور آپ سے ملاقی نہیں ہوا، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے راستہ سے بغیر اور راستہ پر چلا۔

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ابن خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (تم وہ شخص ہو) اگر شیطان تمہیں دیکھ لیتا ہے تو اس راستہ سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے جس پر تم چلتے ہو۔[3]

اس عظیم الشان ہستی نے فرمایا کہ تین دن تک کھانے پکاتے رہو اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو ہم نے ان کے گھر کی روٹی کھائی اور پانی پیا ہے۔ یہ خلفاء اربعہ اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی موجودگی میں ہے، پر خلیفہ اول کے انتقال پر ان کے ترکہ سے قبل تقسیم کھانا پکایا ہوا ہے اور خلفاء ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس گھر کی روٹی کھائی اور پانی پیا ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ آپ نے سنا کہ آپ کے دفنانے سے فارغ ہو کر جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم واپس آئے تو روٹی تیار تھی، سب نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کہنے پر کھانا کھایا۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے خلاف تھا؟ مگر مشرک طبع وہابیان نے اب دین کا اظہار کیا؟ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ!

---

[1] (المعجم الکبیر، ج۸، جزء۱۹، ص۲۲۱)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ص۵۵۸)

[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ص۵۵۷)

وجہ سوم

اس میں وجہ دوم کی تصدیق و تائید ملاحظہ ہو:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا فَاجْتَمَعَ لِذَلِكَ النِّسَاءُ ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتَهَا أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِينَةٍ فَطُبِخَتْ ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيدٌ فَصُبَّتْ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ كُلْنَ مِنْهَا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيضِ تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ۔

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ان کی یہ عادت تھی کہ جب ان کے کنبہ یعنی رشتہ داروں میں سے کوئی وفات پا چکا ہوتا تو اس کے لئے عورتیں جمع ہوتیں پھر وہ جدا ہو کر جاتیں بغیر ان کے جو رشتہ دار اور خاص عورتیں ہوتیں کہ وہ باقی رہتی تھیں تو آپ تلبینہ یعنی سفید نرم طعام پکانے کے لئے حکم دیا کہ ایک دیگ پکاؤ۔ تو وہ پکایا گیا پھر شوربے میں چوری ہوئی روٹی شامل کی گئی تو آپ نے اس پر تلبینہ کو ڈالا اور فرمایا اس میں کھاؤ اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تلبینہ بیمار کے دل کو راحت دیتا ہے اور غمزدہ کا غم یعنی رنج و ملال کم کرتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ طریقہ تھا کہ آپ بیمار اور اپنے ہلاک شدہ پر غمزدہ کے لئے تلبینہ پکانے کا حکم دیتیں اور فرماتی تھیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ تلبینہ بیمار کے دل کو راحت فراہم کرتا ہے اور مغموم کا غم کم کرتا ہے۔[1]

اور بخاری کی بیاض میں ہے:

يتخذ من دقيق أو نخالة وربما يجعل فيه عسل سميت بذلک لشبهها باللبن في بياضها والرقة أي مكان الاستراحة قلب المريض۔

منقول ہے کہ تلبینہ آٹے یا چوکر سے پکایا جاتا ہے اور اکثر اس میں شہد ڈالا جاتا ہے۔ اور اس طعام کو تلبینہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ سفیدی اور نرمی میں دودھ سے مشابہ ہوتا ہے (یعنی سفید نرم حلوہ) یعنی مریض کے دل کو راحت اور آرام پہنچانے والا ہے۔[2]

---

[1] (صحیح بخاری، ج۲، ص ۸۱۵، صحیح مسلم، ج۲، ص ۲۲۷)

[2] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج ۳۰، ص ۳۷۷)

وذكر النووى: أيْ تُرِيح فُؤَاده، وَتُزِيل عَنْهُ الْهَمّ، وَتُنَشِّطهُ. وَالْجَمَام الْمُسْتَرِيح كَأَهْلِ النَّشَاط. وَأَمَّا (التَّلْبِينَةُ) فَبِفَتْحِ التَّاء وَهِيَ حَسَاء مِنْ دَقِيق أَوْ نُخَالَة. قَالُوا: وَرُبَّمَا جُعِلَ فِيهَا عَسَل. قَالَ الْهَرَوِيُّ وَغَيْره: سُمِّيَتْ تَلْبِينَة تَشْبِيهًا بِاللَّبَنِ لِبَيَاضِهَا وَرِقَّتهَا. وَفِيهِ اِسْتِحْبَاب التَّلْبِينَة لِلْمَحْزُونِ۔

اور امام نووی شارح مسلم نے فرمایا کہ مریض کے دل کو راحت میسر کرتا ہے اور خوش ہو جاتا ہے۔ جمام مکمل خوشی اور راحت کو کہتے ہیں اور تلبینہ جو ہے وہ حساء یعنی حلوہ ہے آٹے یا چوکر سے بنا ہوا، اکثر اس میں شہد ڈالا جاتا ہے۔

امام ہروی وغیرہ نے فرمایا کہ اس کو تلبینہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اپنی سفیدی اور نرمی میں دودھ سے مشابہت رکھتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات ہے کہ، غمزدہ، رنجیدہ، غمگین کے لئے یہ طعام پکانا مستحب ہے۔[1]

اسی طرح امام بخاری نے باب التلبینۃ للمریض میں یہ حدیث اس سند سے ذکر کی ہے:

حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَأْمُرُ بِالتَّلْبِينِ لِلْمَرِيضِ وَلِلْمَحْزُونِ عَلَى الْهَالِكِ وَكَانَتْ تَقُولُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ التَّلْبِينَةَ تُجِمُّ فُؤَادَ الْمَرِيضِ وَتَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ۔

حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَأْمُرُ بِالتَّلْبِينَةِ وَتَقُولُ هُوَ الْبَغِيضُ النَّافِعُ۔[2]

یہ ہے خیر القرون کا زمانہ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا گھر مبارک، اہل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم علمی خزانے اور ملت اسلام پر سختی سے عمل کرنے والے اہل اسلام، جن کے گھروں میں پہلے دن کھانا پکایا جاتا تھا۔

وجہ چہارم

سردار دوجہاں رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا میت گھر میں پڑا رہنا، اور اس گھر میں کھانا پکانا اور اس کو کھانا اور اس گھر میں مجامعت کرنا پسند فرما کر اہل خانہ کو دعا کرنا سن لو:

حَدَّثَنَا مَطَرُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَوْنٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ يَشْتَكِي فَخَرَجَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُبِضَ الصَّبِيُّ فَلَمَّا رَجَعَ أَبُو طَلْحَةَ قَالَ مَا فَعَلَ ابْنِي قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ هُوَ أَسْكَنُ مَا كَانَ فَقَرَّبَتْ إِلَيْهِ الْعَشَاءَ فَتَعَشَّى ثُمَّ أَصَابَ مِنْهَا فَلَمَّا فَرَغَ قَالَتْ وَارُوا الصَّبِيَّ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَبُو طَلْحَةَ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ أَعْرَسْتُمْ اللَّيْلَةَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا قَالَ لِي أَبُو طَلْحَةَ احْفَظْهُ حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْسَلَتْ مَعَهُ بِتَمَرَاتٍ فَأَخَذَهُ

---

[1] (نووی علی صحیح مسلم، ج۲، ص۲۲۷، ۲۲۸)

[2] (صحیح البخاری، ج۲، ص۸۴۹)

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَعَهُ شَيْءٌ قَالُوا نَعَمْ تَمَرَاتٌ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَضَغَهَا ثُمَّ أَخَذَ مِنْ فِيهِ فَجَعَلَهَا فِي فِي الصَّبِيِّ وَحَنَّكَهُ بِهِ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللَّهِ۔[1]

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں تحریر فرمایا ہے:

قَوْله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (أَعْرَسْتُمْ اللَّيْلَة) وَهَذَا السُّؤَال لِلتَّعَجُّبِ مِنْ صَنِيعهَا وَصَبْرهَا، وَسُرُورًا بِحُسْنِ رِضَاهَا بِقَضَاءِ اللَّهِ تَعَالَى، ثُمَّ دَعَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمَا بِالْبَرَكَةِ فِي لَيْلَتهمَا، فَاسْتَجَابَ اللَّه تَعَالَى ذَلِكَ الدُّعَاء، وَحَمَلَتْ بِعَبْدِ اللَّه بْن أَبِي طَلْحَة، وَجَاءَ مِنْ أَوْلَاد عَبْد اللَّه إِسْحَاق وَإِخْوَته التِّسْعَة صَالِحِينَ عُلَمَاء رَضِيَ اللَّه عَنْهُمْ۔[2]

اور دیوبندیوں کے مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی نے مولوی رشید احمد گنگوہی سے نقل کیا ہے:

قوله: اعرستم الليلة: وفی تقرير النبی صلی اللہ تعالیٰ عليه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وعدم انكاره علی ما فعلا دلالة علی جواز الاكل والميت لم يدفن بعد واذا جاز ذلک لاهل بيت الميت كان جوازه لاهل المحلة اظهر۔

اس کی شرح میں دیوبندیوں کے مولوی محمد ذکریا الکاندھلوی شیخ الحدیث تحریر فرماہیں:

اجاد الشيخ قدس سرهٗ فی اثبات المسئلة من الحديث فما اشتهر فيما بين عوام الناس من انه لا يجوز الاكل اذا كان الميت فی البيت او فی جواره حتی يخرج من البيت ليس بصحيح نبه ذلک الشيخ التهانوی فی رسالته اغلاط العوام ونبه علی ذلک ايضا صاحب المدخل او قال وكذا يحذر مما احدثه بعضهم وهو ان الميت اذا مات لا ياكل اهله حتیٰ يفرغوا من دفنه اھ۔[3]

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ فرمان کیا تم نے جماع بھی کی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی یہ تقریر اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا انکار نہ کرنا یعنی ان کے اس عمل پر کوئی انکار نہ کرنا دلیل ہے کہ میت گھر میں پڑے ہوئے طعام کھانا ناجائز ہے، اگرچہ دفن نہ ہوا ہو۔ اور جب میت کے گھر والوں کے لئے یہ جائز ہے تو اہل محلہ کے لئے اس کا جواز بہت زیادہ ظاہر ہے۔

دیوبندیوں کے مولوی گنگوہی نے حدیث سے مسئلہ ثابت کرنے میں بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ تو عام لوگوں میں جو مشہور ہوا ہے کہ جب تک مردہ گھر سے نہیں نکلا ہو تو اس گھر اور اس کے پڑوس میں کھانا ناجائز ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ اس پر علامہ تھانوی نے اپنے رسالہ اغلاط العوام میں تنبیہ کی ہے۔ اور اس طرح صاحب مدخل نے بھی تنبیہ کی ہے کہ مردہ کے فوت ہونے

---

[1](صحیح بخاری، ج۲، ص ۸۲۲، ص ۸۲۶، اخرجہ مسلم فی صحیحہ، ج۲، ص ۲۰۹، باب استحباب تحنیک المولود)

[2](ایضًا علی البخاری بحوالہ کرمانی وفتح الباری، کرمانی، ج۱۰، ص۵۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، فتح الباری، ج۹، ص ۵۸۹، عمدۃ القاری، ج۲۱، ص۱۲۶، ۱۲۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

[3](لامع الدراری علی جامع البخاری، ج۳، ص۳، ۲، ایچ ایم سعید، کراچی)

سے اس کے دفنانے تک کچھ نہ کھائے۔ بعض لوگوں نے اس کا احداث کیا ہے یعنی یہ بدعت سیئہ رائج کی، اس سے ڈر کر اپنے آپ کو محفوظ کرنا چاہیئے (یعنی اس باطل عقیدہ سے بچنا چاہیئے)۔

اور دلائل النبوۃ للبیہقی، ج٦، ص ١٧١، دارالحدیث قاہرہ میں کچھ تفصیل سے نقل کی ہے اور فرمایا کہ اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ نے انس بن ملک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موصولاً نقل کی ہے اور یہ بھی اس میں ہے کہ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس بچے کی پیشانی مسح فرما کر اس کا نام عبد اللہ رکھا تو یہ مسح آپ کے ماتھے میں سفید نشانی تھی۔[1]

اور صحیح البخاری نے اس حدیث کو ج١، ص ١٧٣، ١٧٤ پر بھی بیان کیا ہے، اور معجم الکبیر للطبرانی، ج٢، ص ١١، دارالاحیاء التراث تفصیل کے ساتھ پہلے کو: حدثنا محمد بن هارون اور دوسرے کو حدثنا عمر بن حفص السدوسی سے، ص٦٧، ٨٦ محقق نے تحت الخط ذکر کی ہے، ص٢٨٨، رواہ احمد، ج٦/١٨١، ١٩٦، ٢٨٧، ٢٨٨، مسلم، رقم الحدیث: ٢١٤٤، ابن حبان، رقم الحدیث: ٥٧، مسند ابو یعلیٰ، ج٢، ص ١٩١، البیہقی، ج٤، ص ٦٥، ٦٦، مسند امام احمد، دارالفکر، بیروت (٦ جلد والی کی) ج٣، ص ١٠٥، ١٠٦ پر چار روایات ذکر کی ہیں، اور ابی یعلی الموصلی متوفی ٣٠٧ھ نے اپنی مسند، ص ٢٠٧، رقم الحدیث: ٣٣٨٥، ج٣، ، دارالکتب علمیہ، بیروت، ص ٣٤٤، رقم الحدیث: ٨٧٥، ج٣، ، دارالکتب علمیہ، بیروت، صحیح ابن حبان، ج٦، رقم الحدیث: ٧١٩٦، ذکر وصف تزوج ابی طلحۃ ام سلیم، ص ٣٦٢، الجزء الثامن والتاسع، رقم الحدیث: ٧١٩٧، ج٦، ص ٣٦٢، ٣٦٣، دارالفکر، بیروت، السنن الکبریٰ للبیہقی مع الجواھر النقی، ج٤، ص ٦٦، مطبع ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان، باب استحباب تحنیک المولود، مسلم، ج٢، ص ٢٠٨، کراچی۔

خلیفۃ المسلمین کی طرح جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت

عَنْ أُمِّهَا مَرْيَمَ بِنْتِ فَرْوَةَ، أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، لَمَّا حَضَرَهُ الْوَفَاةُ قَالَ: «إِذَا أَنَا مُتُّ فَشُدُّوا عَلَى بَطْنِي عِمَامَةً، وَإِذَا رَجَعْتُمْ فَانْحَرُوا وَأَطْعِمُوا» قَالَ خَالِدٌ: ثُمَّ قَالَ لِي حَفْصٌ: لَيْسَ كَمَا يَصْنَعُ بَنِيکَ أَهْلُ آلِ الْمُهَلَّبِ وَثَقِيفٍ۔

ترجمہ: کہ جب آپ کی وفات کا وقت آگیا فرمایا جب میں وفات پا چکا تو میرا پیٹ عمامہ یعنی پگڑی سے باندھو اور جب آپ میرے جنازے سے ہو کر واپس آجائیں تو اونٹ ذبح کر کے (اونٹ کو نحر کہا جاتا ہے) کھانا کھلاؤ۔ خالد نے فرمایا کہ مجھے حفص نے کہا کہ نہیں جیسا آپ کے اہل بیت مطلب کہ اولاد کرتی ہے۔[2]

---

[1] (دلائل النبوۃ للبیہقی، ج٦، ص ١٧١، ١٧٢)

[2] (المعجم الکبیر للطبرانی ومریم لم أجد من ذکرھا، مجمع الزوائد، ج٣، ص ٨٥، دارالفکر بیروت، طبرانی معجم الکبیر، ج٨، جزء ١٨، ص ٤٣، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، سیر الصحابۃ اردو، ج٤، حصہ٧، ص ٢٠٤)

عمران کی صحت نہایت خراب تھی آخر میں استقاء کا مرض ہو گیا تھا۔ آخر کار یہاں تک نوبت پہنچی کہ پیٹ میں شگاف ہو گیا۔[1] جب زندگی سے مایوس ہو گئے تو تجہیز و تکفین کے متعلق یہ ہدایت دی کہ جنازہ جلدی جلدی لے چلنا یہود کی طرح آہستہ آہستہ نہ لے کر چلنا، جنازہ کے پیچھے آگ نہ جلانا، نالہ و شیون نہ کرنا، قبر مربع چار بالشت اونچی رکھنا، دفن کرکے واپس جا کر کھانا کھانا۔[2] اصابہ میں آپ کا تذکرہ، ج۵، ص۲۶، ۲۷ پر ہے۔ وفات ۵۲ھ یا ۵۳ھ میں ہوئی۔ اسد الغابۃ، ج۳، ص۷۷۷، دار الفکر، بیروت پر آپ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بصرہ میں آپ سے کوئی افضل صحابی نہیں تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت

حفص بن النصر السلمی نے اپنی والدہ سے جو عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی تھیں روایت کی کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے میرے عمامے سے تابوت پر باندھ دینا، پھر جب دفن کرکے پلٹنا تو اونٹ ذبح کرکے کھلانا۔[3]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی کا انکشاف

وأخرج الطبراني وابن منده بسند صحيح عن ابن سيرين قال: لم يكن تقدم على عمران أحد من الصحابة ممن نزل البصرة۔ وقال أبو عمر: كان من فضلاء الصحابة وفقهائهم يقول عنه أهل البصرة: إنه كان يرى الحفظة وكانت تكلمه۔

علامہ ابن سیرین سے طبرانی اور ابن مندہ نے صحیح سند سے نقل کی ہے: فرمایا وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو بصرہ کو آئے عمران بن حصین سے کوئی بھی پہلے نہیں آئے۔ اور ابو عمر نے فرمایا فضلاء (جمع ہے فاضل کی یعنی فضیلت والا) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے تھے اور ان کے فقہاء میں سے تھے۔ اہل بصرہ ان کے بارے میں کہتے تھے کہ آپ حفظہ ملائکہ دیکھتے تھے اور ان کے ساتھ باتیں کرتے تھے، اھ۔[4]

---

[1] (ص۲۰۴)

[2] (ص۲۵۰)

[3] (طبقات ابن سعد، ج۲، حصہ چہارم، ص ۳۳۴، نفیس اکیڈمی، کراچی)

[4] (اصابۃ، ج۵، ص ۲۶، ۲۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت

علامہ سید مناظر احسن گیلانی، سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عاشق زار اور معاشی مساوات کے علمبر دار صحابی کی محققانہ سوانح اور پر کیف حالات

ناشر: نفیس اکیڈمی، کراچی

ربذہ ایک مختصر گاؤں کی صورت میں مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔[1]

ربذہ بالکل خالی ہو گیا۔ زندہ نفوس میں وہاں صرف آپ کا ایک جسم بیمار اور آپ کے اہل و عیال رہ گئے اور بس[2] (ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق بیوی اس انتظار میں کہ کوئی آئے اور آپ کی تجہیز و تکفین کرے) روتی دھوتی یاس و ناکامی کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ اٹھیں اور سڑک کنارے آکر بیٹھ گئیں۔[3]

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیوی کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا اور فرمایا: بیٹی ایک بکری ذبح کرو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو گھر میں مہمان آرہے ہیں، جب وہ مجھے دفن کر لیں تو تم ان سے کہنا کہ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک کھانا نہ کھالیں اپنی سواریوں پر سوار نہ ہوں۔[4]

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے کی یہ عجیب خصوصیت ہے، عام طور پر لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ میرے جنازے کی نماز کوئی عالم دین پڑھائے، لیکن قدرت نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس آرزو کو عجیب طریقے سے پورا کیا کہ اسلامی دینیات کی سب سے زیادہ معتبر ترین شکل یعنی "حنفیت" (مذہب حنفیت) جس صحابی اور تابعین کے ذریعے سے امت تک پہنچی ہے، اسی فقہ کے تین امام یعنی عبد اللہ بن مسعود، علقمہ اور اسود اس میں شریک ہیں۔ ان بزرگوں کے صحیح مقام اگر جاننا چاہتے ہیں تو میری کتاب "تدوین فقہ" میں دیکھئے۔[5]

---

[1] (ص ۲۱۱)
[2] (ص ۳۹۹)
[3] (ص ۲۴۱)
[4] (ص ۲۴۳)
[5] (ص ۲۵۳)

دفن کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ باچشمِ ترخیمہ میں آگئے۔ بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تسلی و تشفی کے کلمات ان کو کہے خود بھی سنبھلے، ان کو بھی سنبھالا، جب گونہ سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادے سے اٹھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی نے پوچھا کہ کہاں تشریف لے چلے؟ ابا نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھانہ لیں سوار نہ ہوں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کرا کے پکانے کا حکم دے دیا تھا جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔ یہ فرما کر کھانا پیش کر دیا۔[1]

یہ ہے تقسیم ترکہ سے پہلے پکی ہوئی روٹی اسی گھر میں جہاں وہ فوت ہو چکا تھا اور اسی گھر میں ان معتبر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے پہلے دن جنازہ سے فراغت کے بعد کھایا۔ **فعتبروا یا اولی الابصار** !

آپ کے حالات کے لئے طبقات ابن سعد اردو، حصہ چہارم، ص ۲۸۴ سے ۲۹۸، نفیس اکیڈمی، کراچی مطالعہ کریں۔

خیر القرون میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دستور

سنن النسائی میں امام سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

روى أحمد في كتاب الزهد وأبو نعيم في الحلية عن طاوس قال إن الموتى يفتنون في قبورهم سبعا وكانوا يستحبون أن يطعموا اعنهم تلك الأيام۔

اسی طرح حافظ جلال الدین سیوطی نے نسائی پر ص ۲۹۰ مع روایت ابن جزیر اور الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ج ۴، ص ۴۹، تحت قولہ تعالیٰ **يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا (إبراهيم ٢٧)**، روایت ۳۷، ۳۸، اخرجہ ابن جزیر، دارالمعرفہ، بیروت۔ اور فتاویٰ میں اس پر مفصل رسالہ طلوع الثریا باظہار ماکان رسالہ لکھا ہے، الحاوی للفتاویٰ، ج ۲، ص ۱۷۸، مطبوعہ مکتبہ النوریہ الرضویہ، لائلپور۔ اور حیاۃ الحیوان الکبریٰ، ج ۱، ص ۶۵۳، باب الطاء (الطاؤس) الطبعۃ الثانیۃ، المطبوعۃ أمیر قم، عقائد السنیۃ، ص ۲۲، مطبع فاروقیہ ۱۴۰۹ھ، کتاب حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج ۴، ص ۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۴، ص ۲۱۷، ۲۱۸، علوم اسلامیہ، لاہور، ذکر والصدقہ عن المیت بلا خلاف بین اہل العلم وفیہ وردت الاحادیث الصحیحۃ، ص ۲۱۸، اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۷۶۲، حمن گل، پشاور۔

---

[1] (ص ۲۴۵)

ترجمہ: سات دن تک اموات اپنی قبروں میں تکلیف اور سوال وجواب میں ہوتی ہیں۔[1] تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں سات دن ان کی طرف طعام دینا مستحب جانا جاتا تھا۔[2]

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میت کی طرف صدقہ کرنے میں اہل علم کے یہاں کوئی اختلاف نہیں اور اس بارے میں احادیث صحیحہ آئی ہیں۔ اور شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ شخصیت ہیں جس نے ہندو پاک میں احادیث مبارکہ نشر کی ہیں، اس لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو ہندو پاک میں نشر کی نسبت بے بنیاد ہے۔ ایک کام جب پہلے ایک شخص کرے تو اس کے بعد کرنے والے کو اس کا پہلا کرنے والا کہنا غلط اور بے بنیاد ہے جیسا کہ یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

اس طرح حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح نے بھی دفن سے سات دن تک صدقہ کے استحباب کی تصریح کی۔[3]

رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اہل میت کی دعوت قبول کرنا اور مشتبہ کھانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حلق سے نہیں اترا

وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ يَقُولُ: «أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ» فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِي امْرَأَتِهِ فَأَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهُ وَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يلوک لُقْمَةً فِي فمه ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرَى لِي شَاةٌ فَلَمْ تُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً أَنْ أرسل إِلَيَّ بِهَا بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَطْعِمِي هَذَا الطَّعَامَ الْأَسْرَى۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

ترجمہ: حضرت عاصم ابن کلیب (تابعی) اپنے والد (کلیب) سے اور وہ ایک انصاری شخص (یعنی ایک انصاری صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا (ایک دن) ہم رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کی نماز اور تدفین میں شرکت کے لئے گئے (قبرستان پہنچ کر) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قبر (کے کنارہ) پر ہیں اور گورکن کو ہدایت دینے لگے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

---

[1] (الحاوی للفتاویٰ، ص ۱۸۶)

[2] (حاشیۃ السندھی علی السنن النسائی، ج۴، ص ۱۰۳، الناشر: مکتب المطبوعات الإسلامیة - حلب)

[3] (طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۵۰۹، طبع ثانی، تلک عشرة کاملة، ص ۱۲، شرح شرعة الاسلام، ص ۵۲۹)

واصحابہ وسلم اس (گورکن) سے فرماتے تھے کہ پائنتی کی طرف سے قبر کو کشادہ کرو اور سر کی جانب سے اور کشادہ کرو۔ پھر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم (تدفین سے فارغ ہو کر) واپس ہونے لگے تو سامنے سے ایک شخص نے آکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کو میت کی بیوی کی طرف سے (لفظ امرأةٍ اور امرأته کا معنی ایک ہی ہے) کھانے کی دعوت دی جس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے قبول فرمالیا (چنانچہ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم اس کے گھر تشریف لے گئے اور ہم بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کے ساتھ ہوئے (کیونکہ یا تو اس عورت نے جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کو کھانے پر بلایا تھا یا یہ کہ ہم لوگ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کے طفیل میں ساتھ ہو لئے) جب کھانا لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور سب لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ بڑھائے اور کھانا کھانے لگے۔ لیکن پھر (کھانا کھاتے کھاتے) ہم نے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم (نے جو پہلا) لقمہ (منہ میں ڈالا تھا اسی) کو چبائے جارہے ہیں یعنی اپنے منہ میں ادھر ادھر گھمارہے ہیں (ابھی ہم حیرت سے دیکھ ہی رہے تھے کہ) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے فرمایا میں اس گوشت کو ایک ایسی بکری کا گوشت محسوس کر رہا ہوں جس کو اس کے مالک کی اجازت کے بغیر لے لیا گیا ہے۔ اس عورت (کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کی اس بات کا علم ہوا تو اس) نے آدمی بھیج کر صورت حال عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم میں نے بکری خریدنے کے لئے ایک آدمی کو نقیع بھیجا تھا، وہ (نقیع) ایک جگہ کا نام ہے جہاں بکریوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ لیکن وہاں بکری دستیاب نہیں ہوئی تو میں نے اپنے ہمسائے کے پاس آدمی بھیجا، جس نے ایک بکری خرید رکھی تھی اور کہلوایا کہ اس نے جس قیمت پر وہ بکری خریدی ہے اسی قیمت پر اس بکری کو میرے ہاتھ فروخت کر دے۔ لیکن وہ ہمسایہ اپنے گھر نہ ملا۔ تب میں نے اس ہمسایہ کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا اور اس نے وہ بکری میرے پاس بھیج دی۔ (یہ تفصیل سن کر) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ یہ روایت ابو داؤد اور دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے نقل فرمائی ہے۔ اس طرح باقی مندرجہ کتب نے بھی امرأة سے نقل کی، جس میں سیاق وسباق واضح قرینہ ہے کہ عورت میت کی بیوی تھی۔ اور خلاف سیاق وسباق ترجمہ کھلی تحریف ہی ہے۔[1]

مرقاۃ میں کسی نے حاشیہ پر تحریر[2] کیا ہے۔

---

[1] (مشكاة المصابيح، ج۳، ص ١٦٧١، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] فیض محمد نام ہے، پتہ نہیں کہ کون ہے اور کس عقیدے والا ہے۔

(سنن ابی داوٗد، باب اجتناب شبہات، ص۱۱۷، ج۲، مشکل الآثار، ص۱۳۲، ج۲، سنن الکبریٰ، ص۹۷، ج۶، شرح معانی الآثار، ص۳۲۰، ج۲، دار قطنی، ص۵۴۵، ج۲، مسند احمد، ص۲۹۳، ج۵، خصائص الکبریٰ، ص۱۰۳، ج۲، مستدرک للحاکم، ص۲۳۴، ج۴ وغیرہ ذلک)

ابی داوٗد، ایچ ایم سعید، کراچی مع حاشیۃ التعلیق المحمود لفاضل العلامۃ الحافظ الواقف بالآیات والسنن مولوی فخر الحسن (الگنگوہی) دیوبندی نے اس پر تحریر فرمایا ہے:

قولہ فوضع یدہ قال الشیخ ولی اللہ المحدث الدھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ھذا الحدیث یدل علی انہ یجوز للضیف ان یتناول من بیت المصاب لموت قریبہ وفیہ رد علی ما اشتھر فی زماننا ھذا علی السنۃ الناس قولہ اطعمیھا الاساری۔ الاساری جمع اسیر وکانوا فی ذلک الزمان کفارًا ولما لو یجدد اصاحب الشاۃ لیستحلوا منہ وکان الطعام فی معرض التلف امرھا باطعامھم۔

یہی وجہ ہے امرأۃ والی روایت پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مہمان کو جائز ہے کہ مصیبت زدہ کے گھر سے کہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار کی وجہ سے مغموم ہو کھانا کھایا کرے۔ اس میں اس بات کا رد ہے جو ہمارے زمانہ کے لوگوں میں مشہور ہوا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس کھانے کو قیدیوں کو کھلا دو کہ اہل قید اس زمانہ میں کفار تھے اور بکری والا آدمی دستیاب نہ ہوا کہ اس سے حلال کرنا طلب کریں اور طعام ضائع اور خراب ہو تا تھا تو ان کو کھلانے کا حکم دیا۔[1]

شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشاعت الشرک والبدع کو گمراہی کا رستہ مکمل بند کرنے کے لئے امرأۃٍ تنوین جو تنوین عوضی ہے مضاف الیہ سے آپ مضاف الیہ کو تنوین کی جگہ ذکر کیا تاکہ کوئی شخص حدیث شریف کا غلط ترجمہ اور تشریح نہ کرے۔

اقسام تنوین

تنوین بے پنج قسم شد اے یار من بگیر۔ اول تمکن است عوض ثالثش نکیر دیگر مقابلہ است ترنم برادرم،
ایں پنج قسم یاد کن کہ شوے شاہ بے نظیر۔

امرأۃ میں تنوین تنکیر نہیں ہے۔

قال الرضی تنوین التنکیر مختصۃ بالصوت واسم الفعل نحو سیبویہ وصہ۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج۲، ص۱۱۷، التعلیق لمحمود علی سنن ابی داؤد، ج۲، ص۱۱۷)

یعنی رضی نے فرمایا کہ تنوین تنکیری صوت اور اسم فعل کے ساتھ خاص ہے۔ اور خاص اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ کہیں موجود نہ ہو، ورنہ خاص خاص نہیں رہ جاتا۔

و قدتوهم ان التنوين فی مثل رجل للتنكر و هذا غلط۔

یعنی اور یہ وہم کہ رجل جیسے اسم میں تنوین تنکیری ہے، یہ غلط ہے۔[1]

و خاصة الشئي مايختص به و لا يوجد فی غيره۔

شئی کا خاصہ وہ ہے جو اس کے ساتھ خاص ہو اور اس کے علاوہ کسی چیز میں نہ پایا جاتا ہو۔[2]

یہی وجہ ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

پیش آمد آنحضرت را دعوت کنندہ بطعام از جانب زن آن میت۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو طعام کے لئے دعوت دینے والا آیا میت کی عورت کی طرف سے۔

اور اس پر کوئی جرح اور تنقید نہیں کی۔[3]

ای امرأة الميت۔

یعنی میت کی عورت۔[4]

اس طرح مشکوٰۃ کے پہلے شارح نے بھی اس کا کوئی حرف مخالف نہیں لکھا۔ شرح طیبی میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مرقاۃ المفاتیح میں اور محمد قطب الدین شاہجہان آبادی نے بھی یہی گواہی اور فتویٰ دیا ہے کہ دعوت دینے والی میت کی بیوی تھی۔

ای زوجة المتوفی۔

دعوت کرنے والی طعام کی اُس میت کی بیوی تھی۔[5]

---

[1] (درايه شرح هداية النحو، ص ۲۷۵، قديمی كتب خانه، كراچی، نوادر الوصول، ص ۳۷، مجيديه، ملتان)

[2] (شرح ملا جامی، ص ۲۳)

[3] (اشعة اللمعات، ج ۴، ص ۲۰۷، پشاور)

[4] (لمعات التنقيح، ج ۴، ص ۵۰۹)

[5] (مرقاة المفاتيح، ج ۱۱، ص ۲۲۳، مكتبه امداديه، ملتان، مظاهر الحق، ج ۴، ص ۴۵)

مولوی عبد اللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند) کی تصدیق

پھر جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (تدفین سے فارغ ہوکر) واپس ہونے لگے تو سامنے سے ایک شخص نے آکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو میت کی بیوی کی طرف سے کھانے کی دعوت دی جس کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے قبول فرمایا، الخ۔[1]

حدیث مخرجہ ابی داؤد کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تبصرہ

مولوی فیض الحسن الگنگوہی الدیوبندی کے فتویٰ آپ نے سابقہ بیان میں ملاحظہ کیا۔ اب مولوی خلیل احمد سہارنپوری کا فتویٰ بھی سنیئے:

فجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فی بیت المیت، اھ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میت کے گھر آئے۔[2]

مولوی محمد شمس الحق العظیم آبادی عون المعبود شرح ابی داؤد میں تحریر فرماہیں:

داعی امرأۃ قال القاری أی زوجۃ المتوفی۔

ایک شخص نے آکر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو میت کی بیوی کی طرف سے کھانے کی دعوت دی۔[3]

اس حدیث مبارک سے استدلال کی وجوہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ مرحوم کے اہل خانہ نے مرحوم کی وفات کی پہلی رات صدقۂ نفلی کا کھانا پکایا اور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو کھانا پکانے کی اطلاع نہیں دی (یعنی پہلے سے باقاعدہ اجازت نہیں لی) جس سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ مرحوم کی وفات کے بعد پہلی رات کو مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکانا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں رائج تھا۔

۲۔ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خاتون کی دعوت قبول کی اور ان کے گھر تشریف لے گئے۔ سو معلوم ہوا کہ صدقہ نفلی کا کھانا مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے پکانا، کھانے کے لئے بلانا، وہاں جانا، کھانا، کھانے کی دعوت قبول کرنا سب جائز ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک لقمہ تناول فرمایا جو ثبوت جواز کے لئے کافی ہے۔

---

[1] (مظاہر حق جدید، ج۵، ص ۵۰۸)
[2] (بذل المجھود فی حل ابی داؤد، ج۵، ص ۲۳۹)
[3] (عون المعبود شرح ابی داؤد، ج ۹، ص ۹۹، قدیمی، کراچی)

۴۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ کھانا کھالینا اور حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ان کو منع نہ کرنا ثبوت جواز کے لئے کافی ہے۔

۵۔ اس خاتون کا بیان کرنا (کہ یہ گوشت کس طرح حاصل کیا گیا) پھر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو منع نہ فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ یہ گوشت یا اس کا کھانا حرام ہے (لہٰذا اے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تم نے جتنا کھایا ہے اس کو قے کر دو)۔ نہ حرام فرمایا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو قے کرنے کا حکم فرمایا۔

۶۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس خاتون (جناب صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو حکم فرمایا: أَطْعِمِي هَذَا الطَّعَامَ الْأَسْرَى۔ (یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو) نہ فرمایا لا تطعمیہ احدا لانہ حرام (کہ کسی کو نہ کھلانا کیونکہ یہ حرام ہے۔ جب حرام نہ فرمایا بلکہ قیدیوں کو کھلانا ثابت ہے)۔

ظاہر ہوا کہ صدقۂ نفلی کا پکایا ہوا کھانا کھانا حلال ہے، حرام نہیں ہے۔

ولکن الوھابیۃ قوم لا یعلمون۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسی دعوتوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ایسے کھانے کی جانب ہاتھ مبارک بڑھاتے تھے۔ تو ثابت ہوا کہ میت کے گھر پہلی رات برائے ایصال ثواب کھانا پکانا نیز دوسرے ایام سوم، ساتواں، چہلم، عرس و گیارہویں کا کھانا پکا کر کھلانا جائز ہے۔

(المقاصد السنیہ، ص ۲۶۵)

فقہاء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی۔ وہابی حضرات کو میرا چیلنج ہے کہ اگر یہ عورت متوفی صحابی کی زوجہ نہیں تھیں تو کس کی بیوی تھیں، ذرا اس صحابی کا نام بتادیں۔

ا۔ وہ عورت کون تھی؟

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز مشکوٰۃ شریف کی اپنی دونوں شروح لمعات التنقیح (عربی) اور اشعۃ اللمعات (فارسی) میں تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عورت مرنے والے کی بیوی تھیں، جنہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی دعوت کی تھی۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

کہ بر گزشت آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم یعنی از دفن میت پیش آمد را۔آنحضرت را دعوت کند بطعام از جانب میت۔[1]

۲۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عورت میت کی تھی۔ مولوی قطب الدین مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عورت فوت ہونے والے کی تھی۔ علاوہ ازیں مشکوٰۃ شریف کی جو شرح مرعاۃ وہابیوں نے کی ہے اس میں بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ عورت مرنے والے کی تھی۔

۳۔ مولانا عبد الہادی دیوبندی نے بھی تسہیل المشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ یہ عورت میت کی تھی۔

ہم تمہیں یہ چیلنج کرتے ہیں کہ تم مذکورہ حدیث کے کسی بھی حصے سے ثابت کر دو کہ وہ عورت میت کی بیوی نہیں تھی بلکہ فلاں عورت تھی۔ اگر تم اس چیلنج کو قبول کرنے کی حیثیت نہیں رکھتے تو خوامخواہ کی شر انگیزیوں سے باز آ جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پورے چودہ سو سال گزر جانے کے بعد تمہیں اس تحقیق کا جنون کیوں ہوا؟ اور پہلے محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ پر تمہارا اعتبار کیوں نہیں رہا؟

تشریح: ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ میت کے کھانے کے سلسلے میں فقہاء کے جو اقوال ہیں بظاہر یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ مثلاً بزازیہ، زیلعی اور ابن الھمام وغیرہ، اس کے کئی جوابات ہیں:

ا۔ مذہب حنفی کا بیان ہوا ہے جس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات اور کئی احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔ اس لئے مذہب حنفی کے خلاف ان فقہاء کے اقوال ہیں، قابل عمل نہیں۔

۲۔ مذکورہ آیات اور احادیث کے خلاف ان کے فتویٰ پر اہل اسلام کے لئے عمل نہیں بلکہ قرآن و حدیث پر عمل ضروری ولازمی ہے۔

تفسیر مظہری میں علماء دیوبندی کا مسئلہ

إذا افتى المجتهد وظهر ان فتواه مخالف للكتاب أو السنة وجب علينا اتباع الكتاب والسنة روى البيهقي فى المدخل بإسناد صحيح إلى عبد الله بن المبارك قال سمعت أبا حنيفة يقول إذا جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم فعلى الرأس والعين وذكر عن روضة العلماء عن أبى حنيفة قال اتركوا قولى بخبر الرسول صلى الله عليه وسلم وقول الصحابة رضى الله عنهم ونقل عنه انه قال إذا صح الحديث فهو مذهبى۔

---

[1](اشعۃ اللمعات، ص ۵۲۹)

ترجمہ: امام بیہقی نے مدخل میں صحیح سے عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جب حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے آجائے تو سر و چشم سے مقبول ہے اور روضۃ العلماء سے نقل کی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ آپ نے فرمایا کہ میرا قول اور بات رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خبر کے مقابلہ میں چھوڑ دو اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقابلہ میں۔ اور آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے۔[1]

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے شافعی کو یہ کہتے سنا: "جب تم میری کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت کے خلاف کوئی بات پاؤ تو سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مطابق بات کرو، اور جو کچھ میں نے کہا ہے اسے چھوڑ دو۔ خطیب نے الفقیہ والمتفقہ، ج۱، ص۱۵۹، ابو نعیم نے حلیہ، ج۹، ص۱۰۷ اور بیہقی نے مناقب، ج۱، ص۴۷۳ میں اس کی تخریج کی ہے، اھ۔

لہٰذا اصل مذہب اور نصوص مذکورہ کے خلاف ان فقہاء کا فتویٰ قابل قبول نہیں ہے۔

الکراھیۃ لابدلہ من دلیل خاص، اھ۔

حکم شرعی کے لئے دلیل شرعی ضروری ہے۔[2]

قال النووی (والمذھبان فاسدان) لان الکراھۃ انما ثبتت بنھی الشرع و لم یثبت فیہ نھی، اھ۔

یعنی کراہت کے لئے خاص دلیل ضروری ہے کراہت منع شرعی سے ثابت ہوتا ہے اور اس میں نہی نہیں، لہٰذا کراہیت نہیں ہے۔[3]

مسئلہ شاتم والساب للجناب الرفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں بزازیہ کی رائے

ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابًا من کتب المتاخرین ویکون القول خطأ اخطأ بہ اول واضع لہ فیأتی من بعدہ وینقلہ عنہ وھکذا ینقل بعضھم عن بعض کما وقع ذلک فی بعض مسائل ما یصح تعلیقہ وما لا یصح کما فیہ علی ذلک العلامۃ ابن نجیم فی البحر الرائق۔

---

[1] (التفسیر المظھری، ج ۱، ص ۸۲۹، ناشر: مکتبۃ رشدیہ، پاکستان)

[2] (بحر، ج۸، ص۲۱۳)

[3] (التحریر المختار لرد المحتار، ج ۱، ص ۱۱۴، مصری، النووی، ص ۲)

ترجمہ: اور یقیناً کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بیس کتابوں میں متاخرین کی کتابوں سے نقل متفق ہوتی ہے۔ اور وہ قول خطا ہوتا ہے اس کے پہلے واضع نے خطا ہو کر بیان کی ہو اور اس کے بعد آنے والے اس سے نقل کرتے ہیں اور اس طرح بعض بعض سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ یہ بعض رسائل میں واقع ہوا ہے اور اس کی تعلیق صحیح ہوتی ہے اور وہ جس کی تعلیق صحیح نہیں جیسا کہ صاحب بحر ابن نجیم نے اس کی تنبیہ کی ہے، اھ۔[1]

(ومن) ذلک مسئلة عدم قبل توبة الساب للجناب الرفیع صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فقد نقل صاحب الفتاویٰ البزازیة انه یجب قتله عندنا ولا تقبل توبته وان اسلم وعزا ذلک الی الشفاء للقاضی عیاض المالکی والصارم المسلول لابن تیمیة الحنبلی ثم جاء عامة من بعده وتابعه علی ذلک وذکروه فی کتبهم حتی خاتمة المحققین ابن الهمام وصاحب الدرر والغرر مع ان الذی فی الشفاء والصارم المسلول ان ذلک مذهب الشافعیة والحنابلة واحدی الروایتین عن الامام مالک مع الجزم بنقل قبول التوبة عندنا وهو المنقول فی کتب المذهب المتقدمة ککتاب الخراج لابی یوسف وشرح مختصر الامام الطحاوی والنتف وغیرها من کتب المذهب، اھ۔

ترجمہ: اور اس میں سے جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساب کی توبہ کا عدم قبول ہے۔ صاحب بزازیہ نے شفاء قاضی عیاض اور صارم المسلول ابن تیمیہ کو نسبت کرتے ہوئے کہا کہ اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ ہمارے نزدیک اور اس کا توبہ مقبول نہیں کی جاتی، پھر اس کے بعد عام آنے والوں نے آپ کی اتباع کی اور اس کو اپنی کتابوں میں ذکر کی یہاں تک کہ خاتم المحققین ابن الھمام اور صاحب درر غرر نے یہی طریقہ اپنایا۔ اس کے باوجود کہ شفا اور صارم المسلول میں مذکور مذہب امام شافعی اور حنابلہ اور ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ جرم کے ساتھ اس کی توبہ قبول کرنا ہمارے مذہب میں یہ کتب متقدمہ میں نقل کی گئی ہے جیسے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اور شرح مختصر امام طحاوی اور نتف وغیرہ میں کتب مذہب حنفی سے۔[2]

اس طرح اس کتاب کے ص ۳۳۰ پر تحریر فرما ہیں، اس میں یہ الفاظ زائد ہیں:

وقد نقل ذلک صاحب البزازیة مع تصرف فی التعبیر اصاب فی بعض منه دون بعض، اھ۔

یعنی صاحب بزازیہ مذکورہ کتب سے نقل تعبیر کچھ تصرف کے ساتھ کی بعض میں صحت کو پہنچا ہے اور بعض میں نہیں۔[3]

---

[1] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۱۳)

[2] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۱۴، سہیل اکیڈمی، لاھور)

[3] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۳۰، سہیل اکیڈمی، لاھور)

اور ص ۳۳۱ پر لکھتے ہیں:

کہ جب ہم نے ائمہ ثقات کو دیکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب ان کے قول کے خلاف ہے جیسا کہ ہم نے سابقہ بیان امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خراج کی عبارت ذکر کی اور اس کے لئے شرح طحاوی کی عبارت نقل کی وہ مذہب کی عمدہ کتاب ہے۔

آگے جا کر ص ۳۳۲ پر لکھتے ہیں:

وما کان ینبغی له ولا البزازی ان یفعلا ذلک فان فیه ایها ما عظیما لمن بعدهما وقد وقع کما رأیت حیث تابع البزازی من بعده علی شئی لا اصل له فی کتب المذهب ولا نقله احد ممن قبلهم، الخ۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے یہ مناسب اور جائز نہیں تھا اور نہ بزازیہ کے لئے کہ آپ ایسا کرتے کیونکہ اس میں بعد میں آنے والے علماء کو بڑے وہم میں واقع ہونا ہے، جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایسا ہوا ہے کہ بزازیہ سے بعد میں آنے والوں نے آپ کی اتباع کی ایسی چیز میں جس کے لئے کوئی اصل نہیں ہے، اھ۔[1]

تو تعجب ہے حضرت علامہ ابن الھمام جیسے عظیم المرتبۃ عالم پر کہ آپ نے بلا تحقیق مذہب حنفی کے خلاف بزازیہ کی تقلید کی۔

اس طرح شامی مصری آخر بحث میں لکھتے ہیں:

فَقَدْ عُلِمَ أَنَّ الْبَزَّازِيَّ قَدْ تَسَاهَلَ غَايَةَ التَّسَاهُلِ فِي نَقْلِ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ۔[2]

کلام البحر صریح فی ان المحقق ابن الهمام من اهل الترجیح حیث قال عنه انه اهل للنظر فی الدلیل وح وقلنا اتباعه فی مایحققه ویرجحه من الروایات او الاقوال مالم یخرج عن المذهب فان له اختیارات خالف فیها المذهب فلا یتابع علیها کما قاله تلمیذه العلامة قاسم۔

یعنی علامہ قاسم ابن الھمام کے شاگرد نے کہا کہ ابن الھمام کے لئے اختیارات ہیں اس میں آپ نے مذہب کے خلاف کیا ہے تو اس میں اس کی تابعداری نہیں کی جا سکتی۔[3]

قال العلامة قاسم فی حق شیخه خاتمة المحققین الکمال بن الهمام لا یعمل بابحاث شیخنا التی تخالف المذهب، الخ۔

[1] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۳۲، سہیل اکیڈمی، لاہور)

[2] (شامی مصری، ج ۳، ص ۳۱۷)

[3] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۲، سہیل اکیڈمی، لاہور)

علامہ قاسم نے اپنے شیخ کے بارے میں کہا کہ خاتمۃ المحققین ابن الھمام کی وہ بحثیں جس میں آپ نے مذہب کی مخالفت کی ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔[1]

قال تلمیذہ خاتمۃ الحفاظ الزینی قاسم بن قطلو بغا انہ لا عبرۃ بابحاث شیخنا اذا خالفت المنقول، انتھیٰ۔

قاسم صاحب نے فرمایا کہ ہمارے شیخ کی بحث جب مذہب منقول کے خلاف ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔[2]

و قد افاد العلامۃ قاسم فی فتاواہ انہ لا یعمل بابحاث شیخہ ابن الھمام المخالفۃ للمذھب۔۔۔ اتباعنا للمذھب واجب، الخ۔

اور یقیناً حضرت قاسم صاحب نے اپنے فتاویٰ میں بیان کی ہے کہ ہمارے شیخ کی وہ بحثیں جو مذہب کے خلاف ہوں، ان پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔۔۔۔ ہمارے لئے مذہب کی تابعداری واجب ہے۔[3]

ہمارے لئے بزازیہ اور آپ کی اتباع کی تقلید جائز نہیں۔[4]

شاہ انور شاہ صاحب دیوبندی کی شہادت سنو

و لیعلم أن المسألةَ فیمن دخلَ المسجد و قد صلی، أنه یُعید الظهرَ و العشاءَ. و في فتح القدير: أنه ينوي النفل. قلت: و فيه تسامحٌ، بل المذهب أنه يُعيدُ و يصلي تلك الصلاة بعينها، الخ۔

جان لو کہ مسئلہ اس شخص کے بارے میں ہے جس نے نماز ادا کی ہو اور مسجد آیا، تو نماز ظہر اور عشاء کو امام کے ساتھ دوبارہ ادا کرے گا۔ ابن الہمام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فتح القدیر میں تصریح کی ہے کہ وہ نفل کی نیت کرے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں تسامح ہے، بلکہ اصل مذہب حنفی یہ ہے کہ وہ اعادہ کرے گا اور بعینہٖ وہ نماز دوبارہ ادا کرے گا۔[5]

(تسامح) آپ میں آسان کرنا، بیان اللسان۔

۲۔ فائدة: ذهب ابن نجيم إلى أن الشيخ ابن الهمام قد بلغ من الفقه منصب الاجتهاد، أقول: بل هو من المرجحين، وليس بفقيه النفس. لأنه لا يأتي في الباب بشيء جديد سمحت به قريحته، وإنما يقرر كلمات القوم تقريرًا جيدًا، ولم أجد في كتابه حديثًا زائدًا على ما أخرجه الزيلعي، إلا في موضعين؛ أما الذي يكون فقيه النفس، فيكون له شأن يبدي عجائب، وغرائب، وتكون في ذهنه سلسلة المسائل يتفرع عليها بدون مناقضة، ولا مهاترة، انتهىٰ۔

---

[1] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۴، سھیل اکیڈمی، لاھور)
[2] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۳۵، سھیل اکیڈمی، لاھور)
[3] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۳۵، سھیل اکیڈمی، لاھور)
[4] (رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۳۵، سھیل اکیڈمی، لاھور)
[5] (فیض الباری شرح صحیح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۲، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ ابن الہام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہ میں مرتبہ ٔ اجتہاد کو پہنچے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ مرتبہ ٔ اجتہاد کو نہیں پہنچا مگر اہل ترجیح سے ہے۔ وہ باب میں کوئی نئی چیز نہیں لاتا کہ اس کا ابتدائی حصہ آسان کرے بلکہ صرف قوم کے کلمات اچھے طریقے سے ثابت کرتا ہے۔ امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مخرجہ اور نقل کردہ احادیث کے سوا میں نے آپ کی کتاب میں کوئی حدیث زائد نہیں پائی، مگر صرف دو جگہ۔ اور فقیہ النفس کی بہت بڑی شان ہوتی ہے۔ عجائب اور غرائب ظاہر کرتا ہے اور آپ کے ذہن میں مسائل کا ایک سلسلہ پکڑا ہوتا ہے، بغیر مناقضہ اور مہاترہ اس سے مسائل نکلتے ہیں۔[1]

نمبر ۳: اسی طرح محمد انور شاہ الکشمیری الدیوبندی مسئلہ ترک فاتحہ للمقتدی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں (خیار المجلس پر تبصرہ کرتے ہوئے):

أن ترك الفاتحة للمقتدي رُوِي عن الإمام، أَمّا إن هذا الترك في أيّ مرتبةٍ هو؟ فذلك أمرٌ أوجده المتأخّرون، وليس مَرْوِيًّا عن الإمام، فذهب ابن الهُمَام أنها مكروهةٌ تحريمًا. وزَعَمَ الناسُ أن تلك الكراهة مَرْوِيّةٌ عن الإِمام، مع أنا لا نجدها مَرْوِيَّةً عن إمامنا في موضعٍ. غير أن النهيَ عن القراءة إذا نُقِلَ عنه، ذهبت أذهانُ الناس تَبْحَثُ عن مراتبه، فحملها بعضُهم على الكراهة، اهـ۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ مقتدی فاتحہ نہ پڑھیں مگر یہ ہے کہ یہ ترک فاتحہ کا مرتبہ کون سا ہے؟ اس امر کو متاخرین نے ایجاد کیا ہے، اور امام سے منقول نہیں۔ تو ابن الھمام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرف گیا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور لوگوں نے یہ گمان کیا کہ یہ کراہت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔ اور اس کے باوجود کہ ہم اس کو کسی جگہ بھی امام سے یہ منقول نہیں پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کہ جب آپ سے منع از قرأۃ منقول ہوا۔ تو لوگوں کے ذہن اس طرف گئے کہ اس کے مراتب پر بحث کرتے ہیں تو بعض اس کو کراہت پر محمول کرتے ہیں۔[2]

علامہ محمد بدر عالم المیرٹھی استاد الحدیث بدابھیلی حاشیہ البدر الساری فیض الباری میں تحریر فرمایا ہے (وقت ظہر پر بحث کرتے ہوئے):

ولعَمْري إنه شيءٌ عُجاب، أيقولون بالنّسخ لأجلِ رواية عَنِ الإِمام الهُمام جاءت على خلاف الجمهور؟

---

1 (فیض الباری، ج۳، ص ۳۹۴)

2 (فیض الباری شرح صحیح البخاری، ج۳، ص ۲۱۴)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حدیث جبریل علیہ السلام کو منسوخ پر قول کرتے ہو۔ میرے عمر پر قسم کہ یہ تعجب کی بات ہے کہ امام ابن ھمام کی روایت پر خلاف جمہور پر قول کرتے ہیں۔[1]

وان رد علیہ الشیخ ابن الھمام وھذا الاستدلال ناقص عندی واعتراض الشیخ ابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ساقط کما سنقررہ، اھ۔

ترجمہ: اگرچہ شیخ ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا ہے ہمارے ہاں یہ استدلال ناقص ہے اور ابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اعتراض ساقط وگرا ہوا ہے جیسا کہ ہم جلد اس کو ثابت کر دیں گے۔[2]

اس کے باوجود ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ میت کے کھانے کے سلسلہ میں فقہاء کے جو اقوال ہیں بظاہر یہ حدیث (اور گذشتہ آیات وحدیث وآثار وغیرہ) ان کے خلاف ہے۔

مثلاً بزازیہ میں لکھا ہے کہ میت کے ورثاء کی طرف سے پہلے دن (یعنی موت والے دن) یا تیسرے دن اور ساتویں دن کھانا کھلانا مکروہ ہے۔

اسی طرح خلاصہ میں مذکور ہے کہ تیسرے دن (تیجے کے نام پر) کھانے کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو اس کھانے پر بلانا مباح نہیں ہے۔ زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ تین روز تک (غم منانے کے لئے) بیٹھنے میں مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ ممنوع چیزوں کا ارتکاب نہ ہو جیسے بچھونے بچھانا اور دعوت وضیافت کا اہتمام کرنا۔

نیز ابن الھمام نے بھی لکھا ہے کہ اہل میت کی ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ ان فقہاء نے یہ علت بیان کی ہے کہ ضیافت خوشی میں مشروع ہے نہ کہ غمی میں (سابقہ تحقیق میں آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے اور تحقیق ملاحظہ کی ہے: أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ (۱۳۳) الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (آل عمران ۱۳۴) خوشی اور غمی میں) یعنی ان کی یہ علت اللہ تعالیٰ کے کلام کی صریح مخالف ومتصادم ہے۔

اور ابن الہمام نے یہ بھی کہا ہے کہ اہل میت کی ضیافت (جو غمی میں دی جائے) بدعت سیئہ ہے۔ نیز امام احمد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ (تدفین کے بعد) میت کے گھر میں لوگوں کے جمع ہونے اور اہل میت کی طرف سے کھانا دیئے جانے کو ہم نوحہ میں شمار کرتے تھے (جس کی سخت ممانعت منقول ہے)۔

---

[1] (فیض الباری علی صحیح البخاری، ج۲، ص ۱۳۳، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)

[2] (فیض الباری شرح صحیح البخاری، ج۲، ص ۳۹۰)

جواب: ممانعت کہا ہے؟ کیوں نہیں لائے؟ اور دعویٰ مدلل نہیں کیا۔ پس عاصم بن کلیب کی روایت کردہ مذکورہ حدیث چونکہ فقہاء کے ان اقوال کے خلاف جاتی ہے اس لئے اس حدیث اور فقہی روایات کے درمیان تطبیق کی خاطر ضروری ہے کہ فقہاء کے اقوال کو یا تو خاص نوعیت کے ساتھ مقید کیا جائے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ فقہی روایات کے مطابق میت کے گھر لوگوں کو جو اکٹھا ہونے کی ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ لوگ محض رسمی طور پر یا ظاہرداری کے لئے میت کے گھر اکٹھے ہوں اور اہل میت کو شرما شرمی ان کے کھانے کا انتظام کرنے پر مجبور ہونا پڑے (جیسا کہ ہمارے ہاں دستور ہے کہ دور و قریب کی عورتیں میت کے گھر جا کر ڈھے جاتی ہیں اور میت کے پسماندگان گر استطاعت نہیں رکھتے تو قرض ادھار لے کر شرما شرمی ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں) یا ان فقہی روایات کو اس صورت پر محمول کیا جائے جس میں کھانے کا انتظام میت کے ترکہ سے ہو اور ورثاء میں سے کچھ صغیر السن ہوں یا موجود نہ ہوں اور یا ان کی اجازت ورضا معلوم نہ ہو (اس کی تردید امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور مذہب حنفی سے مفصل گزری ہے، اس لئے یہ تطبیق حدیث کے خلاف اور مذہب حنفی کے خلاف ہے اس لئے مقبول ہی نہیں)۔[1]

یا کھانے کا انتظام (ترکہ سے ہو) کسی شخص نے اپنے ذاتی مالب سے نہ کیا ہو بلکہ میت کے اس مال سے کیا ہو جو ورثاء کے درمیان تقسیم نہ ہوا ہو۔ اس کا جواب بھی گزرا ہے کہ جس نے یہ انتظام کیا ہو اس شخص کے مال سے حساب ہو گا۔ ان کے علاوہ کچھ دوسری صورتیں جن میں میت کا کھانا مختلف اسباب کی بنا پر مکروہ ہے (جیسے ہمارے یہاں بعض مقامات پر دستور ہے کہ بعض مقررہ تاریخوں پر یا ان سے ذرا آگے پیچھے کھانا پکا کر محض نام آوری کے لئے کھلوایا یا بانٹا جاتا ہے (جواب: هلا شققت قلوبهم) اور بعض لوگ قرض ادھار کر کے اس طرح کے اسراف کے مرتکب ہوتے ہیں۔

نیز قاضی خان کا یہ قول بھی انہی صورتوں پر محمول ہے کہ غمی اور مصیبت کے دنوں میں ضیافت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ دن رنج والم کے اظہار کے ہیں اور جو چیز خوشی و مسرت کے موقع کی غماز ہوتی ہے (جیسے ضیافت اور تقریب کا اہتمام) اس کو غمی کے موقع پر اختیار کرنا نہایت غیر موزوں ہے۔ ہاں اگر میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے فقراء کو کھلانے کے لئے کھانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ بے شک اچھا عمل ہو گا۔

جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال میں سے کھانے کا اہتمام کر کے لوگوں کو تین دن تک کھانا کھلایا جائے تو زیادہ صحیح روایت کے مطابق یہ وصیت سرے سے باطل قرار

---

[1] (حالانکہ تصریح اللوثوق فی ترجمۃ شرح البرزخ میں بحوالہ فتاویٰ الاوزجندی میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ سرورِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے تیسرے دن صدقہ وخیرات کی۔ تفصیل مذکورہ کتاب میں ملاحظہ ہو: ص۱۹۷، ۱۹۸، مطبوعہ راولپنڈی)

پائے گی۔ گو بعض حضرات نے کہا ہے کہ وصیت تہائی میں جائز ہو گی اور یہی قول زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک جو نقل ہوا وہ ملا علی قاری کے کلام کا خلاصہ ہے۔[1]

مولانا ابراہیم بن محمد الحنبلی نے صغیری اور کبیری، مطبوعہ عزیزیہ، دہلی میں ان کا یہ قول اپنے طرز پر نقل کر کے تحریر فرمایا ہے کہ بزازیہ کی کتاب لاستحسان میں ہے کہ اگر فقراء کے لئے طعام تیار کریں تو اچھا ہو گا۔ مگر یہ نظر اور اعتراض سے خالی نہیں کیونکہ جریر بن عبداللہ کی حدیث جو ذکر ہوئی اس کے سوا کراہت پر کوئی دلیل نہیں۔ اور یہ صرف موت کے وقت کراہت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اس کے بعد پر۔[2]

اور اس کے علاوہ یہ ہے کہ جریر صاحب کا قول عاصم بن کلیب کی حدیث جس کو امام احمد نے صحیح سند سے روایت کیا اور ابو داؤد نے روایت کیا۔ پھر عاصم کی حدیث تفصیل سے نقل فرما کر لکھا کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اہل میت کا طعام تیار کرنا اور اس کو لوگوں کو کھلانا مباح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ عاصم صاحب کی حدیث مرفوع ہے اور حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت موقوف ہے۔

اور قاعدہ مسلمہ یہ ہے، مولوی عبدالحئی لکھنوی ھدایۃ میں تحریر کرتے ہیں:

تعلق الشافع بحدیث ابن عباس لا یصح لان ذلک موقوف علیہ۔[3]

بحوالہ نہایۃ: والموقوف لا یصح الاستدلال بہ۔

یعنی متقابلہ و مرفوع پر موقوف پر استدلال صحیح نہیں۔[4]

ایضًا قال ما رواہ الخصم اما فعل الصحابۃ او قولہ وما روینا فعل الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم۔

یعنی خصم کی نقل کردہ روایت یا صحابی کا فعل ہے یا قول ہے اور ہماری روایت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فعل ہے لہٰذا خصم کا قول ہم پر حجت نہیں بن سکتا۔[5]

والموقوف لا یصح حجۃ۔

---

[1] (مظاہر الحق جدید غازی پوری، دیوبندی، ج۵، ص۵۰۷، ۵۰۹)

[2] (ص ۵۱۳)

[3] (ھدایۃ، ج ۱، ص ۷۰)

[4] (ھدایۃ، ج ۱، ص ۷۸)

[5] (ھدایۃ، ج ۱، ص ۱۶۵)

موقوف پر حجت پکڑنا صحیح نہیں ہو سکتا۔[1]

أن الحجة في الحديث المسند دون المقطوع، اھ۔

یعنی حجت حدیثِ مرفوعہ پر ہوتی ہے مقطوع پر نہیں۔[2]

اسلام جریر بن عبد اللہ البجلی

قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فی شہر ربیع الاول ۱۱ھ ۱۸ جون ۶۳۲ء

عَنْ جَرِيرٍ: هُوَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَبُو عَمْرٍو، أَسْلَمَ فِي السَّنَةِ الَّتِي تُوُفِّيَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -. قَالَ جَرِيرٌ: أَسْلَمْتُ قَبْلَ مَوْتِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِأَرْبَعِينَ يَوْمًا، وَنَزَلَ الْكُوفَةَ وَسَكَنَهَا، الخ۔

ترجمہ: سن گیارہ ہجری بارہ ربیع الاول بمطابق ۱۸ جون ۶۳۲ء سردار دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ جریر ابن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے حضور مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رحلت سے چالیس دن قبل اسلام قبول فرمایا، اور کوفہ جاکر وہاں سکونت اختیار کی۔ (اسماء الرجال میں یہ مذکور ہے)[3]

حرف الجیم: وذکر فی قولہ: کنا نری الاجتماع: ماضی استمراری فھو یداہ ما قال حکیم غلان جان قیس نعمانی نقشبندی خطیب جامع مسجد مرھتی رسالپور۔

اور جریر صاحب ماضی استمراری میں بات کرتے ہیں اس لئے حکیم غلام جان نے فرمایا ضبط الآثار لھدایۃ الاسرار، ص ۳۷ میں اور اس طرح خواجہ پیر صالح محمد صاحب نے ضبط الآثار لھدایۃ الاسرار، ص ۳۸ میں کہ حضرت جریر ابن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ جاہلیت کا وقوعہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کی وفات کے وقت ہم میں یہ رواج تھا کہ گاؤں کے لوگ جمع ہو کر جلسہ کرتے تھے اور گھر والے کھانے کا انتظام کرتے تھے، اھ۔

تو ابن جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس کو سرود سے شمار کرتے تھے۔[4]

یہ دور اسلامی میں اہل اسلام کا دستور نہیں جیسا کہ تفصیل صحیح اسناد سے دستور اسلام سات دن[1] تک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں میت کے لئے صدقات کرنا تھا وہ بھی جریر صاحب کے قول کو غیر اسلام کے دور کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔

---

[1] (عنایۃ بر فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۹۶)

[2] (عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۸)

[3] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۲۹۲، الناشر: دار الفکر، بیروت—لبنان، اکمال فی اسماء الرجال، ص ۵۸۹)

[4] (ضبط الآثار لھدایۃ الاسرار، ص ۳۷، حضرت خواجہ پیر صالح محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جورھاتھیان فی مؤلفہ ضبط الآثار لھدایۃ الاسرار، ص ۳۸)

یہ بھی عام قاعدہ ہے کہ جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔[2]

اس طرح بیان شدہ آیات، احادیث مرفوعہ، احادیث فعلیہ اور احادیث تقریری کے مقابلہ میں اس پر استدلال باطل ہے۔۔۔ صحیح نہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ کراہت جواز منع نہیں تھا۔

قاضی بر فتاویٰ ھندیۃ میں ہے:

وأصل الكراهة لا يمنع الجواز كالصلاة في الأرض المغصوبة۔

یعنی اصل کراہت جواز کو منع نہیں کرتا جیسا کہ غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا۔[3]

باقی رہی ابن ماجہ وغیرہ کی یہ حدیث:

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ أَبُو سَلَمَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الأَعْلَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أُمِّ عِيسَى الْجَزَّارِ، قَالَتْ: حَدَّثَتْنِي أُمُّ عَوْنٍ ابْنَةُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ جَدَّتِهَا أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ، قَالَتْ: لَمَّا أُصِيبَ جَعْفَرٌ، رَجَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ إِلَى أَهْلِهِ، فَقَالَ: إِنَّ آلَ جَعْفَرٍ قَدْ شُغِلُوا بِشَأْنِ مَيِّتِهِمْ، فَاصْنَعُوا لَهُمْ طَعَامًا. قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَمَا زَالَتْ سُنَّةً حَتَّى كَانَ حَدِيثًا، فَتُرِكَ۔

ترجمہ: مذکورہ سند کے ساتھ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے گھر کو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے واپس ہوئے تو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ آل جعفر اپنے مردہ کی غمی میں مشغول ہیں ان کے لئے طعام تیار کرو۔ عبد اللہ نے فرمایا کہ یہ اس وقت تک سنت تھا کہ بدعت سیئہ بنا تو چھوڑ دیا گیا۔[4]

صاحب انجاح الحاجۃ نے ابن ماجہ میں فرمایا:

قوله حتى كان حديث فترك اى ترك عمله او ترك من حيث السنة بل صار بدعة مذمومة۔

راوی کا یہ قول یہاں تک کہ بدعت ہوا تو یہ کام چھوڑ دیا گیا یعنی اس عمل کو چھوڑ دیا ی کہ من حیث سنت چھوڑ دیا گیا بلکہ بدعت سیئہ بنا، اھ۔[5]

---

[1](اور اس کے علاوہ وعن طاوس كانوا يستحبون أن لا يتفرقوا عن الميت سبعة أيام، الخ۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ مستحب جانتے تھے کہ سات دن تک میت سے منتشر نہ ہوں، الخ۔(عمدۃ القاری، ج۸، ص۱۰۱))

[2](اعلاء السنن، ج۲، ص۵۷۵، ج۲، ص۲۱۰، ج۲، ص۲۴۹)

[3] (فتاوی الھندیہ، ج۱، ص۲۰۶)

[4] (سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۱۱۵، ۱۱۶، نور محمد کراچی)

[5] (ابن ماجہ، ۱۱۶)

ایک جواب تو ابن ماجہ ہی سے روایت میں ثابت ہوا کہ اہل بیت کے لئے طعام تیار کرنا اور ان کو بھیج دینا بدعت سیئہ اور حرام ہے۔

جواب ۲: یہ کہ اس حدیث شریف میں اہل غم کے لئے طعام تیار کرنے کا حکم دیا گیا مگر یہ کہ غم والے کھانا نہ پکائیں کوئی منع ہی نہیں اور بغیر نہی شرعی کراہت ثابت نہیں ہو سکتی جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

جواب ۳: یہ کہ غزوۃ الموتہ سن ۸ ہجری جمادی الاول میں ہوا۔ تاریخ ضیاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ہے اسماء بن عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز موتہ کے میدان جنگ میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں (گیارہ ساتھیوں) نے شہادت کا شرف حاصل کیا اس روز رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں انہیں لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں پیار سے سونگھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکنے لگے یہاں تک کہ ریش مبارک بھیگ گئی۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضور کیوں رو رہے ہیں؟ کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع ملی ہے؟ فرمایا وہ آج شہید ہو گئے ہیں یہ سن کر میری بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ میری چیخ سن کر بہت ساری عورتیں جمع ہو گئیں۔ ہادئ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس وقت مجھے ارشاد فرمایا اے اسماء! کوئی بیہودہ بات زبان پر نہ لانا اور اپنے رخساروں کو طمانچے نہ مارنا۔[1]

مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر جرف کے مقام پر جمع ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ثنیۃ الوداع تک تشریف لائے وصیت کی: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور ہم رکاب مسلمانوں سے بھلائی کی تاکید کرتا ہوں اللہ کے منکروں سے جنگ کرو، کسی سے دھوکہ نہ کرو، بددیانتی نہ کرو، بچے کو اور عورت کو قتل مت کرو، بوڑھوں اور خانقاہوں والوں کو قتل نہ کرو، درخت نہ کاٹو، الخ۔[2]

[1] (تاریخ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۴، ص ۳۷۹، سبل الہدی والرشاد، ج ۶، ص ۱۵۳)

[2] (ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ج ۴، ص ۳۶۴)

موتہ میں شہداء کی تعداد کتنی تھی؟

وجميع من قتل من المسلمين يومئذ اثني عشر رجلا، وهذا أمر عظيم جدا أن يقاتل جيشان متعاديان في الدين أحدهما الفئة التي تقاتل في سبيل الله تعالى عدتها ثلاثة آلاف، وأخرى كافرة عدتها مائتا ألف مائة ألف من الروم ومائة ألف من نصارى العرب۔

ترجمہ: غزوہ موتہ کے دن بارہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے۔ یہ ایک عظیم الشان واقعہ ہے کہ دو لشکر دین کے بارے میں حد سے زیادہ تعدی کریں۔ ان میں ایک اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرتے تھے، ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ اور دوسرے کافر تھے ان کی تعداد دو لاکھ اہل روم اور ایک لاکھ نصاریٰ عرب تھے۔[1]

ان بارہ شہداء کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت مسعود بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ حضرت وہب بن ابی سرح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۔ حضرت عباد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت ابو کلیب بن عمرو بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۔ حضرت جابر بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ دونوں سگے بھائی تھے)

۱۱۔ عمرو

۱۲۔ عامر (یہ دونوں بھی سگے بھائی تھے)

اور سعد بن حارثہ بن عبادہ کے فرزند تھے۔[2]

---

[1] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج۸، باب ۴۰، ص۱۳۷، ۱۳۸)

[2] (ضیاء النبی ﷺ، ج۴، ص ۳۷۱، سبل الهدی والرشاد، ج۶، ص ۱۵۵)

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچا ابو طالب کے بیٹے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بھائی اور آپ سے دس سال بڑے تھے۔[1]

آپ کی شہادت کے دن آپ کے اہل وعیال کے زیادہ مشغول ہونے کا اندازہ آپ اس حدیث مبارکہ سے کر سکتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے (غزوۂ موتہ میں) شہید کر دیئے جانے کی اطلاع آئی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) میں بیٹھ گئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چہرہ پر رنج وغم کے آثار نمایاں تھے اور میں (آپ کی کیفیت) دروازے کے سوراخ سے دیکھے جا رہی تھی کہ اتنے میں ایک شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ "جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی عورتیں اس اس طرح کر رہی ہیں (یعنی اس نے ان کے رونے کا ذکر کیا) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسے حکم فرمایا کہ وہ جا کر انہیں منع کر دے۔ وہ چلا گیا (تھوڑی دیر بعد) دوسری مرتبہ واپس آ کر بتایا کہ عورتیں نہیں مان رہی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے پھر اس سے فرمایا کہ جا کر منع کر دو۔ کچھ دیر کے بعد پھر تیسری مرتبہ آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم وہ عورتیں ہم پر غالب آ گئیں (یعنی وہ ہمارا کہنا نہیں مان رہی ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گمان ہے کہ (یہ سن کر) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ فرمایا کہ "ان کے منہ میں مٹی ڈالو" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں (اس شخص سے) کہنے لگی کہ "خدا تمہاری ناک خاک آلود کرے تمہیں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو رنج پہنچانے کا سبب بنے۔ (بخاری ومسلم)[2]

یہ تو گزرا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان کو روتے ہوئے چھوڑ آئے تھے ان کو کچھ نصیحت کر کے آئے اور ان کے رونے کا حال دیکھ کر تو اس لئے اپنے گھر والوں کو ان کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا وہ بھی صرف ایک وقت یا ایک دن ہی کا تھا۔ نہ تو ان کے ہمسایوں کو کچھ حکم اور نہ دیگر گیارہ شہداء کے اہل وعیال کے لئے طعام تیار کرنے کا کسی کو حکم دیا۔ اگر اہل غم والے کے گھر میں طعام تیار کرنا منع ہوتا سارے شہداء کے لئے طعام تیار کرنے کا حکم دیتے اور اس گھر میں طعام تیار کرنے سے منع فرماتے، **فافهم**۔

---

[1] (عمدۃالقاری، ج۸، ص۱۳۷)

[2] (مشکوٰۃالمصابیح، ص ۱۵۲، مظاھر الحق جدید، ج ۲، ص۱۴۷، بخاری، ج۳، ص ۱۷۳، ج۲، ص ۱۱ ۲)

سوال: کیا جنگ موتہ میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گیارہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو شہید ہوئے ان کے اہل کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کسی کو طعام تیار کرنے کا حکم دیا؟ جبکہ ان میں دو گھرانوں سے دو دو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہید ہوئے۔ اگر نہیں کیا ہو تو یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ اس گھر میں پہلے دن بھی طعام تیار کرنا اور کھانا ہر گز ہر گز منع نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کہاں سے واپس آئے اور کہاں آئے؟

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آل جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے واپس ہو کر اپنے گھر تشریف لائے۔ طبرانی کی حدیث مرویہ حضرت ابی امامہ اور ابن عساکر ج ۱۲، ص ۴۲ یہاں تک کہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں آئے اور وہ کہتی تھیں: اے میرے چچا! تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شخص کو رونے والے رولیں۔ اس کے بعد طعام تیار کرنے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ قاضی خان میں فقیہ النفس نے لکھا ہے کہ اگر فقراء کے لئے طعام تیار کیا تو اچھا ہے [1]، ج ۴، ص ۷۸۱، باقی رہی یہ بات کہ لوگ اہل میت کے ہاں از خود جمع ہو کر وہاں ڈیرے ڈال لیں کہ ہم طعام کرتے رہیں اور ان کو (اہل میت کو) اس پر مجبور کرتے رہیں کہ ایسا کریں۔ نہ تو یہ کوئی عاقل و بالغ کرتا ہے اور نہ کبھی کرے گا۔

اس کے باوجود فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

فان قام المقتدی فی عرض الطریق و اقتدی بالامام جاز و یکرہ۔

اگر مقتدی راستے کے عرض میں کھڑے ہو کر امام کے ساتھ اقتداء کی جائز ہے اور مکروہ ہے۔ [2]

وأصل الكراهة لا يمنع الجواز كالصلاة في الأرض المغصوبة۔

یعنی اصل کراہت جواز کو منع نہیں کرتی جیسے غصب کردہ زمین پر نماز ادا کرنا۔ [3]

استفتاء: در مکان میت از روز مردن او بعام معمولی در جائے کہ ہمیشہ بعام پختہ می شد پختن جائز ست یانہ؟ ھو المصوب۔ جائز است واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحئی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

---

[1] (اور جس نے تیار کیا، تیار کرنے والے کے حصے میں شمار ہو گا جیسا کہ تفصیلاً گزرا ہے۔)

[2] (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۴۴)

[3] (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۹۸)

میت کے فوت ہونے کے دن سے معمول کے ساتھ طعام اس جگہ کہ وہاں ہمیشہ طعام پکایا جاتا ہے پکانا طعام جائز ہے یانہ؟

اب جواب یہ ہے کہ جائز ہے۔[1]

سوال: مستحب اطعمہ کتنے ہیں؟

جواب: قال الكرمانی قالوا الضيافات ثمانية أنوا ع الوليمة للعرس والخرس بضم المعجمة وسكون الراء وبالمهملة للولادة والاعذار بكسر الهمزة وبالمهملة ثم المعجمة للختان والوكيرة بفتح الواو للبناء والنقيعة لقدوم المسافر من النقع وهو الغبار والوخيمة بكسر المعجمة للمصيبة والعقيقة لتسمية الولد يوم السابع من ولادته والمأدبة بضم الدال وفتحها الطعام المتخذ للضيافة بلا سبب وكلها مستحبة الا الوليمة فانها تجب عند قوم، كذا فی المجمع۔[2]

دیوبندیوں کے مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

والضيافة على أنوا ع تسعة: منها الوتيرة والوكيرة والطعام الذي يصنع على ختم تعمير المكان، والطعام وقت القفول عن السفر، والضيافة التي تكون يوم الإيجاب والقبول في النكاح، وليس إجابة الدعوة مؤكدة، وفي بعض كتب الشافعية الوجوب، وإليه تشير عبارة الهداية۔[3]

یہاں باقی کا نام نہیں لکھا۔

اور فیض الباری علی صحیح البخاری میں باب الولیمۃ میں حق پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماہیں:

وفي المقام مباحث، تعرض إليها ابنُ العربي، ونأتيک ببعضها. قال: الأطعمةُ السندسية طعامُ الأملاک. الوليمة: طعامُ العُرس. الخرس: طعام الولادة، العَقِيقة: طعام حَلق رأس المولود، الغزيرة: طعام الخِتان، الوضيمة: طعام الخاتم النقيعة: طعام القادم من السفر، الوكيدة: طعام بناء الدار، النجعة: طعام الزائر، الترل: مايقدم قبل الطعام، المائدة: كلّ طعام يُدعى إليه ما كان، الخ۔[4]

یہاں پر نو اقسام بیان کرکے طعام کھانے سے پہلے جو کھایا جاتا ہے اس کو ترل سے تعبیر کیا گیا ہے اور مائدہ جس پر لوگوں کو بلایا جاتا ہے اس کو اس ہی مناسبت سے مائدہ کہا جاتا ہے۔

---

[1] (مجموع الفتاوی علی خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۱۹۹، منشی نولکشور، لکھنؤ)

[2] (بخاری، ج ۲، ص ۷۷۶، حاشیہ ۵، کرمانی، ج ۲، ص ۳۳۴، نووی، ج ۱، ص ۴۵۸، تعلیق محمود علی سنن ابی داؤد لفخر الحسن الگنگوھی، ج ۱، ص ۲۸۷، ابو داؤد حاشیہ ۴، ایچ ایم سعید، کراچی)

[3] (العرف الشذی، ص ۳۵۷، ص ۳۵۸)

[4] (فیض الباری، ج ۴، ص ۲۹۸)

اور دیوبندیوں کے مولوی محمد ذکریا المہاجر نے اوجز المسالک الی موطا امام مالک میں لکھتے ہیں:

ذکر نووی تبعا لعیاض ان الولائم ثمانیة الإعذار، الخ۔[1]

و اما طعام الاملاک فیسمی الشندخ ای یتقدم غیرہ سمی طعام الاملاک بذلک لانه یتقدم الدخول، الخ۔

اور ابن عربی نے اس کو اطعمة سندسیة کہا مگر یہ قاعدہ یہ ہے کہ **لا مشاحة في الاصطلاح۔**[2]

الغرض آٹھ یا نو اصطلاحات میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے، اور یہ شوافع رحمہم اللہ تعالیٰ اور احناف رحمہم اللہ تعالیٰ دونوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔

الوضیمة: بکسر ضاد: طعام یتخذ للمصیبة۔[3]

میت کا کھانا: **منجد: طعام المأتم۔**[4]

طعام المأتم۔[5]

مأتم: هو مجتمع الرجال و النساء فی الحزن و السرور، ثم خص به اجتماع النساء للموت۔

ماتم: کسی کی موت پر رنج اور افسوس، رونا، پیٹنا، اصل لغت میں عام شادی یا غم میں مردوں یا عورتوں کا مجمع (جمع ہونے کی جگہ)۔[6]

وضیمة: بالفتح بروزن مدینہ ضیافت ماتم از شرح نصاب و منتخب و کشف۔[7]

وضیمه: ماتم کی ضیافت۔[8]

ماتم: عورتوں کا مجمع، اھ۔[9]

---

[1] (اوجز المسالک، ج۴، ص۳۱۷، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

[2] شرح زاد المستقنع للشنقيطي: (11/267)

السؤال: ما معنى قول العلماء رحمهم الله: لا مشاحة في الاصطلاح؟

الجواب: الاصطلاح لا مشاحة فيه، بمعنى: أن لكل قوم أن يَصطلحوا على تسمية الشيء باسمه كاصطلاح بينهم، فلا يأتي واحد ويخطئهم، أو يبين عوارهم في اختيار هذا، فهذا مصطلح لهم، و لا مشاحة في الاصطلاح. و إذا اختلف اثنان، فإما أن يختلفا حقيقة أو صورة، فالخلاف ينقسم إلى: خلاف حقيقي و خلاف لفظي، فالخلاف اللفظي هو خلاف المصطلحات۔

(عمدة القاری، ج۲۰، ص۲۱۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

[3] (مجمع بحار الأنوار، ج۵، ص۸۲)

[4] (القاموس المحیط، ج۴، ص۱۸۷)

[5] (لسان العرب، ج۶، ص۳۳۴)

[6] (مجمع بحار الانوار، ج۴، ص۵۴۴، بیان اللسان، ص۷۱۰)

[7] (غیاث اللغات، ص۵۴۳)

[8] (حسن اللغات، ص۹۴۸)

[9] (حسن اللغات)

الوضیمة: میت کا کھانا۔[1]

وضیمہ: ماتمی ضیافت، غمی کا کھانا (ولیمہ کی ضد)۔[2]

ماتم: مصیبت، آفت، سیپنا، سوگ، رنج، غم، ملال، الم، اندوہ، کہرام، مرنے کا غم وغیرہ۔[3]

الغرض اس طعام کو مستحب اور بہترین طعام کہا گیا ہے، جس کی تفصیل آپ نے ملاحظہ کی۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم سے گزرا ہے کہ ماتم کے روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حکم سے پہلے دن تلبیحہ تیار کی جاتی۔

الصدقة ترفع النار

امام بخاری عدی بن حاتم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ اگرچہ کھجور کے ایک حصہ سے ہو۔[4]

صاحب فیض الباری نے لکھا کہ حاصل یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں ہے کہ اس کی مثل پر تصدق کرنا آگ کے دفع کرنے کے لئے مفید ہے۔[5]

تو کیا پہلے دن سے اپنے مردہ کو عذاب سے بچانا نہیں؟

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی مرفوعًا: آپ میں سے کوئی اپنے آپ کو بچا جائے اگرچہ کھجور کے ایک حصہ سے ہو۔[6]

اور باب ترک الحائض الصوم کے تحت لکھا ہے:

السابع فیه أن الصدقة تدفع العذاب و أنها تكفر الذنوب۔

اس باب میں کہ حائض عورت روزہ چھوڑ دے میں حدیث نقل فرما کر آگے استنباط الاحکام میں فرمایا ساتواں اس میں یہ ہے کہ صدقہ کرنا عذاب کو دفع کرتا ہے اور یہ گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔[7]

---

[1] (مصباح اللغات، ص ۹۵۲)

[2] (فیروز اللغات اردو، ص ۱۴۱۱)

[3] (فیروز اللغات، اردو)

[4] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۹۰)

[5] (فیض الباری، ج ۳، ص ۸، فتح الباری، ج ۳، ص ۲۸۴، کرمانی، ج ۴، ص ۲۱۳)

[6] (عمدۃ القاری، ج ۸، ص ۴۰۰)

[7] (عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۴۰۴، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے: بے شک آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیں اپنا وعظِ بلیغہ سنایا تو فرمایا اے لوگو! موت سے پہلے توبہ کرو اور نیک اعمال میں جلدی کرو (یعنی جلد ہی کرو) اس سے پہلے کہ آپ مشغول ہو جائیں اور آپ کے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے درمیان جو ہے اس کو پیوند کرو اللہ تعالیٰ کے کثرتِ ذکر سے اور کثرت صدقہ سے پوشیدہ اور ظاہر میں تجھے رزق دیا جائے گا اور تمہاری امداد کی جائے گی اور تم نیک ہو جاؤ گے۔[1]

اور مجموع الفتاوی لابن تیمیہ میں ہے:

إِذَا تُصُدِّقَ عَنْ الْمَيِّتِ عَلَى مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ أَوْ غَيْرِهِمْ؛ يَنْفَعُهُ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، وَكَذَلِكَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ مُحْتَسِبًا وَأَهْدَاهُ إلَى الْمَيِّتِ نَفَعَهُ ذَلِكَ وَاَللَّهُ أَعْلَمُ۔

ترجمہ: جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں جب میت کی طرف سے ان کی خیرات کی اور یا اور لوگوں پر تو اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ مردہ کو نفع اور فائدہ دیتا ہے۔ اور جس نے ثواب کی نیت سے تلاوت کی اور اس کو مردہ کو ھدیہ کر دیا تو یہ مردہ کو نفع دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔[2]

اس کے بعد میں بندہ خادم العلماء حضرت علامہ بدر الدین عینی کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری سے کچھ حوالہ جات نقل کرنے کے بعد مختصر تبصرہ علم عقائد سے نقل کرتے ہوئے اپنے اس رسالہ کو حالات کی نزاکت کی وجہ سے ختم کرنا چاہتا ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق اور موقع دیا تو تفصیلی بیان دوسرے رسالہ میں قلم بند کروں گا۔

آپ نے کتاب الحیض، حدیث ۳۰۹ سے استنباط احکام میں تحریر فرمایا ہے:

السابع فيه أن الصدقة تدفع العذاب وأنها تكفر الذنوب۔

یعنی صدقہ اور خیرات عذاب کو دفع کرتا ہے اور گناہوں کا کفارہ بنتا ہے، گناہوں کے لئے کفارہ ہے۔[3]

أن يطعم الولي عن الميت كل يوم مسكينا مدا من قمح وهو قول الزهري ومالك والشافعي في الحديد۔۔۔ يطعم عنه عن كل يوم صاعا من غير البر ونصف صاع من البر وهو قول أبي حنيفة۔

---

[1] (طریقۃ محمدیہ، ج۲، ص ۵۲، حدیقۃ، ج۲، ص ۸۹، بریقۃ المحمودیہ، ج۳، ص ۳۹۹، کوئٹہ)

[2] (مجموع الفتاوی، ج۲۴، ص ۱۳۳)

[3] (عمدۃ القاری، ج۳، ص ۴۰۴)

یعنی ایک روز کے صوم کے بدلے میں گندم کا ایک مد مسکین کو ہر روز کے بدلے میں دے گا۔ یہ امام زہری اور امام مالک اور امام شافعی کا قول جدید ہے اور امام ابو حنیفہ کے ہاں گندم کے علاوہ اور اجناس سے ایک پیمانہ مساوی تقریباً ساڑھے تین سیر انگریزی اور گندم سے اس کا آدھا ہر روز کے صوم کے بدلہ میں دے گا، جس کی اس نے وصیت کی ہو۔[1]

یہ ہے اس میت کا حکم جس کے ذمہ صیام، نماز کی قضاء ہو۔(تفصیل بعد میں)

کھانا پکانا اور کھانا اور جماع کرنا اس گھر میں جہاں مردہ پڑا ہو ملاحظہ ہو: عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص ۱۲۷ جس کی کچھ تفصیل گزری ہے، وہاں ملاحظہ ہو۔

علم عقائد کی کتب سے اقتباس

عقائد النسفیہ اور اس کی شرح العقائد میں ہے:

(وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم) أي: صدقة الأحياء (عنهم) أي: عن الأموات (نفع لهم) أي: للأموات خلافاً للمعتزلة ولنا ما ورد في الاحاديث الصحاح, الخ۔

ترجمہ: زندوں کی دعا اور صدقہ، خیرات میں مردوں کے لئے نفع اور فائدہ ہے۔ معتزلہ فرقہ کے لئے اس میں خلاف اور ہمارے لئے دلیل یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔[2]

صاحب الکتاب عمر بن محمد النسفی وهو من المجتهدین فی فروع الحنفیة ومن اتباع الامام ابی منصور الماتریدی فی اصول نبراس، ص ۱۵۔

یعنی نسفی صاحب فروع میں مجتہدین میں سے ہیں مذہب حنفی میں اور اصول میں ابو منصور ماتریدی کے تابع ہیں۔[3]

وقد یدفع عنه بدعاء او صدقة او نحو ذلک۔[4]

اور یقیناً عذاب قبر دعا اور خیرات وغیرہ سے صاحب قبر سے رفع کیا جاتا ہے وغیرہ میں سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

عن حمید بن حمید عن انس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم أنه قال: صفق الریاح وقطر الاقطار علی قبر مؤمن کفارة لذنوبه۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ مؤمن کی قبر پر ہوائیں اڑنا (آندھی) اور بارش برسنا اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔[1]

---

[1] (عمدۃ القاری، ج ۱۱، ص ۸۴)
[2] (شرح العقائد النسفیة، ص ۱۲۳، ۱۲۴، شوکة الاسلام فی اللکنوی)
[3] (نبراس شرح لشرح العقائد، ص ۵۷۸، ۵۷۹)
[4] (نبراس، ص ۳۱۴)

اس لئے قبر پر کوئی چیز ڈالنا مکروہ ہے۔[2]

اور صاحب طحطاوی نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جس کو میں نے بعض افاضل کی تحریر میں کہ کفایۃ الشعبی کو منسوب تھا دیکھا۔[3]

علامہ عبد الرحمٰن الصفوری الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

رأيت في كتاب المختار و مطالع الأنوار عن النبي صلى الله عليه و سلم أنه قال لا يأتي على الميت أشد من الليلة الأولى فارحموا امواتاكم بالصدقة فمن لم يجد فليصل ركعتين، الخ۔

کتاب مذکورہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت ہے کہ پہلی رات سے سخت ترین رات مردہ پر نہیں آتی، تو اپنے مردوں پر رحم صدقہ کرنے سے کرو، اور اگر صدقہ کے لئے کوئی چیز نہیں تو دو رکعت نماز ادا کرو۔[4]

صدقات اور خیرات کرنے والوں کا حال بھی مختصراً سنیں۔

رب العالمین کا ارشاد ہے:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرۃ ۲۶۸)

ترجمہ: شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اور سنن نسائی میں احمد بن شعیب النسائی اپنی سند سے عبد اللہ سے حدیث شریف بیان کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ آكِلُ الرِّبَا وَمُوكِلُهُ وَكَاتِبُهُ إِذَا عَلِمُوا ذَلِكَ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمَوْشُومَةُ لِلْحُسْنِ وَلَاوِي الصَّدَقَةِ وَالْمُرْتَدُّ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْهِجْرَةِ مَلْعُونُونَ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهَى عَنِ النَّوْحِ، اھ۔

پہلی حدیث میں آیا کہ صدقہ سے منع کرنے والا قیامت کے دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زبان پر ملعون ہوگا۔ اور دوسری حدیث میں کہ صدقہ سے منع کرنے والے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دنیا میں لعنت کی ہے۔ (یعنی مانع الصدقہ دنیا اور قیامت دونوں جہانوں میں ملعون ہے)۔[5]

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر ۲)

ترجمہ: تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

---

[1] (الفتاوی التاتارخانیه، ج۳، ص ۷۲، رشیدیه کوئٹه، جواهر النفیس، ص ۱۱۳)

[2] (مستخلص، ج ۱، ص ۳۲۵، حاشیه ۷، طحطاوی، ص ۵۰۵، فتاوی برهنه، ج ۱، ص ۳۶۱)

[3] (مراقی الفلاح، ص ۱۳۱، میر کتب خانه، کراچی)

[4] (نزهة المجالس، ج ۱، ص ۲۶)

[5] (سنن النسائی، ج ۲، ص ۳۸۰)

ایضاً فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (٣٦) الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (النساء٣٧)

ترجمہ: بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا، جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لیے کہیں۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء١٤٥)

ترجمہ: بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔

تمت بالخير

خاتمة

سبحان ربک رب العزة عما یصفون و سلام علی المرسلین و الحمد للہ رب العالمین: ثم ھذہ الرسالة بحمد اللہ و عونہ و حسن توفیقہ و الحمد للہ وحدہ و صلی اللہ علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم تسلیما کثیرًا دائمًا ابدًا لا ینقطع عددما کان و عددما یکون و عددما ھو کائن فی علم اللہ و رضی اللہ عن اصحابہ اجمعین و الحمد للہ رب العالمین، آمین، ثم آمین!

(۵) باب نمبر پانچ: نفع الأموات بحیلۃ الأسقاط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ و الصلوٰۃ و السلام علی افضل خلقه اجمعین و علیٰ اله و صحابته و ذریته الطیبین الطاهرین

اما بعد

حمد صلوٰۃ و سلام کے بعد عرض یہ ہے کہ کتاب ہذا بلسان اردو نظر قارئین پیش خدمت ہے۔ اگرچہ علماء کرام نے عربی زبان میں مسئلہ اسقاط پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اردو زبان میں مسئلہ ہذا پر بہت کم لکھا گیا۔ لہٰذا اراقم الحروف نے بزبان اردو برائے سہولت علی من لیس له حظ من العربیت چند صفحات تحریر کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ پایۂ تکمیل اور اختتام تک پہنچائے۔

آمین ثم آمین

رسالہ ہذا مختلف کتابوں سے نقل کیا گیا ہے۔ ترجمہ میں سہولت کو مد نظر رکھ کر حتی الوسع اتنا کام کیا کہ قارئین بخوبی سمجھ سکیں۔

اور یہ عاجز اردو زبان میں چنداں استعداد و مہارت یا تجربہ نہیں رکھتا ہے، پس اگر کہیں مخالفت پاویں یا غلطی دیکھیں تو بجائے تنقید کے صحیح محمل تجویز کریں، کیونکہ میں اپنے آپ کو غلطی سے بری نہیں سمجھتا ہوں۔

لغزش اور خطا گویا انسان کے خمیر میں داخل ہے۔ اس لئے امید واثق ہے کہ ناظرین اس ناکارہ کو معذور سمجھتے ہوئے جہاں کہیں رسالہ ہذا میں غلطی دیکھیں تو للہ اصلاح فرماویں یا مطلع فرمائیں۔

مطالعہ کرنے والے حضرات سے اعتراض و طعن زنی کی توقع نہیں بلکہ عفو و صفح کی آرزو میرا سرمایۂ زندگی ہے۔ خدائے ذوالجلال سے کیا بعید ہے کہ میری اس حقیر سی خدمت کو اس کی بے نیاز جناب میں شرف قبولیت حاصل ہو۔

اور جو حضرات اس سے نفع اٹھائیں اس ناکام و روسیاہ کے لئے دعا فرمائیں کہ مرضات الٰہیہ کی توفیق ہو اور رضاء حق نصیب ہو۔

ہر کہ خواند طمع دعا دارم　　　زاں کہ من بندہ گنہگارم

عرض یہ ہے کہ دور حاضر کے علماء نے جس طرح سیدھے سادھے مسلمانوں کو کار خیر سے منع کرنے یا روکنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔

اگر یہ عمل انسداد میں نہ آیا تو یقیناً عوام ہر کار خیر سے دریغ کریں گے۔ کیونکہ کئی ایک مسائل میں اختلاف ضرور ہے۔ لیکن علماء کرام کے لئے مناسب ہے کہ وہ عوام کو ہر مسئلہ کا اصلی طریقہ بتائیں۔ اور جو مفاسد ہیں وہ بھی بتائیں تاکہ عوام ایسے مسائل میں صحیح طریقہ پر عمل کرکے مفاسد سے بچیں اور روکنار ہو جائیں۔

ان مسائل میں ایک مسئلہ اسقاط بھی ہے جو لوگ منع کرتے ہیں وہ عوام کو ان کے وہ پہلو بتارہے ہیں جن سے وہ ممنوع ہے۔ اس طرح وہ عوام کے ذہنوں میں تشویش ڈال دیتے ہیں، اور وہ یقیناً مجبور ہوکر اس نیک عمل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ علماء حضرات جو منع کرتے ہیں اور وہ حضرات جو جائز قرار دیتے ہیں ان کے درمیان صرف نزاع لفظی ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا دعوٰی دوسرے فریق سے مخالف ہے۔

زیر آنکہ مثبتین کے نزدیک وہ دور اسقاط جو مفاسد سے خالی "لمواساۃ المیت لا لاحقاق الباطل و ضرر الاحیاء" اور مانعین کے نزدیک وہ دور اسقاط جو مفاسد و قبائح پر مشتمل ہو۔ مثلاً تقسیم مال یتیم و تقسیم مال بغیر رضاء الورثۃ وغیر ذلک تو مسئلہ حل و بے غبار ہو گیا۔ اور رفع نزاع ہوا۔ بلکہ اگر بقول مانعین اس حیلہ اسقاط سے فدیہ متحقق نہ ہو جائے تو اس کے امر مستحسن و صدقہ نفلی میں کوئی اختلاف نہیں حالانکہ صدقہ نفلی سے بہت سے گناہ زائل ہوتے ہیں۔

چنانچہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں:

الصدقۃ النفلیۃ ممحاۃ لکثیر من الذنوب المدخلۃ النار۔[1]

تو عجیب انصاف یہ ہے کہ سیدھے سادھے مسلمانون پر حیلہ اسقاط کرنے پر بدعت و کفر کی بمباری ہو رہی ہے۔ ہر جگہ سے ان آوازوں کی گونج نکلتی آرہی ہے ہر طرف سے یہی گولیاں آتی ہیں۔ آخر اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے متعلق بھی پوچھنا ہو گا۔ ہم انشاء اللہ اسی موضوع پر گفتگو کریں گے یہ مسئلہ اسقاط بہت مدت سے علماء کرام کے زیر بحث رہا ہے اور مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف ضرور ہی ہوتا ہے صحیح طریقہ و صحیح مسلک عوام کو معلوم نہیں ہوتا نہ طرفین کوئی معتدلانہ راہ اختیار کرکے عوام کے ذہن میں صحیح طریقہ بٹھانا چاہتے ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور بدگوئی سے فراغت نہیں رہتی۔ جو کہ مذاہب اربعہ میں منع ہے۔

---

[1] قولہ صدقہ نفلی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ (البقرۃ ۲۷۱)

ترجمہ: اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔

(قسطلانی شرح صحیح بخاری باب عظۃ النساء، ج ۱، ص ۱۹۰)

مسلمانوں کی آبرو خصوصاً عالم کی آبرو شریعت مقدسہ میں کس قدس وقیع ہے اس کا خیال نہیں رہتا ہے کہ قیامت میں بھی اس کی پوچھ ہوگی۔ مثلاً اگر کوئی آدمی اس کے آداب سے ناواقف ہو تو آداب سکھلائے جائیں۔ کیونکہ اس طرح اگر کوئی فعل بھی خلاف آداب ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دیا جائے تو شاید کوئی فریضہ اور کوئی عبادت بھی نہ رہنے دی جائی گی۔ کیونکہ زمانۂ حال میں ہر فعل ماموربہ سے اتنے نقائص وابستہ ہیں جن کا شمار نہیں اس لئے ہدایت کی ضرورت ہے نہ کہ یہ کہنے کی کہ بھائی تم چلنا نہیں جانتے یا صحیح نہیں چلتے اس لئے چلنا ہی چھوڑ دو۔ اگر کسی خرابی کی وجہ نفس فعل ہی سے انکار کیا جائے تو عجیب ہدایت و رہنمائی ہے۔ بھائی اس کا علاج تفہیم ہے تکفیر نہیں!

دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آن حضرت محمد ﷺ کی بعثت شریفہ تک حج قوم عرب کا ایسا عام شعار تھا، جس کے تمام اصول وارکان پہلے ہی سے موجود تھے ان کا محل وطریقہ بدل گیا تھا اُن میں بعض مشرکانہ رسول داخل ہو گئی تھیں۔ بانیٔ اسلام علیہ افضل التحیۃ و سلام نے ان مفاسد کی اصلاح کی اور صحیح طریقہ ابراہیمی علیہ السلام بتلا دیا۔

اہل عرب قربانی کا خون خانہ کعبہ کی پاک دیواروں پر لگاتے تھے کہ خدا سے تقرب حاصل ہو جائے، یہود قربانی کا گوشت جلاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ یہ دونوں باتیں مٹادی گئیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی لَنۡ یَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنۡ یَنَالُهُ التَّقۡوٰی (الحج ۳۷) ترجمہ: اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں نہ اُن کے خون ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ تقویٰ قبول کرتا ہے)۔ قریش کے علاوہ تمام لوگ ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ دلیل یہ تھی کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کیئے ہیں اُن کپڑوں میں طواف جائز نہیں۔ ہاں جن کو قریش کی طرف سے ستر عورت کے لئے جو کپڑا مستعار ملتا تھا اس سے اپنی ستر پوشی کرتے تھے ورنہ ننگے طواف کرتے تھے۔

اسلام نے عجیب الفاظ کے ساتھ خطاب فرمایا:

خُذُوا زِینَتَكُمۡ عِندَ كُلِّ مَسۡجِدٍ (الاعراف ۳۱)

انصار مدینہ جب حج سے واپس لوٹ جاتے تو دروازہ سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پچھواڑے سے کودا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے وَلَیۡسَ الۡبِرُّ بِأَنۡ تَأۡتُوا الۡبُیُوتَ مِنۡ ظُهُورِهَا وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰی وَأۡتُوا الۡبُیُوتَ مِنۡ أَبۡوَابِهَا (البقرۃ ۱۸۹) سے یہ رسم مٹادی۔ بعض لوگ ایام حج میں تجارت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ دلیل یہ تھی کہ یہ تجارت حج کے تقدس و حرمت کے منافی ہے۔ قرآن کریم نے عجیب الفاظ میں ہدایت فرمائی:

لَیۡسَ عَلَیۡكُمۡ جُنَاحٌ أَنۡ تَبۡتَغُوا فَضۡلًا مِنۡ رَبِّكُمۡ (البقرۃ ۱۹۸)

اور اسی طرح اشیاء دیگر میں بھی۔

یعنی دین کی طرف بلانے کے لئے کیسے لطیف اور نرم الفاظ میں بلانے کے طریقے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتادیئے۔

اسی طرح ہمیں بھی یہی حکم ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل ۱۲۵)

اب دور حاضر کے بعض علماء دین کے متعلق آپ خود سوچیں کہ دین کی عجیب خدمت کررہے ہیں کہ تغلیظ کے ہتھیار سے کام لیتے ہیں۔ بس اس کا انجام یہ ہوا کہ اصل مقصد فوت ہوگیا اور ایک دوسرے کے ساتھ طعن زنی میں مشغول ہوگئے۔ سبحان اللہ انیٰ یؤفکون۔

جان لو کہ حیلہ اسقاط مرکب اضافی ہے یعنی حیلہ کی اضافت نسبت ہوا ہے لفظ اسقاط کو اور مرکب کی تشریح موقوف ہے تشریح اجزاء مرکب پر۔ کیونکہ مرکب کی معرفت موقوف ہے تعریف اجزاء پر۔

حیلہ کے معنی یہ ہیں؛ ھی مایتوصل بہ الیٰ مقصود بطریق خفی مباح۔

ترجمہ: حیلہ وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ یعنی سبب سے مقصود وصول ہوتا ہے (یعنی مقصود حاصل ہوجائے) خفیہ مباح طریقہ کے ساتھ۔[1]

تین شروح بخاری میں یہ معنی مذکور ہے۔

اور علامہ ابن نجیم اشباہ و نظائر میں تحریر کرتے ہیں:

الْحِيَلِ جَمْعُ حِيلَةٍ، وَهِيَ الْحِذْقُ فِي تَدْبِيرِ الْأُمُورِ، وَهِيَ تَقْلِيبُ الْفِكْرِ حَتَّى يَهْتَدِيَ إلَى الْمَقْصُودِ۔

حیل حیلہ کی جمع ہے۔ حیلہ کے معنی ہیں ہوشیاری و بیداری کرنا امور کی تدابیر میں۔ اور یہ اس طرح کہ فکر کو پھیر کر حتیٰ کہ مقصود حاصل ہوجائے۔[2]

والاسقاط مصدر من باب الافعال مجردہ سقط یسقط معناہ اسقاط الصلوٰۃ والصوم ونحو ھنا عن ذمۃ من علیہ فمعنی المرکب الاضافی حیلۃ فی اسقاط ھذہ الاحور او لاسقاط ھذہ الامور۔

ترجمہ: اسقاط مصدر باب افعال سے ہے اس کا مجرد سقط یسقط ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ ساقط ہوجائے جن کے ذمہ پر ہو۔ تو مرکب اضافی کے معنی یہ ہوئے کہ یہ حیلہ ہے اُن امروں کے اسقاط میں یا اُن کے اسقاط کے لئے۔

جب آپ نے یہ جان لیا تو اب ہم آپ کو نفس حیلہ کے جواز میں از قرآن مجید واز مفسرین حضرات واز حدیث وکلام فقہاء سے ثابت کریں گے اور حیلۂ اسقاط کے بارے میں فقہاء کرام کی جو تصریحات ہیں وہ بیان کریں گے۔

---

[1] (قسطلانی وعینی وفتح الباری)

[2] (الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ج ۱، ص ۴۰۶۔ الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

سمجھ لو کہ نفس حیلہ سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرنا ہے کیونکہ قرآن مجید میں سورۃ یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کے بھائی نے جس کا نام بنیامین تھا اپنے پاس رہنے کے لئے بادشاہ کا صاع (پیمانہ) بھائی کے بار یعنی سامان میں خفیہ رکھ کر نداء کی:

أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ (یوسف ۷۰)۔

ندا کی اے قافلہ والو! بے شک تم چور ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ (یوسف ۷۶)

ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ حیلہ پسند ہوا، کیونکہ امتنان و احسان میں ذکر فرمایا۔ اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ارشاد فرماتا ہے کہ جس وقت کفار نے طلب کیا کہ وہ ان کے ساتھ عید کے لئے جائیں: فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ (۸۸) فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ (الصافات ۸۹) پھر اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا، پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یعنی حیلہ و مخرج طلب کیا تاکہ وہ اُن کے ساتھ عید کے لئے نہ جائیں اور خود کو معذور سمجھا۔

الحاصل: اللہ تعالیٰ نے یہ حیلہ ذکر کیا اور کچھ انکار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نہ کیا، اور اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کو ارشاد فرمایا جبکہ انہوں نے حلف اٹھایا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں تو میں اپنی بیوی کو ۱۰۰ درے ماروں گا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا[1] فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ (ص ۴۴)

[1] ضغث کے معنی تفسیر حسینی میں لکھتے ہیں "رستہ چوب از خرمایا از حشائش خشک شدہ بعد وصد باشد انتہٰی"۔ روح المعانی میں لکھتے ہیں۔ الضغث وهو الخرمة الصغيرة من حشيش، اور یحان ترجمہ ضغث گھاس کی چھوٹی گٹھڑی کو یا گل ریحان کی گٹھڑی کو کہتے ہیں۔

جواز حیلہ میں قرآن مجید و مفسرین حضرات کی تصریحات

صاحب تفسیر مدارک اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

فاضرب بِهِ وَلاَتَحْنَثْ وكان حلف في مرضه ليضربن امرأته مائة إذا برأ فحلل الله يمينه بأهون شيء عليه وعليها لحسن خدمتها إياه وهذه الرخصة باقية ويجب أن يصيب المضروب كل واحدة من المائة والسبب في يمينه أنها أبطأت عليه ذاهبة فی حاجة فخرج صدره وقيل باعت ذؤابتيها برغيفين وكانتا متعلق أيوب عليه السلام إذا قام۔

ترجمہ: مارو اس پر اور حانث نہ ہو جاؤ اور ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی حالت بیماری میں کہ اپنی عورت کو ۱۰۰ دُرے ماروں گا جب صحیح ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو حلف سے آسان چیز کے ساتھ حلال وبری کیا، اُن پر یہ مہربانی کی اور اُن کی بیوی پر بھی۔ کیونکہ وہ اُن کی اچھی خدمت کرنے والی تھی۔ اور یہ رخصت باقی ہے لیکن واجب ہے کہ مضروب کو ہر ایک اُن ۱۰۰ سے پہنچ جائے اور ایوب علیہ السلام کے حلف کی وجہ یہ تھی کہ ایک حاجت کے لئے اُن کی بیوی چلی گئی تھی لیکن آنے میں کچھ دیر ہوئی تھی تو ایوب علیہ السلام کا سینہ تنگ ہو گیا تو اسی وجہ سے حلف لیا اور بعض یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ بیوی نے اپنے دو ذوائب دو روٹیوں کے عوض فروخت کیے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام جب اُٹھتے تھے تو ان سے سہارا لیتے تھے۔ [1]

اور علامہ آلوسی حنفی المذہب اس مقام پر بحث کرتے ہیں:

فاضرب به ولا تحنث فان البر يتحقق به۔

ترجمہ: اس پر مارو اپنی زوجہ کو اور یمین میں حانث نہ ہو کیونکہ خلاصی از حلف اس کے ساتھ متحقق اور ثابت ہوتا ہے۔

ولقد شرع الله تعالى ذلک رحمة عليه وعليها لحسن خدمتها إياه ورضاه وهي رخصة باقية في الحدود في شريعتنا وفي غيرها أيضا لكن غير الحدود يعلم منها بالطريق الأولى فقد أخرج عبد الرزاق وفي أحكام القرآن العظيم للجلال السيوطي عن مجاهد قال: كانت هذه لأيوب خاصة وقال الكيا: ذهب الشافعي وأبو حنيفة وزفر إلى أن من فعل ذلک فقد بر في يمينه وخالف مالک ورآه خاصا بأيوب عليه السلام وقال بعضهم: إن الحكم كان عاما ثم نسخ والصحيح بقاء الحكم وكثير من الناس استدل بها على جواز الحيل وجعلها أصلا لصحتها وعندي أن كل حيلة أوجبت إبطال حكمة شرعية لا تقبل كحيلة سقوط الزكاة وحيلة سقوط الإستبراء وهذا كالتوسط في المسئلة فإن من العلماء من يجوز الحيلة مطلقا ومنهم من لا يجوزها مطلقا وقد أطال الكلام في ذلک العلامة ابن تيمية۔

---

[1] (تفسير النسفي: مدارک التنزيل وحقائق التأويل، ج۳، ص ۱۵۸ ۔ الناشر: دار الكلم الطيب، بيروت)

جواز حیلہ میں قرآن مجید و مفسرین حضرات کی تصریحات

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یہ جائز کیا از روئے رحمت ایوب علیہ السلام پر اور ان کی بیوی پر کہ وہ ان کی اچھی خدمت کرتی تھی اور یہ رخصت ہماری شریعت میں حدود و غیر حدود میں بھی باقی ہے۔ لیکن غیر حدود بطریق اولیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ عبد الرزاق نے اپنی کتاب میں تخریج کیا الیٰ اخرہ۔[1]

احکام قرآن مصنفہ مولانا جلال الدین السیوطی میں مجاہد سے روایت ہے کہ یہ خاص ایوب علیہ السلام کے لئے تھا اور "کیا" (ایک عالم کا نام ہے) نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ و شافعہ و زفر رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا مذہب یہی ہے کہ اگر کسی آدمی نے ایسا حلف اٹھایا (یعنی حلف ایوب علیہ السلام کی طرح) اور پھر اس طرح کام کیا تو یمین سے بری ہو گیا۔ اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خلاف کیا کہ انھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور بعض علماء نے یہی کہا ہے کہ یہ حکم پہلے عام تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم باقی ہے، الخ۔ اور بہت سے لوگ حیلوں کے جواز میں اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ حیلہ بناتے ہیں حیلہ کی صحت پر لیکن میرے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جو حیلہ حکمت شرعی کو باطل کرتا ہے وہ ہر گز قبول نہ ہو گا۔ جیسا کہ حیلہ برائے سقوط زکوٰۃ یا حیلہ سقوط استبراء کے لئے اور ہماری رائے اس مسئلہ میں توسط کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ بعض علماء مطلقاً حیلہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ابطال حق ہو اور بعض مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں اور اس مسئلہ میں ابن تیمیہ نے بہت طویل بحث کی ہے۔ اور علامہ زمخشری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کشاف میں اسی مقام پر لکھتے ہیں:

وھذہ الرخصۃ باقیۃ۔

اور یہ رخصت باقی یعنی منسوخ نہیں ہے۔

اور صاحب تفسیر ابن کثیر اسی محل میں لکھتے ہیں:

فأفتا اللہ عزوجل ان یاخذ ضغثا وھو الشمراخ فیہ مائۃ قضیب فیضربھا بہ ضربۃ واحدۃ وقد برت یمینہ وخرج حنثہ وفی بنذرہ وھذا من الفرج والمخرج لمن اتقی اللہ تعالیٰ و اناب الیہ الخ۔ و استدل کثیر من الفقھاء بھذہ الآیۃ الکریمۃ علی مسائل فی الایمان وغیرھا وقد اخذوھا بمقتضاھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ ایک ضغث جو بمعنی شراخ ہے یعنی ایک شاخ کہ اُس میں ۱۰۰ قضیب ہوں تو اس پر اُس کو (عورت کو) ایک بار مارو تو تم قسم سے بری ہو جاؤ گے اور اس کے حنث سے نکلو گے اور اپنی نذر پر معافی پاؤ گے اور یہ حیلہ یا اس کے مانند حیلے اُن لوگوں کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں (یعنی نیک لوگوں کو اللہ

---

[1] (روح المعانی، ج۲۳، ص۲۰۹۔ الناشر: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

تعالیٰ ایسے حیلے اور تدابیر تجویز کرتے ہیں) بہت سے فقہاء کرام نے اس آیت کریمہ پر استدلال پکڑا ہے قسموں وغیرہ کے مسائل میں اور انہوں نے اپنی مقتضیات میں اس آیت پر عمل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ عالم ہے حق صواب بات پر۔ [1]

علامہ اسمعیل حقی الحنفی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں:

فقد شرع اللہ ھذہ الرحمة رحمة علیه وعلیها لحسن خدمتها ایاہ ورضاہ عنها وھی رخصة باقیة فی الحدود یجب ان یصیب المضروب کل واحد من المائة اما باطرافها قائمة او باعراضها مبسوطة علی ھیئة الضرب ای بشرط ان توجد صورة الضرب ویعمل بالحیل الشرعیة بالاتفاق روی ان اللیث بن سعد حلف ان یضرب ابا حنیفة بالسیف ثم ندم من ھذہ المقالة وطلب المخرج من یمینه فقال ابو حنیفة رحمه اللہ خذ السیف واضربنی بعرضه فتخرج عن یمینک کما فی مناقب الامام رضی اللہ عنه۔

وفی تفسیر ابی سعود مثل ھذا لکن الیٰ قوله بشرط ان توجد صورة الضرب فقط۔

اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت جائز کی ایوب علیہ السلام پر ازروئے رحمت اور اُن کی بیوی پر۔

کیونکہ وہ ایوب علیہ السلام کی اچھی طرح خدمت کیا کرتی تھیں اور وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) اُن سے راضی تھے۔ اور یہ رخصت حدود میں باقی ہے اور واجب ہے کہ مضروب کو ایک درہ ان ۱۰۰ میں سے پہنچ جائے برابر بات ہے کہ اطراف سے ہو حالت قیام میں یا عرض سے ہو حالت بسط میں لیکن صورت ضرب پر یعنی اس شرط سے کہ مارنے کی صورت پیدا ہو جائے۔ [2]

اتفاق علمائے کرام اس پر ہے کہ شرعی حیلوں پر عمل کیا جائے۔ روایت ہے کہ لیث بن سعد نے قسم کھائی کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تلوار سے ماروں گا پھر اپنے اس قول پر پشیمان و نادم ہو گیا۔ اور امام صاحب سے اپنے اس قول کا حیلہ طلب کیا تو امام صاحب نے کہا کہ تلوار لے لو اور مجھے اس کے عرض سے مارو، پس تم اپنے حلف سے نجات پاؤ گے۔ جیسا کہ امام صاحب کے مناقب میں ذکر ہوا ہے۔

اور صاحب تفسیر خازن اسی مقام پر رقمطراز ہیں:

فاضرب به ولا تحنث وکان قد حلف أن یضرب امرأته مائة سوط۔ الخ۔ وھل ذلک لأیوب خاصة أم لا ؟ فیه قولان أحدھما أنه عام. وبه قال ابن عباس وعطاء بن أبي رباح والثاني أنه خاص بأیوب. قاله مجاھد واختلف الفقهاء فیمن حلف أن یضرب عبدہ مائة سوط فجمعها وضربه بها ضربة واحدة. فقال مالک واللیث بن سعید وأحمد لا یبر. وقال أبو حنیفة والشافعي إذا ضربه ضربة واحدة فأصابه کل سوط علی حدة فقد بر واحتجوا بعموم ھذہ الآیة۔

[1] (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۰)

[2] (تفسیر روح البیان، ج ۱۲، ص ۱۷۶)

اس کو مارو اور حانث نہ ہو جاؤ۔ اُس نے حلف اٹھایا تھا کہ میں اپنی بیوی کو ۱۰۰ درے ماروں گا، آیا یہ حیلہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے خاص تھا یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عطا بن ابی رباح کا یہ قول ہے کہ یہ عام ہے۔ دوسرا قول مجاہد کا ہے کہ یہ خاص حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ ہے، فقہاء کرام نے اختلاف کیا اُس آدمی کے بارے میں کہ جس نے حلف اُٹھایا کہ میں اپنے غلام کو ۱۰۰ درے ماروں گا تو اُس نے ۱۰۰ کو جمع کیا اور ایک بار اُسے مارا۔ امام مالک ولیث بن سعید و احمد بن حنبل کا یہ مذہب ہے کہ یمین سے بری نہیں ہوتا اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ اگر ایک بار مارا اور ہر ایک اُس کو علیحدہ پہنچ گیا تو قسم سے بری ہو گیا، یعنی خلاصی ہو جائے گی۔ انہوں نے اس آیت کے عموم پر احتجاج و دلیل پکڑی ہے۔[1]

اور علامہ خفاجی نے آیت کو مد نظر رکھ کر لکھا ہے:

زوجته ليا بنت يعقوب وقيل رحمة بنت افراثيم بن يوسف ذهبت لحاجة فأبطأت فحلف إن برىء ضربها مائة ضربة فحلل الله يمينه بذلک وهي رخصة باقية في الحدود في شريعتنا وغيرها۔

ایضاً: لکن غير الحدود يعلم منها بالطريق الأولى، وكون حكمها باقيا هو الصحيح حتى استدلوا بهذه الآية على جواز الحيل وجعلوها أصلاً صلحتها۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی جس کا نام لیا بنت یعقوب تھا اور کسی نے کہا ہے کہ رحمت بنت افرائیم بن یوسف تھا۔ وہ ایک حاجت کے لئے چلی گئی تھیں۔ تو اُن سے سستی اور دیر ہو گئی، حضرت ایوب علیہ السلام نے حلف اُٹھایا کہ جب میں تندرست ہو جاؤں تو تمہیں ۱۰۰ درے ماروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یمین سے بری کیا اس چیز پر۔، اور یہ رخصت باقی ہے حدود ہوں یا غیر حدود ہماری شریعت میں۔ لیکن غیر حدود بطریق اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور حکم کا باقی ہونا صحیح بات ہے۔ حتیٰ کہ علماء نے حیلوں کے جواز میں اس آیت کو پکڑا ہے اور حیلہ کی صحت پر اس آیت کو اصل بنایا ہے۔[2]

---

[1] (تفسير الخازن المسمى لباب التأويل في معاني التنزيل (موافق للمطبوع)، ج٦، ص ٢١۔ دار النشر: دار الفكر - بيروت/لبنان)

[2] (حَاشِيةُ الشِّهَابِ عَلَى تفْسيرِ البَيضَاوِي، ج٧، ص ٣١٣۔ دار النشر: دار صادر۔ بيروت)

والاحادیث فی جواز الحیلة

روی أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم الأحزاب لعروة بن مسعود في شأن بني قريظة: "فلعلنا أمرناهم بذلک" فلما قال له عمر رضي الله عنه في ذلک قال عليه السلام: "الحرب خدعة" وكان ذلک منه اكتساب حيلة ومخرج من الإثم بتقييد الكلام بلعل ولما أتاه رجل وأخبره أنه حلف بطلاق امرأته ثلاثا أن لا يكلم أخاه قال له: "طلقها واحدة فإذا انقضت عدتها فكلم أخاک ثم تزوجها" وهذا تعليم الحيلة والآثار فيه كثيرة من تأمل أحكام الشرع وجد المعاملات كلها بهذه الصفة, الخ۔ وقال فمن كره الحيل في الأحكام فإنما يكره في الحقيقة أحكام الشرع وإنما يقع مثل هذه الأشياء من قلة التأمل۔

پس جواز حیلہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض مبسوط السرخسی میں ذکر ہیں۔ روایت ہے کہ یوم احزاب میں نبی کریم ﷺ نے عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ کلام کیا بنی قریظہ کی شان میں، کہ شاید ہمیں اس پر امر کیا ہو گا۔ پس جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں پوچھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنگ دھوکہ ہے (یعنی جنگ میں دھوکہ سے کام ہوتا ہے) اور یہ نبی کریم ﷺ نے حیلہ طلب کرنا اور گناہ سے بچانا تھا کہ کلام کو لفظ "لعل" سے مقید کیا۔

اور جب کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور بتایا کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاق دینے پر محض اس لئے حلف اٹھایا ہے کہ اپنے بھائی سے نہیں بولوں گا (یعنی نبی کریم ﷺ سے اپنے حلف کا حیلہ طلب کرتا تھا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اُس کو (عورت کو) تین طلاقیں دو، جب اُس کی عدت گزر جائے (یعنی تین حیض کامل گزر جائیں) تو اپنے بھائی سے بات چیت کرو، پھر اُس کے ساتھ (اپنی عورت سے) نکاح کرو، یہ نبی کریم ﷺ سے تعلم حیلہ تھا۔

حضرت امام شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حیلہ کے جواز میں بہت سے آثار وارد ہوئے ہیں اور جو کوئی احکام شرع میں تامل و فکر کرے تو معاملات میں ہر معاملہ اسی صفت کے ساتھ پائے گا، الخ۔ اور سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو کوئی احکام میں حیلوں کو مکروہ و غیر مستحسن سمجھتا ہے تو وہ در حقیقت احکام شرع کو مکروہ سمجھتا ہے، اور اس طرح کی چیزیں (یعنی حیلوں کو مکروہ ماننا) قلت تامل سے واقع ہوتے ہیں۔ [1]

---

[1] (المبسوط للسرخسي، ج ۳۰، ص ۳۷۳۔ الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان)

و ایضاً فی المشکوٰۃ

وعن أبي سعيد وأبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجلا على خيبر فجاءه بتمر جنيب فقال: "أكل تمر خيبر هكذا؟" قال: لا والله يا رسول الله إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاث فقال: "لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبا". وقال: "في الميزان مثل ذلك"۔ متفق عليه۔

حضرت ابی سعید و ابی حریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی خیبر پر عامل بنایا تو اُس نے عمدہ کھجوریں لائیں خیبر سے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح ہیں؟ تو اُس نے کہا کہ نہیں۔ قسم بذات خدا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس کھجور کے ایک پیمانہ کو دوسری کھجور کے دو پیمانہ پر لیتے ہیں اور ان کے دو پیمانے تین پیمانوں کے ساتھ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسامت کرو بلکہ ردی کھجور کو روپوں پر فروخت کرو پھر اُن روپوں پر اچھی کھجور خرید و اور میزان (ناپ تول) کے بارے میں اس طرح گفتگو کی۔ اور یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے۔[1]

وعن أبي سعيد قال: جاء بلال إلى النبي صلى الله عليه وسلم بتمر برني[2] فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: "من أين هذا؟" قال: كان عندنا تمر رديء فبعت منه صاعين بصاع فقال: "أوه عين الربا عين الربا لا تفعل ولكن إذا أردت أن تشتري فبع التمر ببيع آخر ثم اشتر به"۔ متفق عليه۔

ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو ایک مشہور قسم کی کھجور لا کر دی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہاں سے لائے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ ردی کھجور تھی اس کے دو پیمانے سے ہم نے ایک پیمانہ (عمدہ کھجور) خریدی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ افسوس یہ تو عین ربا ہے ایسا نہ کر۔ بلکہ جب تم یہ خریدنا چاہتے ہو تو ردی کھجور نقد پر فروخت کرو پھر نقد پر عمدہ کھجور خرید و۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہے۔

اس حدیث کے تحت ملا علی قاری سراج الاحناف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وهذا الحديث كالذي قبله صريح في جواز الحيلة في الربا الذي قال به أبو حنيفة والشافعي رحمهم الله وبيانه أنه أمره بأن يبيع الردى بالدراهم ثم يشتري بها الجيد من غير أن يفصل في أمره بين كون الشراء من ذلك المشتري أو من غيره بل ظاهر السياق أنه بما في ذمته وإلا لبينه له, الخ۔

اور یہ حدیث (بھی) پہلی حدیث کی طرح جواز ربا میں صریح ہے کہ جس کے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ قائل ہیں۔ اور اس کا بیان یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امر کیا کہ ردی کو روپوں پر فروخت کریں پھر ان پر عمدہ کھجور خریدیں۔

---

[1] (مشكاة المصابيح, ج ٢, ص ١٣٥ ۔ الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[2] برنی بفتح موحدہ وسکون راونون برائے نسبت لفظی مثل کرسی قدمے مشہور است از خرما کہ نیک می باشد۔

اپنے اس امر میں اس کی تمیز نہیں کی کہ شراء اس مشتری سے ہو یا دوسرے سے بلکہ سیاق کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذمہ اس کا بیان نہ تھا ورنہ پھر اس کے متعلق بیان کیا ہوتا۔[1]

اور اسی طرح معاریض حیلوں کے قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو سلام پھیر کر اپنا ناک پکڑ لے اور اور وضو کے لئے جائے تا کہ سب گمان کریں کہ اس کا ناک بہہ گیا ہے۔

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج۹، ص ۲۹۱)

جواز حیلہ از کتب فقہاء کرام

فقہ کی کتابوں میں حیلے کثرت سے وارد ہوئے ہیں شیخ محقق ابن نجیم نے اشباہ والنظائر کی فن خامس کتاب الحیل وضع فرمائی اور عالمگیری میں کتاب الحیل ہے۔

تتار خانیہ اور ذخیرہ میں بھی۔یعنی صوم وصلوٰۃ وزکوٰۃ وحج ونکاح وطلاق وخلع وایمان واعتاق ووقف وشرکۃ وھبۃ وبیع وشراء ومدانیات واجارات ومنع الدعوٰی وشفعۃ وکفالۃ وغیرہ ذٰلک میں حیلے لکھے ہیں۔

چنانچہ سید احمد بن محمد الحموی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشباہ ونظائر کی شرح حموی میں فرماتے ہیں:

قَالَ فِي التَّتَارْخَانِيَّة مَذْهَبُ عُلَمَائِنَا أَنَّ كُلَّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِإِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لِإِدْخَالِ شُبْهَةٍ فِيهِ فَهِيَ مَكْرُوهَةٌ ، يَعْنِي تَحْرِيمًا . وَفِي الْعُيُونِ وَجَامِعِ الْفَتَاوَى لَا يَسَعُهُ ذٰلِکَ وَكُلُّ حِيلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إلَى حَلَالٍ فَهِيَ حَسَنَةٌ وَهُوَ مَعْنَى مَا نُقِلَ عَنْ الشَّعْبِيِّ لَا بَأْسَ بِالْحِيلَةِ فِيمَا يَحِلُّ قَالَ اللّٰہُ تَعَالَى: وَخُذْ بِيَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ }وَذَكَرَ فِي الْخَبَرِ أَنَّ { رَجُلًا اشْتَرَى صَاعًا مِنْ تَمْرٍ بِصَاعَيْنِ فَقَالَ صَلَّى اللّٰہُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَيْت هَلَّا بِعْت تَمْرَکَ بِالسِّلْعَةِ ثُمَّ ابْتَعْت بِسِلْعَتِکَ تَمْرًا وَهَذَا كُلُّهُ إذَا لَمْ يُؤَدِّ إلَى الضَّرَرِ بِأَحَدٍ انْتَهَى وَفِيهِ فُصُولٌ . الْأَوَّلُ فِي الصَّلَاةِ قَوْلُهُ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالَى وَخُذْ بِيَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ هَذَا تَعْلِيمُ الْمُخْلِصِ لِأَيُّوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ يَمِينِهِ الَّتِي حَلَفَ لَيَضْرِبَنَّ امْرَأَتَهُ مِائَةَ عُودٍ وَقَدْ تَعَلَّقَ مُحَمَّدٌ بِهَذِهِ الْآيَةِ فِي مَسَائِلِ الْحِيَلِ وَالْخَصَّافُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهَا فِي حِيَلِهِ قِيلَ لِأَنَّ حُكْمَهَا مَنْسُوخٌ وَعَامَّةُ الْمَشَايِخِ عَلَى أَنَّهُ لَيْسَ بِمَنْسُوخٍ وَتَكَلَّمُوا فِيمَا بَيْنَهُمْ فِي شَرْطِ الْبِرِّ فِيهِ قَالَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَأْخُذَ الْحَالِفُ مِائَةَ عُودٍ وَيُسَوِّي رُءُوسَ الْأَعْوَادِ قَبْلَ الضَّرْبِ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ بَيْنَ هَاجَرَ وَسَارَةَ فَحَلَفَتْ سَارَةُ إنْ ظَفِرَتْ بِهَا قَطَعَتْ عُضْوًا مِنْهَا فَأَرْسَلَ اللّٰہُ تَعَالَى جِبْرَائِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إلَى إبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُصْلِحَ بَيْنَهُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حِيلَةُ يَمِينِي فَأَوْحَى اللّٰہُ تَعَالَى إلَى إبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَأْمُرَ سَارَةَ أَنْ تَثْقُبَ أُذُنَيْ هَاجَرَ فَمِنْ ثَمَّ ثُقُوبُ الْآذَانِ كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّة۔

تتار خانیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر حیلہ سے آدمی حیلہ طلب کرے ابطال حق غیر کو یا اس میں شبہ داخل کرے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔اور عیون وجامع الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ یہ جائز نہیں اور اس لئے کیا جائے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جائے یا حلال چیز پالے تو یہ حیلہ جائز وحسن ہے،اور جو شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ حیلہ حلال چیز کرنے میں کوئی پرواہ نہیں،اس کے معنی بھی یہی ہیں۔اور یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام سے کہا کہ اپنے ہاتھ میں ایک شاخ پکڑو،اس سے عورت کو مارو اور حانث نہ ہو جاؤیعنی قسم نہ توڑو۔اور یہ تعلیم رہائی تھی ایوب علیہ السلام کو قسم سے جو انہوں نے اٹھائی تھی کہ میں اپنی عورت کو ۱۰۰ درے ماروں گا۔امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے جواز مسائل حیل ہیں اور خصاف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہے،کہا گیا ہے کہ اس کا حکم منسوخ ہے۔عام

مشائخ کا رویہ یہ ہے کہ یہ حکم غیر منسوخ ہے اور آپس میں مکالمہ کیا ہے خلاصی کے بارے میں۔ تو بعض نے کہا کہ قسم اُٹھانے والا ۱۰۰ لکڑیاں لے لے اور ان کے سروں کو برابر کر لے مارنے سے پہلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ درمیان ہاجرہ و سارہ کچھ تنازعہ ہو گیا، سارہ نے قسم اُٹھائی کہ اگر مجھے اُن پر موقع ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو (یعنی جسم کا کوئی حصہ) کاٹوں گی۔ رب تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اُن کے درمیان صلح کریں۔

حضرت سارہ نے عرض کی کہ میری قسم کا حیلہ کیا ہو گا، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ سارہ کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں (یعنی ان میں سوراخ کریں) یعنی یہ حیلہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمایا، پس اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے (یعنی اس وجہ سے عورتیں کانوں میں سوراخ کرتی ہیں) جیسا کہ تتارخانیہ میں لکھا ہے۔[1]

حاشیہ کنزالدقائق میں ینابیع سے نقل کرتے ہیں:

اعلم ان من حلف کلما تزوجت امرأة فهي طالق او قال کلما تزوجت بفلانة فهي طالق فالحيلة في ذلک ان يقول لواحد من اصدقائه اني حلفت ان کلما تزوجت بفلانة فهي کذا فالان ان تزجتها طلقت و ان و کلت بذلک طلقت فاذا عرف المخاطب رغبته فيها فانه يتزوجها منه وهو فضولي في ذلک فاذا علم حالفاً بذلک يجيزه بالفعل بان يبعث اليها مهرها او يظفر بها فيطأها فلا تطلق و ان اجازه بالقول تطلق۔

حاشیہ نمبر:۱

اصل مسئلہ

الفاظ شرط میں یہ قاعدہ ہے کہ شرط موجود ہو جائے تو یمین ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً عورت سے کہے کہ اگر تم نے فلاں کام کیا تو تم مطلقہ ہو، اب اگر عورت نے وہ کام کیا تو طلاق واقع ہو گئی، اگر رجعی ہو تو رجوع کریں، اگر بائن ہو تو تجدید کریں۔ اگر رجوع یا نکاح کیا تو اس کے بعد یہ حلف باقی نہیں رہتا۔ مگر سوی لفظ کُلّمَا کیونکہ ان کا تقاضا ہے عمومِ افعال کا۔ مثلاً یہ لفظ بولا: کلما تزوجت امرأة او فلانه فهي طالق یعنی ہر دفعہ ہر بار اگر میں اس عورت کو نکاح کروں یا فلانی عورت کو یعنی ایک معین عورت کو تو مجھ پر مطلقہ ہو۔ اس طرح اگر ہر دفعہ نکاح ہو جائے تو طلاق واقع ہوتی ہے، تو اس کا حیلہ ینابیع (کتاب کا نام ہے) نے نقل کیا ہے۔

---

[1] (غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر۔ كتاب الفرائض، ج۷، ص ۴۳۹)

ترجمہ: سمجھ لو کہ جس نے حلف اٹھایا کہ اگر میں ہر بار عورت کو نکاح کروں یا فلانی یعنی معینہ عورت سے نکاح کروں تو مجھ پر مطلقہ ہو۔ تو اس کے بارے میں حیلہ یہ ہے کہ یہ مخاطب یعنی جس کے ساتھ خطاب کرتا ہو یعنی حاضر دوست، جب حالف کی رغبت فلانہ یا دوسری عورت پر محسوس کریں تو وہ ان کا نکاح اس عورت سے کریں، حالانکہ یہ آدمی ان کے نکاح میں فضولی یعنی اجنبی ہے۔ جب حالف ان کے نکاح پر معلوم ہو جائے تو فعل کے ساتھ نکاح کا اجازہ کریں۔ یعنی اس طرح کہ عورت کو مہر بھیج دیں یا جب قادر ہو جائے تو اس کے ساتھ جماع کریں، جب اس طرح حیلہ کرے تو نکاح ہوا اور عورت کو طلاق واقع نہ ہوئی۔ اگر اس حالف نے فعل کے ساتھ اجازہ کیا تو عورت مطلقہ ہو جاتی ہے۔[1]

مبسوط سرخسی ہمارے مذہب میں معتمد بہ کتاب ہے انھوں نے کتاب الحِیل لکھی ہے، حالانکہ اس حقیقت کے پیش نظر علامہ طرطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مبسوط السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لا یعمل بما یخالفہ و لا یرکن الا الیہ و لا یفتی و لا یعول الا علیہ۔

جو مسئلہ مبسوط سرخسی کے خلاف ہو اُس پر عمل نہ کیا جائے اور خاص کر رجوع اُن کو مناسب ہے اور خاص کر فتویٰ و اعتماد اس کتاب پر کرنا چاہیئے"۔[2]

اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:

و یجمع الست کتاب الکافی للحاکم الشہید فھو الکافی۔

اور ظاہر روایت کی چھ کتابوں کا کافی جامع ہے، یعنی کافی حاکم شہید کی تصنیف ہے، وہ بے شک کفایت کرنے والا ہے۔

اقویٰ شروح الذی کالشمس مبسوط شمس الائمۃ السرخسی۔

اس کافی کی زیادہ قوی شروح ہیں جو مانند آفتاب ہیں، وہ مبسوط ہے جو شمس آئمہ سرخسی کی تصنیف ہے۔

علیک بمبسوط السرخسی انہ ھو البحر و الدر الفرید مسائلہ۔

مبسوط کتاب پر عمل کرنا آپ پر واجب ہے، کیونکہ وہ مانند سمندر ہے اور اس کے مسائل مانند گوہر یکتا ہیں۔

و لا تعقد الا علیہ فانہ یجاب بأعطاء الرغائب سائلہ۔

اور سوائے اس کتاب کے اعتماد نہ کر کیونکہ وہ سائل کو جواب دیتا ہے مرغوب چیز سے زیادہ۔

---

[1] (کنز الدقائق۔ باب تعلیق الطلاق، ج ۲، ص ۳۹)

[2] (مجموعۃ الرسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۰)

کافی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

فالحاصل أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموهه أو في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه وما كان على السبيل الذي قلنا أولا فلا بأس به لأن الله تعالى قال: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدة: ٢) ففي النوع الأول معنى التعاون على البر والتقوى وفي النوع الثاني معنى التعاون على الإثم والعدوان۔

ماسبق کا حاصل یہ ہوا کہ جس چیز کے ساتھ آدمی حرام سے بچتا یا حلال تک پہنچتا ہو، تو وہ حیلے حسن ہیں۔ اور وہ حیلے مکروہ ہیں کہ حیلہ سے بچتا ہو تاکہ ابطال حق ہو جائے یا باطل کے جواز میں اسے مموہ کریں یا حق میں کہ اس میں شبہ داخل ہو جائے پس اسی طرح جو حیلہ ہو وہ مکروہ ہے۔ اور جو پہلی قسم کا ہو تو جائز ہے۔ یعنی کچھ پرواہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و دشمنی میں (ایک دوسرے کے ساتھ) تعاون نہ کرو۔ پس قسم اول میں معنی تعاون علی نیکی و تقویٰ موجود ہے۔ لہٰذا اس طرح کا حیلہ جائز ہے۔ اور قسم ثانی میں معنی مدد علی الظلم والعدوان موجود ہے۔ لہٰذا اس قسم کے حیلے مکروہ وناجائز ہیں۔[1]

اور عالمگیری کی کتاب الحیل میں لکھتے ہیں:

الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها فنقول مذهب علمائنا رحمهم الله تعالى أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة۔

فصل اول بیان جواز حیل وعدم جواز میں ہے۔ ہمارے مذہب کے علماء کا یہ مسلک ہے۔ الخ اس کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے دوبارہ ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تحت عبارت حموی ملاحظہ فرمایئے۔[2]

---

[1] (المبسوط للسرخسي، ج ٣٠، ص ٣٧٣۔ الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان) (مبسوط از كتاب الحيل)

[2] (الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، ج ٦، ص ٣٩٠)

فدیہ کا ثبوت قرآن مجید سے

فدیہ دینے کی بنیاد ایک شرعی قانون کی حیثیت سے اس آیت کریمہ سے ثابت ہے:

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرة ۱۸۴)

اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔

زندگی میں عجز کے بعد دیا جائے تو بہتر ورنہ وصیت کرنا لازم ہو گا اگر بلا وصیت وارث دے دے تو بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالے۔

فدیہ کا ثبوت احادیث نبوی ﷺ سے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایتیں موجود ہیں، ظاہراً موقوف لیکن حکماً مرفوع ہے۔

عَنْ ابنِ عَبَاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ لَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلٰكِنْ يُطْعِمُ عَنْهُ۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درایہ میں لکھتے ہیں کہ اسنادہ صحیح، علامہ ماردینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کی سند علی شرط شیخین صحیح ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے، مگر ہاں اس کی طرف سے فدیہ دے دے۔[1]

و عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لا یصلین احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن ان کنت فاعلاً تصدقت عنہ او اھدیت عنہ۔ ایضاً

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ روزہ رکھ سکتا ہے لیکن اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس کی طرف سے صدقہ یا ہدیہ اور فدیہ دے دو۔

عن نافع عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه و سلم : قال من مات وعليه صيام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين۔

ترجمہ: نافع نے روایت کیا ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُس نے نبی کریم ﷺ سے کہ جو کوئی شخص مر جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے تھے تو ولی بدلہ ہر دن روزہ سے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔[2]

---

[1] (مشکل الآثار، ج۵، ص۲۹۶)

[2] (سنن الترمذی، ج۳، ص۹۶۔ الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

ترمذی نے یہ روایت کیا ہے۔

عبد الرزاق نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرمایا ہے:

لا يصومُ أَحَدُكُم عن أَحَدٍ، ولا يُصَلِّي أَحَدٌ عن أَحَدٍ، ولكنْ يُطْعِمُ عنه مكان كل يوم (مُدَّاً) من حِنْطَة۔

کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن اس کی طرف سے ہر دن کے عوض دو مدین گندم (یعنی آدھا صاع) خیرات کر دے۔[1]

[1] (شرح الوقایۃ، ج۲، ص۲۳۰)

فدیہ کا ثبوت از فقہائے کرام

جامع رموز میں لکھا ہے:

و الاستحسان ان یجوز الفداء عنهما امافی الصوم فلو رود النص و امافی الصلوٰۃ فلعموم الفضل و لذاقال محمد رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ انہ یجزئھا ان شاءاللہ تعالیٰ، الخ۔

استحسان مشائخ یہ ہے کہ نماز اور روزہ دونوں سے فدیہ جائز ہو جائے کیونکہ روزہ میں نص قرآنی وارد ہوا ہے اور نماز میں عموم فضل الٰہی سے، اسی وجہ سے محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ کافی ہو جائے گا، **ان شاءاللہ۔**

شرح الوقایہ میں لکھا ہے:

وَ فِدْیَۃُ کُلِّ صلاۃٍ کَصَوْمِ یَوْمٍ وَ ھُوَ الصَّحِیْحُ۔

ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہی صحیح ہے۔[1]

شرح الیاس میں لکھا ہے:

و یعتبر فدیہ کل صلوٰۃ فائت کصوم یوم ای کفدیۃ یوم۔

ہر فوت شدہ نماز کا فدیہ ایک دن روزے کے اعتبار پر ہے۔ یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔

ملا احمد جیون نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے:

و الصلوٰۃ نظیر الصوم بل اھم فیہ فامرناہ بالفدیۃ احتیاطاً و رجونا القبول من اللہ تعالیٰ فضلاً۔

نماز روزے کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہٰذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے، نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

و رد النص في الصوم بإسقاطہ بالفديۃ و اتفقت كلمۃ المشايخ على أن الصلاۃ كالصوم استحسانا لكونها أهم منہ و إنما الخلاف بينهم في أن صلاۃ يوم كصومہ أو كل فريضۃ كصوم يوم و هو المعتمد إذا علمت ذلک تعلم جهل من يقول ان إسقاط الصلاۃ لا أصل لہ إذ هذا إبطال للمتفق عليہ بين أهل المذهب۔

جان لو کہ روزے کے اسقاط میں ذمہ میت سے فدیہ دینے پر آیت قرآنی وارد ہوئی ہے، اور علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز روزہ کی مانند ہے از روئے استحسان مشائخ (یعنی فدیہ نماز دینے سے میت کا ذمہ فارغ ہوتا ہے کیونکہ نماز روزہ سے اہم ہے۔ بلکہ علماء کے درمیان خلاف اس بات پر ہے کہ تمام دن کی نمازیں ایک دن روزے کی مثل ہیں، یا ہر ایک فرض (نماز)

---

[1] (شرح الوقایۃ، ج۳، ص ۲۲۲)

ایک دن روزے کی مانند ہے۔ اور یہ آخری بات متفق بہ ہے۔ یعنی ایک فرض نماز کے فدیہ کی مقدار ایک روزہ کی مانند ہے۔ یعنی نصف صاع) جب آپ نے یہ جان لیا تو اس شخص کے جہل و نادانی کو خوب معلوم کرو گے کہ وہ کہتا ہے کہ اسقاط صلوٰۃ کے لئے کوئی اصل نہیں۔ کیونکہ یہ اہل مذہب کے اتفاق کو باطل کرتا ہے۔ [1]

ھدایہ میں لکھتے ہیں:

و الصلاۃ کالصوم باستحسان المشایخ و کل صلاۃ تعتبر بصوم یوم ھو الصحیح۔

نماز مثل روزہ ہے استحسان مشائخ سے اور ہر نماز کا اندازہ مثل ایک دن صوم کا اعتبار ہے اور یہ صحیح بات ہے۔

قَالَ شارحہ فی فتح القدیر تحتہ وَجْهُهُ: أَنَّ الْمُمَاثَلَةَ قَدْ ثَبَتَتْ شَرْعًا بَيْنَ الصَّوْمِ وَالْإِطْعَامِ وَالْمُمَاثَلَةُ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ ثَابِتَةٌ، وَمِثْلُ مِثْلِ الشَّيْءِ جَازَ أَنْ يَكُونَ مِثْلًا لِذَلِكَ الشَّيْءِ وَعَلَى تَقْدِيرِ ذَلِكَ يَجِبُ الْإِطْعَامُ وَعَلَى تَقْدِيرِ عَدَمِهَا لَا يَجِبُ، فَالِاحْتِيَاطُ فِي الْإِيجَابِ، فَإِنْ كَانَ الْوَاقِعُ ثُبُوتَ الْمُمَاثَلَةِ حَصَلَ الْمَقْصُودُ الَّذِي هُوَ السُّقُوطُ وَإِلَّا كَانَ بِرًّا مُبْتَدَأً يَصْلُحُ مَاحِيًا لِلسَّيِّئَاتِ، الخ۔

کمال ابن الہمام حنفی شارح ھدایہ اس عبارت کے تحت فاتح اللسان ہیں بقولہ، الخ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مماثلت از روئے شریعت درمیان صوم و اطعام ثابت ہو چکی ہے، اور مماثلت درمیان نماز و روزہ بھی ثابت ہے (کیونکہ دونوں عبادت بدنی ہیں) اور ہر ایک چیز کے لئے اُس کی مثل جائز ہے کہ وہ مثل بمثل اس چیز کے ہو جائے۔ اور بناء بر تقدیر مثلیت صلوٰۃ کے فدیہ میں طعام واجب ہوتا ہے، اور بناء بر تقدیر عدم مثلیت واجب نہیں ہوتا۔ تو احتیاط کا تقاضا وجوب ہے، اگر واقعہ میں مماثلت ہو تو مقصود حاصل ہو گا جو سقوط تھا ورنہ طعام (فدیہ) جدید نیکی جو کہ گناہوں کو محو کرنے والی ہے وہ تو ہو گئی (یعنی کہ صدقہ نفلی سے جو کہ گناہ محو کرتی ہے اس سے خارج نہیں ہوتا)۔ [2]

فقہاء کرام کی تصریحات آپ نے ملاحظہ کیں کہ فدیہ نماز بھی جائز قرار دیتے ہیں یعنی ہر قضاء نماز جو کسی کے ذمہ رہ گئی ہو اس کا فدیہ فطرانہ کے اندازے پر ایک مسکین کو دینا کافی ہو سکتا ہے۔

نوٹ: میت کے مال سے اولاً تجہیز و تکفین کا انتظام ہو گا باقی ماندہ مال میں سے پہلے اُس کا قرض ادا ہو گا۔ پھر اگر کچھ بچ جائے تو اُس میں وارثوں کا حق ہے مال کے تہائی حصے میں وصیت جاری ہو گی، قرض کی ادائیگی وصیت و ورثاء کے حق دونوں پر مقدم ہے۔

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، ج ۱، ص ۲۸۴)

[2] (فتح القدیر، ج ۴، ص ۳۹۵)

اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ نماز روزہ وغیرہ بلا عذر نہ چھوڑے اگر کسی سے کسی عذر کی وجہ سے قضاء بھی ہو جائے تو مناسب ہے کہ اولاً تو ان فرائض کی قضاء اس دنیا میں اپنی زندگی میں خود ادا کرے تاکہ اس کا ذمہ فارغ ہو جائے۔ یہ بہتر بلکہ زیادہ ضروری امر ہے، اگر اسے وقت برائے ادائیگی ملا تھا لیکن ادا نہیں کیا، تو مرتے وقت اُس پر اُس کے متعلق یہ وصیت لازم ہے کہ میرے مال میں سے اتنی مقدار میں فدیہ دے دیا جائے جتنی کہ متروکات ہوں۔

عبارت مراقی الفلاح ملاحظہ فرمائیں:

على من أفطر في رمضان الوصية أي بفدية ما (قدر عليه) من إدراك عدة من أيام أخر إن أفطر بعذر۔

اگر اس نے بلا عذر نماز و روزہ ادا نہ کیا ہو اور اتنا وقت بھی اُسے نہ ملا ہو کہ اُن (فرائض) کی قضاء ادا کرے تو اُس پر وصیت کرنا لازم ہے، "بجميع مافاته" تاکہ ورثاء اس کا فدیہ دے دیں اس کی قبولیت کی امید ہے اگرچہ اس سے تقصیر ہو چکی ہے۔ [1]

عبارة مراقی الفلاح: وإن لم يدرك عدة من أيام أخر إن أفطر بدون عذر لزمه بجميع ما أفطره لأن التقصير منه لكنه يرجى له العفو بفضل الله بفدية مالزمه وبقي بذمته حتى أدركه الموت فيخرج عنه وليه من ثلث ماترك۔

اگر کوئی شخص بغیر عذر کے نماز روزہ میں تقصیرات کرتا ہے تو اُس کے ذمہ عائد و لازم ہے۔ خدائے رب العزت کا اختیار ہے کہ معاف کرے یا سزا دے اُن سے اگر وہ فدیہ دینے کی وصیت بھی کرے تو ان کا ذمہ فارغ نہیں ہو تا یعنی فدیہ دینا کافی نہیں ہوتا ہے۔ [2]

لیکن مستصفیٰ کے دیباچہ میں دلالت الجواز معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

و فی الکلام رمز الی انه لو فرط فی ادائها باطاعة النفس و خداع الشیطان ثم ندم فی اخر عمره و اوصی بالفدیة لم یجز لکن فی دیباجة المستصطفیٰ دلالة علی الاجزاء و الیٰ انه لو لم یوص بفدائها و تبرع وارثه جاز, الخ۔ و لا خلاف انه امر مستحسن یصل ثوابه الیه۔ [3]

اور اسی طرح عبارت مجموعہ رسائل ابن عابدین میں لکھی ہے:

و القیاس ان لا یجوز الفداء عن الصلاة و الیه ذهب البلخی رحمة الله تعالیٰ علیه و فیه اشارة الیٰ انه لو فرط بادائها باطاعة النفس و خداع الشیطان ثم ندم فی أخره عمره و اوصٰی بالفداء لم یجزئ لکن فی المستصفی دلالة علی الاجزاء و الیٰ انه لو لم یوص بفدائها و تبرع وارثه جاز و لا خلاف انه امر مستحسن یصل الیه ثوابه و ینبغی ان یفدی قبل الدفن و ان جاز بعده کما فی القهستانی۔ [4]

---

[1] (مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۱۹۱)

[2] (مراقی الفلاح، ج ۱، ص ۱۹۱)

[3] (جامع الرموز، ج ۱، ص ۱۶۱۔ کتاب الصوم)

[4] (مجموعة الرسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۹)

دونوں عبارتوں کا یہ ہے مجموعہ رسائل میں لکھا ہے کہ قیاس یہ ہے کہ نماز سے فدیہ دینا جائز نہ ہو جائے اور اس کو بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذہاب کیا ہے، اس میں اس امر کا اشارہ ہے کہ اگر اس سے نفس کی اطاعت اور شیطان کے دھوکہ سے نماز ادا کرنے میں نقصان ہو چکا ہو یعنی نماز ادا نہ کی ہو پھر آخری عمر میں نادم وپشیمان ہو کر فدیہ دینے کے لئے وصیت کی تو کافی نہیں۔ لیکن کتاب مستصفیٰ میں کافی ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر فدیہ دینے کے لئے وصیت نہ کی ہو لیکن وارث نے تبرع کیا تو جائز ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ یہ امر مستحسن یعنی نیک کام جس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یعنی امر مستحسن تو ضرور ہے بلا خلاف اور مناسب ہے کہ فدیہ دفن ہونے سے قبل دیا جائے اگر بعد از دفن بھی دیا جائے تو جائز ہے۔

اور علامہ ابی الخلاص نے بھی لکھا ہے:

فلو وجب علیہ قضاء شئی من رمضان فلم یقضہ حتیٰ صار شیخاً فانیا لا یرجیٰ برؤہ جاز لہ الفدیۃ۔

علامہ شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہامش درر الحکام میں لکھا ہے، اگر کسی شخص پر قضاء رمضان واجب ہو گی۔ لیکن ادا نہ کیا اس وقت تک حتیٰ کہ شیخ فانی ہو گیا یعنی اُس کے صحت یاب ہونے کی امید باقی نہ رہی، اُس شخص کا فدیہ ادا کرنا جائز ہے۔[1]

نوٹ: فدیہ دینا زندگی میں نماز کے لئے جائز نہیں بخلاف روزہ کے۔ کہ زندگی میں شیخ فانی سے فدیہ دینا جائز ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وفی القنیۃ ولا فدیۃ فی الصلوٰۃ حالۃ الحیات بخلاف صوم۔ آہ

اقول و وجہ ذلک ان النص انما ورد فی الشیخ الفانی انہ یفطر و یفدی فی حیاتہ، الخ۔ و مقتضاہ ان غیر الشیخ الفانی لیس لہ ان یفدی عن صومہ فی حیاتہ لعدم النص و مثلہ الصلاۃ و لعل وجہہ انہ مطالب بالمقضاء اذا قدر و لا فدیۃ علیہ الا بتحقق العجز منہ بالموت فیوصی بھا بخلاف الشیخ الفانی فانہ تحقق عجزہ قبل الموت عن اداء الصوم و قضائہ فیفدی فی حیاتہ و لا یتحقق عجزہ عن الصلاۃ لانہ یصلی بما قدر و لو حومیا براسہ فان عجر عن ذالک سقطت عنہ اذا کثرت بأن صارت ستا فاکثر و لا یلزمہ قضاءھا اذا قدر آہ۔

قنیہ میں لکھا ہے کہ نماز کے لئے فدیہ دینا کسی کی زندگی میں جائز نہیں بخلاف روزہ کے۔ علامہ ابن عابدین کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نص شیخ فانی کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ افطار کرے اور فدیہ زندگی میں دے دیں۔ اس کا مقتضاء یہ ہے کہ شیخ فانی کے سوا کی زندگی میں روزہ کے لئے فدیہ دینا جائز نہیں، لعدم النص۔ اور اُس کے مانند نماز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید

[1] (حاشیۃ العلامۃ ابی الخلاص الشیخ الحسن بن عمار بن علی الوفائی الشرنبلالی الحنفی علی ھامش درر الاحکام فی شرح غرر الاحکام، ج ۱، ص ۲۰۹)

اس پر قضاء واجب ہے جب قادر ہو جائے اور فدیہ اُس پر واجب نہیں جب کہ اس کا عجز متحقق نہ ہو مرنے پر کہ اُس کے لئے وصیت کریں بخلاف شیخ فانی کے کہ اس کا عجز قبل از موت ثابت ہو چکا ہے، کیونکہ شیخ فانی روزہ کے ادا سے عاجز ہے اور قضاء سے بھی۔ تو وہ زندگی میں روزے کے لئے فدیہ دے اور شیخ فانی کا عجز نماز سے متحقق نہیں۔ کیونکہ وہ نماز ادا کرے جس طریقے سے وہ قادر ہو اگرچہ سر کے اشارے سے ہی ہو، اگر سر کے اشارے سے عاجز ہو جائے تو اُس سے نماز ادا کرنا ساقط ہو جاتا ہے، جب کہ حد کثرت تک پہنچ جائے یعنی کہ چھ نمازیں یا زیادہ ہو جائیں اور اُس پر قضاء لازم نہیں ہے اُن نمازوں کی جب کہ قادر ہو جائے۔[1]

اور اسی طرح علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

ولو فدى عن صلاته في مرضه لا يصح بخلاف الصوم۔

اگر (کسی) شخص نے مرض میں نماز کے لئے فدیہ دے دیا تو صحیح نہیں ہے بخلاف روزہ کے کہ اُس کے لئے فدیہ یعنی زندگی میں جائز ہے۔[2]

فدیہ میں اباحت بھی جائز ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وهل تكفي الإباحة في الفدية قولان المشهور نعم واعتمده الكمال۔

آیا فدیہ میں اباحت کافی ہوتا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ ہاں (کافی ہوتا ہے) کمال ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے اسے معتمد بہ کیا ہے۔[3]

نوٹ: صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہوتا تملیک ضروری ہے۔

وقال قوله المشهور نعم فان ماورد بلفظ الاطعام جاز فيه الاباحة والتمليك بخلاف ما بلفظ الاداء والايتاء فانه للتمليك كما دى المضمرات وغيره قهستاني۔

اور جو قول مشہور ہے کہ فدیہ میں اباحت کافی ہوتی ہے۔ یہ اس لئے کہ جس چیز میں لفظ اطعام وارد ہوا ہے اس میں اباحت و تملیک دونوں جائز ہیں بخلاف کہ جس میں لفظ اداء و ایتاء وارد ہو یعنی اس میں اباحت جائز نہیں، کیونکہ یہ الفاظ برائے تملیک ہیں جیسا کہ کتاب مضمرات وغیرہ میں ہے قہستانی۔[4]

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۸)

[2] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۲۸۵)

[3] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۲۸۵)

[4] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۷)

تملیک کے معنی یہ ہیں کہ بمقابل ہر نماز یا روزہ فقیر کو نصف صاع گندم یا اُس کی قیمت بطریق تملیک اس کے ہاتھ میں دے دے۔

اباحت کے معنی یہ ہیں کہ بمقابل ہر نماز یا روزہ فقیر کو دونوں وقت کھانا کھلائے، اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کے کھانے کی قیمت نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہے یا نہیں، یعنی کھانے کی قیمت نصف صاع سے کم ہو یا زیادہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

دونوں وقت سے مراد دو وقت ہیں، ایک صبح اور ایک شام یا ایک عشاء اور ایک سحور ہو، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا یعنی فدیہ کی اباحت میں ایک وقت سے کفایہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کفارات میں کفایہ نہیں ہوتا۔

یہ ضروری ہے کہ مسکین ایک ہو، یعنی اگر ایک مسکین کو صبح کھانا کھلایا تو شام کے وقت بھی اسی مسکین کو کھانا کھلانا پڑے گا۔ دوسرے مسکین کو کھلانا جائز نہیں۔ مگر ہر ایک ان دونوں میں سے ہو اسی کو دوسرے وقت میں کھانا کھلائے پھر کافی ہوتا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ فقیر کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہو گا، یعنی اگر فقیر پہلے ہی سے پیٹ بھر کر کھانا چکا ہو تو اس کو کھانا کھلانے سے فدیہ کافی نہیں ہو گا۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں صبی غیر مراھق نہ ہو اگر مراھق ہو (یعنی قریب البلوغ ہو) تو جائز ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اگر روٹی گندم کے علاوہ کسی اور چیز سے پکائی گئی ہو تو اس کے ساتھ ترکاری رکھنا لازمی ہے تاکہ خوب سیر ہو جائے۔ اگر گندم کی روٹی ہو تو اس کے ساتھ ترکاری یعنی ایدام مستحب ہے۔

جمع بین اباحت و تملیک جائز ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قالوا تصح الاباحة بشرط الشبع فی الکفارة و الفدیة کفارة الیمین و فدیة الصوم و جنابة الحج۔ و جاز الجمع بین اباحة و تملیک بخلاف الزکوٰة و الفطرة و العشر فعلٰی ھذا لو وضع طعاما و دعی الفقراء الیه لیجعله عن کفارة یمین او فدیة صوم او جنابة و لا یشترط التملیک و ھو ان یعطی الفقیر شیئاً فی یده علیٰ سبیل التملیک نعم یشترط لکل فقیر اکلتان مشبعتان و الفقیر الواحد یکفی فی جمیع ھذه الابواب الاباب الیمین فان کفارته انما تجوز العشرة مساکین بالنص او یتکرر له ذلک عشرة ایام۔

علماء نے لکھا ہے کہ کفارہ اور فدیہ میں اباحت صحیح ہے بشر طیکہ فقیروں کو پیٹ بھر کر کھلائیں۔ جیسا کہ کفارہ یمین اور روزہ کا فدیہ اور حج کی جنابت میں اور جمع اباحت و تملیک جائز ہے خلاف زکوٰۃ و صدقہ فطر و عشر میں پس بناء براین اگر روٹی تیار کر کے فقراء کو دیں اور نیت میں کفارہ یمین یا روزے کا فدیہ یا حج کی جنابت ہو تو صحیح ہے کیونکہ تملیک شرط نہیں ہے۔ تملیک کے معنی یہ ہیں کہ فقیر کو چیز دے دیں اس کے ہاتھ میں علی سبیل التملیک۔ ہاں ہر فقیر کے لئے دو وقت پیٹ بھر کر کھانا

شرط ہے۔ اور ایک فقیر ان تمام ابواب میں کافی ہوتا ہے صرف کفارہ یمین کہ اس میں نص کے ساتھ دس فقیروں کو فدیہ دینا جائز ہوتا ہے یا ایک فقیر کو دس دن مکرر کریں۔[1]

جمع بین اباحت و تملیک کے معنی:

جمیع کفارات و فدیہ صیام و صلوٰۃ میں جمع بین التملیک و الاباحت جائز ہے۔ یعنی صدقۃ الفطر میں جمع جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ مثلاً کفارہ یمین میں دس مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلانا ضروری ہے۔ تو ان میں سے پانچ کو نصف نصف صاع قیمت دی اور پانچ کو صبح و شام کھانا کھلایا تو جائز ہے۔

یا پھر کفارہ ظہار میں ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا ضروری ہے دونوں وقت تو ان ساٹھ مسکینوں کو ایک وقت کھانا دیا مثلاً صبح کے وقت کھانا دیا تو شام کے وقت ان کو قیمت دینا بھی جائز ہے۔ لیکن فی نفر کو صاع کی ربع یعنی حصہ کی قیمت دینا ہوگی کیونکہ شریعت میں نصف صاع صبح و شام دونوں کی مقدار ہے۔ تو فی وقت کی مقدار ۱/۴ حصہ صاع ہوگی۔

اسی طرح نمازوں کے فدیہ میں جمع بینہما جائز ہے مثلاً دس نمازوں کا فدیہ پانچ صاع گندم یا اس کی قیمت ہے۔ مثلاً چھ مسکینوں کو صبح و شام کھانا کھلایا اور دو صاع گندم یا اُس کی قیمت چار مسکینوں کو بحساب نصف نصف صاع ہر مسکین کو گندم یا اس کی قیمت دی تو جائز ہے اور اسی طرح روزوں کے فدیہ میں بھی جائز ہے۔

اگر میت نے وصیت کی ہو تو ولی میت پر فدیہ دینا واجب ہے۔ الحاصل ہمارے مذہب میں اگر میت نے وصیت کی ہو کہ مجھ سے اتنی نمازیں اور روزے وغیرہ قضاء ہو چکے ہیں پس اتنی مقدار میں فدیہ دیں تو ورثاء پر لازم ہے کہ ثلث مال میت سے فدیہ دے دیں۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو ورثاء پر لزوم نہیں ہاں اگر تبرع و احسان کیا تو فدیہ دینا بھی جائز ہے۔

ملاحظہ فرمایئے ہدایہ کی عبارت:

ثم لا بد من الإيصاء عندنا خلافا للشافعي رحمه الله۔[2]

اس عبارت کے تحت عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

يعني اذا اوصى يلزم الاطعام عنه على الولى من ثلث ماله و به قال مالک رحمة الله تعالىٰ عليه فيجزيه ان شاء الله تعالىٰ و ان لم يوص لا يلزم على الولى الاطعام و مع هذا لو اطعم جاز انشاء الله تعالىٰ خلافاً للشافعى رحمة الله تعالىٰ عليه فعنده لا حاجة الى الايصاء بل يلزم الولى ان يطعم عنه اوص او لم يوص به و به قال احمد۔

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ص ۲۲۱)

[2] (الهداية شرح بداية المبتدي، ج ۱، ص ۱۲۷)

یعنی اگر میت نے وصیت کی تو اس سے طعام دیناولی پر لازم ہے مال میت کے تیسرے حصے سے اور یہ مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی ہے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے گا۔ اگر میت نے وصیت نہ کی ہو تو ولی پر اطعام دینا لازم نہیں ہے اور مع عدوم لزوم اگر اطعام دیا تو جائز ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اسی مسئلہ میں شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک میت کی وصیت کی کوئی حاجت نہیں بلکہ ولی میت پر لازم ہے کہ میت سے اطعام دے خواہ میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو اور یہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بھی ہے۔[1]

اور عنایہ شرح ھدایہ میں لکھتے ہیں:

فإذا أوصى يؤدي الوصي من ثلث ماله لكل يوم مسكينا بقدر ما يجب في صدقة الفطر ۔ وإن لم يوص وتبرع الورثة جاز، وإن لم يتبرعوا لا يلزمهم الأداء بل يسقط في حكم الدنيا۔

اگر میت نے وصیت کی ہو تو وصی اس کے تیسرے حصے مال میں سے ایک مسکین کو ہر دن روزے سے اتنی مقدار دے جو صدقۃ الفطر میں واجب ہے۔ یعنی نصف صاع گندم یا اس کی قیمت، اگر میت نے وصیت نہ کی ہو بلکہ ورثاء نے تبرعاً و احساناً فدیہ دیا تو جائز ہے۔ اگر ورثاء نے تبرع نہ کیا تو ان پر اداء لازم نہیں (یعنی فدیہ کی) بلکہ ورثاء سے دنیا میں حکم ساقط ہو گیا۔ **انتھی۔**[2]

بل یقسط فی حکم الدنیا کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ میت سے آخرت میں سقوط نہیں ہوتا یعنی اس کا ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ورثاء کے لئے مناسب ہے کہ اپنی طرف سے تبرع کریں تاکہ میت کا ذمہ فارغ ہو جائے، **ان شاء اللہ تعالیٰ۔**

قریب الموت شخص پر واجب ہے کہ فدیہ ادا کرنے کے متعلق وصیت کرے اگر اس کا مال ہو۔ بلکہ اس پر بھی وصیت لازم ہے کہ جس نے بلا عذر قصداً روزہ افطار کیا ہو یا نماز وغیرہ بلا عذر ترک کیا ہو اور ان کی قضاء نہ لایا ہو۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

و فیہ ان الایصاء واجب ان کان لہ مال کا فی النیۃ و لا یختص ھذا بالمریض و المسافر بل یدخل فیہ من افطر متعمدا و وجب القضاء علیہ او لعذر ما و کذا کل عبادۃ بدنیۃ (و الا) ای و ان لم یومن (فلا لزوم) للورثۃ عندنا لانھا عبادۃ فلا بد من امرہ خلافا للشافعی (و ان تبرع) الوصی (بہ) ای بالاطعام من غیر وصیۃ (صح) و یکون لہ ثواب ذلک و علی ھذا الخلاف الزکوٰۃ۔

---

[1] (عینی شرح الھدایہ، کتاب الصوم، ص ۱۳۵۳)

[2] (العنایۃ شرح الھدایۃ، ج۳، ص ۳۱۴)

اس میں اشارہ ہے کہ میت یعنی قریب الموت آدمی پر وصیت کرنا واجب ہے، اگر اس کے پاس مال ہو جیسا کہ قنیہ میں ذکر ہے۔ اور یہ وصیت کرنا مریض و مسافر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس میں وہ (سب) داخل ہیں جو قصداً روزہ نہ رکھے یا عذر کی وجہ سے نہ رکھے اور ان پر قضا لازم ہو گئی ہو اور اسی طرح ہر عبادت بدنی میں تقصیر کیا ہو وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ اگر میت نے وصیت نہ کی تو ورثاء پر لزوم نہیں۔ اگر وصی نے تبرع کیا تو صحیح ہے اور میت کو اس کا ثواب ملتا ہے اور اسی خلاف پر زکوٰۃ بھی ہے۔[1]

اور علامہ ابن عابدین دوسری جگہ لکھتے ہیں:

و لیس ممایفارق فیہ الصوم الصلاۃ ما افادہ صاحب المستصفی و غیرہ انہ یوصی و ان افطر بغیر عذر و یرجی لہ العفو باخراج الفدیۃ فان الصلاۃ کذکج علی الظاھر۔[2]

یعنی روزہ اور نماز میں کچھ فرق نہیں۔ اس بارے میں کہ جو صاحب مستسفی وغیرہ نے لکھا ہے کہ (اگر) کوئی شخص وصیت کرے گا اگرچہ روزہ کا بلا عذر افطار کیا ہو۔ اور اس کے لئے امید عفو ہے فدیہ ادا کرنے پر، یعنی ظاہر پر نماز بھی اس طرح ہے، یعنی اگر (کسی نے) بلا عذر نماز ترک کی اور دنیا میں قضاء نہ لایا اور مرتے وقت فدیہ دینے کے لئے وصیت کی ہو تو اس کے لئے بھی عفو کی امید ہے جب کہ ورثاء فدیہ ادا کریں۔

میت کی وصیت تیسرے حصے میں جاری ہو گی:

اس کی تشریح یہ ہے کہ اگر میت نے زیادہ مقدار کے لئے وصیت کی تو ورثاء پر لازم نہیں کہ میت کے مال کے تیسرے حصے سے زیادہ مقدار دیں۔

بقول ایک شاعر:

چوں وصیت کند بفدیہ خویش نیست واجب ز ثلث مالش بیش

ثلث مال سے مراد جمیع مال کا ثلث یعنی تیسرا حصہ ہے، لیکن اس حالت میں کہ میت کے ذمہ کسی کا قرض نہ ہو۔ اگر قرض ہو تو پہلے قرض ادا ہو گا وصیت پھر اس باقی ماندہ (مال) کے ثلث سے جاری ہو گی۔ لیکن یہ بھی اُس وقت کہ میت کے لئے وارث ہو اگر وارث نہ ہو تو جمیع مابقی سے وصیت نافذ ہو گی۔ ملاحظہ فرمایئے عبارت:

وینفذ ذلک من الثلث بشرط أن لا یکون في الترکۃ دین من دیون العباد حتی لو کان ینفذ ذلک من ثلث الباقي إلا إذا لم یکن لہ وارث فحینئذ ینفذ من جمیع ما بقي، انتھی۔[1]

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۹۔ الناشر: سھیل اکیڈمی، لاھور، پاکستان)

[2] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۲۴)

و ایضاً فی مجموعہ الرسائل : و یلزم ای یجب اطعام الوارث من الثلث ان کان لہ وارث و الا فمن الکل ان اوصی المورث۔ [2]

فدیہ کی مقدار اور صاع کی تحقیق:

فدیہ کی مقدار نصف صاع ہے لیکن نصف صاع کی مقدار کل صاع کی مقدار پر موقوف ہے۔ اور صاع میں علماء کا اختلاف ہے۔

علامہ کشمیری وسندھی لکھتے ہیں:

صاع کوفی ہست اے مرد فہیم ۔۔۔ دوصد ہفتاد تولہ مستقیم

اے مرد ہوشیار صاع کوفی دوسوستر تولہ کے برابر ہے۔

اور مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارجح الاقاویل فی اصح الموازین میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاع دوسو اسی (۲۸۰) تولے ہیں بحوالہ البصائر لحمد اللہ الداجوی ص ۱۳۰ غیاث اللغات میں لکھتے ہیں کہ:

صاع نامی پیمانہ است چہارند باشد و ھر مدیک رطل و ثلث رطل باشد از شرح نصاب ویکی از محققین دررسالہ اوزان نوشتہ کہ صاع دوصد وسی چہار (۲۳۴) تولہ باشد۔ [3]

وصاع پیمانہ است وان چہار مداست ہر صدی دومشت دست آدم مستوی الخلقۃ چون دست راکشیدہ دارد۔ [4]

سیف المقلدین میں لکھاہے کہ صاع عراقی ۲۸۳ تولے ہیں اور نصف ۱۴۱ تولہ ۶ ماشہ دوجوع کے برابر ہے۔

اور حضرت امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح کنز تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۳۰۹ میں فرمایاہے: اس کا ترجمہ یہ ہے کہ صاع کی مقدار آٹھ ارطال بغدادی ہیں یہ امام ابو حنیفۃ وامام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ کا مذہب اور اہل عراق کا مذہب بھی ہے۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ صاع پانچ ارطال مکمل و ثلث رطل ہے اور یہ اہل حجاز کا مذہب ہے۔ اُن کے لئے استدلال ایک حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایاہے کہ ہمارا پیمانہ اور پیمانوں سے چھوٹا ہے اور یہ واضح

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح، ج ۱، ص ۴۵۲)

[2] (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۱۹)

[3] (باب الصار غیاث اللغات)

[4] (منتخب اللغات باب الصار مع العین)

طور پر معلوم ہے کہ پانچ ارطال معہ ثلث رطل چھوٹا ہے آٹھ ارطال والے سے اور یہ چھوٹا صاع صاع حجازی ہے اور یہ روایت ہے کہ ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حج کے لئے گئے تو اہل مدینہ سے صاع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ صاع پانچ ارطال و ثلث رطل ہیں۔ اور ان کو ملنے ایک گروہ آ گیا ہر ایک کے پاس ایک پیمانہ تھا تو بعض نے کہا کہ اسے اپنے باپ نے یہ کہا ہے اور کوئی کہنے لگا کہ مجھے اپنے بھائی نے خبر دی ہے کہ یہ صاع نبی کریم ﷺ کا ہے۔ تو ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مذہب یعنی امام صاحب کے مذہب سے رجوع کیا، اور ہمارے امام صاحب کے مذہب کے لئے دلیل یہ ہے کہ امام صاحب نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ تد کے اندازہ یعنی دو رطل پانی سے وضو کرتے تھے۔ اور غسل صاع کی مقدار یعنی آٹھ ارطال پانی کے ساتھ کرتے تھے، اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ غسل جنابت صاع کی مقدار یعنی آٹھ ارطال کے ساتھ کرتے تھے۔ اور وہ اہل عراق پر اس صاع کی وجہ سے فخر کرتی تھیں کہ میں آپ لوگوں کو صاع رسول اللہ ﷺ نکال دوں اور اس صاع کا نام حجاجی تھا یعنی صاع حجاجی پر مشہور تھا اس کی وجہ تسمیہ علماء کرام یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ صاع گم ہو گیا تھا تو حجاج نے باہر نکلوایا اور وہ اہل عراق پر احسان کرتے تھے اور خطبہ میں الفاظ بولتے تھے: یا اهل العراق یا هل الشقاق و النفاق و مساوی الاخلاق الم اخرج لکم صاع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه اور اسی وجہ سے یہ صاع صاعِ حجاجی مشہور تھا (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاع بھی آٹھ ارطال تھا اس لئے ھدایہ میں لکھا ہے و هکذا کان صاع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه) اور ہم ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ انہوں نے جو روایت کیا ہے اس کے لئے دلیل نہیں۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارا صاع چھوٹا ہے یہ بھی جائز ہے کہ آٹھ ارطال والا بھی اصغر الصیعان ہو یعنی پیمانوں میں چھوٹا ہو۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کیونکہ اہل عرب صاع ہاشمی بھی استعمال کرتے تھے حالانکہ صاع ہاشمی صاع حجاجی سے بڑا ہے۔ اور جو جماعت اُن کے ساتھ ملی تھی اس سے بھی ان کی حجت نہیں بنتی کیونکہ وہ مجھولین تھے اور معلوم سے نقل کرتے تھے، حالانکہ یہ حجت نہیں بنتی۔ جیسا کہ حدیث کے اصول میں مذکور ہیں۔ اور کسی نے کہا ہے کہ امام صاحب اور ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان صاع میں کچھ خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو صاع کی مقدار پانچ ارطال اور ثلث رطل یعنی رطل کا تیسرا حصہ بیان کیا ہے وہ مدینہ کے رطل کے حساب کے مطابق کیا ہے۔ حالانکہ مدینہ کا رطل اہل بغداد کے رطل سے بڑا ہے کیونکہ مدینہ کا رطل تیس استار کے برابر ہے اور رطل بغدادی تیئیس ۲۳ استار ہے۔ جب آٹھ ارطال بغدادی اور پانچ ارطال و ثلث رطل مدنی کا اندازہ کیا جائے تو دونوں برابر ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہم پیدا ہوا ہے۔ اور یہ توفیق بینهما زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ

میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ذکر نہیں کیا ہے اگر خلاف ہوتا تو ضرور ذکر کرتا۔ کیونکہ وہ اپنے مذہب کو خوب جانتا ہے۔ انتھی عبارتہ۔

اسی وجہ سے علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:

و لا خلاف بینھما کما فی الفتح لان محمدا رحمه الله تعالیٰ ادریٰ بمذبه ولم ینقل عنه خلافاً فمراد ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ علیه رطل المدینة وهو ثلاثون أستار بکسر الهمزة و مراد محمد رحمه الله تعالیٰ علیه رطل العراق عشرون أستارا فیکون المجموع علی القولین مائة وستین أستارا و الأستار ستة دراهم و نصف کما فی المنح و الشر نبلالیة، الخ۔

ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درمیان صاع کے متعلق کچھ خلاف نہیں جیسا کہ فتح میں ذکر ہے (یعنی اشارہ فتح القدیر کی طرف یا فتح الباری کی طرف ہے) کیونکہ محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مذہب کے خوب واقف تھے۔ انہوں نے ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ذکر نہیں کیا ہے۔ تو ابو یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد رطل مدینہ سے ہے وہ تیس استار ہے اور محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد عراق کے رطل سے ہے، وہ بیس استار ہے، تو مجموعہ دونوں اقوال پر ایک سو ساٹھ استار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب بحر الرائق میں لکھا ہے اور استار کا اندازہ ساڑھے چھ درہم و نصف ہیں **طحطاوی بیان اللسان** میں لکھا ہے کہ رطل آدھ سیر ہے یعنی چالیس تولے یعنی آدھ سیر انگریزی ہے۔ [1]

حضرت علامہ طحطاوی و زیلعی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ صاع میں ان کے درمیان خلاف اعتباری ہے نہ کہ حقیقی۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کرام کے درمیان جو تولوں کے لحاظ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے اس خلاف کا منشاء یہی ہے یا یہ کہ مد کا وزن مختلف ہے یا درہم کے لحاظ سے کیونکہ بعض درہم کا اندازہ کم اور بعض کا زیادہ ہے، لہٰذا یہ اختلاف بین العلماء اعتباری ہے نہ کہ حقیقی۔ یعنی مال سب کا ایک ہے اور از روئے احتیاط اس قول پر عمل کیا جائے کہ جس نے زیادہ مقدار بیان کی ہو، کیونکہ اس پر عمل درآمد ہونے میں **خروج عن العهدة بالیقین** ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ عبادات میں احتیاط واجب ہے۔ لہٰذا صاع کی مقدار انگریزی سیر کے حساب سے ساڑھے تین سیر ہے جیسا کہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے تحریر کیا ہے کہ صاع ایک پیمانہ ہے مساوی تقریباً ساڑھے تین سیر انگریزی۔ [2]

اور انگریزی سیر مبلغ اسی (۸۰) تولے ہیں تو نصف صاع کی مقدار پونے دو سیر ہوتی ہے اور پکا سیر جو کہ ۱۰۸ تولے ہے اس حساب سے صاع ۱۰ چھٹانک دو سیر صرف چار ماشے کم۔ تو نصف صاع کی مقدار پانچ چھٹانک ایک سیر ہو گئی۔ لیکن علماء کرام

---

[1] (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح، ج۴، ص۲۸۷) (باب المراء مع الطاء، ص ۳۱۸)

[2] (بیان اللسان، ص ۷۱۴)

نے لکھاہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ اگر انگریزی سیر کے حساب سے ہو تو فدیہ دو سیر ادا کرنا چاہیئے اگر پکا سیر کے حساب سے ہو تو ڈیڑھ سیر ادا کرنا چاہیئے، اگر اس سے لوگ زیادہ ادا کرنا چاہتے ہوں تو بہت اچھا ہے۔

نوٹ: مراد صاع سے وہ ہے جو صاع میں آتا ہو نہ نفس صاع تو احتیاطاً فدیہ کی مقدار انگریزی سیر کے حساب سے دو سیر گندم اور پکا سیر حساب سے ڈیڑھ سیر گندم یا اس کی قیمت دے۔

شامی میں لکھاہے کہ:

نصف صاع من بر او من دقیقه او سویقه او صاع تمر او زبیب او شعیر او قیمته وهی افضل۔

نصف صاع گیہوں دے یا گیہوں کا آٹا یا ستو دیا جائے یا ایک صاع کھجور یا کشمش یا جو دی جائے یا اُس کی قیمت دے اور قیمت کا دینا افضل ہے۔

نوٹ: آٹا اور ستو میں اولیٰ یہ ہے کہ اگر یہ دینا ہو تو نصف صاع گیہوں کی قیمت کے برابر ہو۔

نوٹ: ہمارے مذہب میں وارث پر فدیہ واجب ہونے کی دو شرائط ہیں، ایک یہ کہ میت مالدار ہو دوسری یہ کہ میت نے وصیت بھی کی ہو۔ ان دو شرائط کی موجودگی میں والیٔ میت پر واجب ہے کہ اس سے فدیہ دیدے تیسرے حصے سے۔ اگر یہ دونوں شرطیں نہ ہوں تو ولی پر لزوم نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمایئے عبارت:

"واز تحقیق بالا بخوبی معلوم شد کہ برائے وجوب فدیہ بر وارث در مذہب ما دو شرط است یکی مالدار بودن میت دوم وصیت کردن میت بران پس در صورت موجود بودن ہر دو شرط بر ولی میت واجب است ادائی کفارۂ وی تا ثلث مال وی و نزد عدم آن لزومش نیست"۔ [1]

یعنی ہمارے مذہب میں فدیہ واجب ہونے کی دو شرائط ہیں جو ماسبقہ مذکور ہیں ان دونوں میں اگر ایک نہ ہو تو وارث پر لزوم نہیں ہے۔ اگر تبرع کیا تو جائز ہے لیکن شرط در تبرع یہ ہے کہ ورثاء اہل تبرع سے ہوں یعنی ورثاء میں چھوٹے وارث نہ ہوں یعنی تمام کے تمام بالغ ہوں۔

لہٰذا اب فکر کرنی چاہیئے کہ لوگوں سے نماز وروزے وغیرہ میں کتنی کوتاہیاں اور تقصیرات ہوتی ہیں، کتنی بے جا اور بے محل قسمیں کھاتے ہیں اور نذور مانتے ہیں وفا نہیں کرتے۔ لوگوں کو نفس و شیطان نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ نماز وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں کرتے ہیں حالانکہ ایک حدیث شریف میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ مسلم و کافر کے درمیان فرق صرف نماز چھوڑنے کا ہے اور ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ " جس شخص کی ایک نماز فوت ہوگئی وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و

---

[1] (سیف المقدین، ج ۲، ص ۴۵۵)

دولت چھین لیا گیا ہو"۔ یعنی الحاصل احادیث میں نماز کی بہت اہمیت اور چھوڑنے پر سخت عتاب وارد ہوئے ہیں جو کہ ہر ناظر کتاب سے مخفی نہیں ہے۔

دنیا میں اکثر لوگ نماز ادا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے ہیں یعنی اگر نماز ادا نہ کی ہو تو ان کی قضاء کا خیال رکھتے ہیں اور نہ ہی مرتے وقت وصیت کرتے ہیں حالانکہ وصیت کرنا واجب ہے کہ ہم سے مافاتہ کی مقدار فدیہ دے دیں اور نہ ہی ان بے انصافوں کو اتنا علم ہوتا ہے کہ ہم سے اتنی تعداد میں نماز یا روزے قضا ہو چکے ہیں، لہٰذا ان لوگوں کے ذمہ جمیع ماوجب باقی رہتی ہے یعنی ان تمام میں اکثر لوگوں سے تقصیرات ہوتی ہیں جو کہ منصف و بصیر آدمی سے مخفی نہیں **الا بعض ماشاءاللہ** کہ انہوں نے ادا کئے ہوں لیکن ان میں بھی احتمال نقصان متصور ہوتا ہے۔ بترک رکن او واجب او شرط۔ یعنی ان میں سے اکثر یہ معلومات نہیں رکھتے اگر معلوم ہو بھی تو اکثر بے پرواہی سے رہ جاتے ہیں، لہٰذا ان کا فدیہ دینے میں کافی[1] مال لگتا ہے۔

جب کہ وارثوں پر از روئے شریعت اتنی مقدار میں فدیہ لازم نہیں ہے کیونکہ میت نے وصیت نہیں کی ہے اور نہ ہی حقیقتاً کوئی اتنی مقدار میں فدیہ دیتا ہے، کیونکہ کار خیر میں نفوس کو زیادہ بخل و شح لگتی ہیں۔ بلکہ یہ ایک فطری بات ہے کہ نیک کاموں میں مال خرچ کرنا ایک بھاری بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ ہی لوگ خرچ کرتے ہیں۔ حالانکہ فضول کام و لہویات میں مال خرچ کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ کتنا خرچ ہو گیا۔ یعنی اگر سینکڑوں ہزاروں روپے بھی خرچ کرے تو طبیعت ذرہ بھر خراب نہیں ہوتی، اور اگر ایک فقیر ان کے سامنے کھڑا ہو جائے، ایک یا دو روپے کا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوال کرے کیونکہ فقیر کو خوب معلوم ہے کہ نیک کام میں ایسے ہی بزل نہیں کرتے۔ حتٰی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا مبارک نام نہ لیا جائے۔ کیونکہ فقیر کو تو ضرورت ہوتی ہے وہ مجبوراً اللہ تعالیٰ کا نام لے گا، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نام سے شرم و حیا محسوس کر کے کچھ عطا کریں۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہیں وہ اس کا نام سن کر کچھ دیں گے بعض لوگ قول **"معروف و مغفرة"** کی بناء پر کہیں گے کہ بابا معاف کرو، مزدوری کرو۔ آخر دوسرا کام بھی تو آپ کا ہے یا صرف سوال ہی کرتے ہو؟۔ یعنی خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا لوگ زیادہ شوق نہیں رکھتے۔ لہٰذا اتنی زیادہ مقدار میں نہ کوئی فدیہ دیتے ہیں اور نہ ہی از روئے شریعت لازم ہے ولی میت پر۔ کیونکہ میت نے وصیت نہیں کی ہے۔ اور مافاتہ میت کے ذمہ پر لازم پڑا ہے۔ اور ولی میت کچھ قلیل مقدار پر تبرع کرتا ہے، بحسب توفیق جتنی رقم ہو۔ تو ان کے لئے علماء کرام نے ایک حیلہ تجویز کیا ہے کیونکہ قلیل مقدار جمیع مافاتہ کے لئے فدیہ

---

[1] قولہ: کافی مال کیونکہ ایک سال شمسی کے لحاظ سے ۳۶۵ دن ہوتے ہیں تو دن میں نمازیں مع وتر چھ (۶) ہوتی ہیں، ۳۶۵*۶ حاصل ۲۱۹۰ سال کی نمازوں کا ہو گیا ہے فی نماز کا فدیہ اگر چار سو روپے ہے تو ۲۱۹۰*۴ حاصل آگیا ۸۷۶۰ روپے فی سال کا فدیہ اگر سال قمری کا لحاظ ہو تو ۳۶۰ دن ہوتے ہیں، یعنی اسی سال روزہ وغیرہ کے واجبات بھی لگا دیں تو پھر مثال کے طور پر دس سال کا حساب لگائیں تو اتنی مقدار میں فدیہ نہ کوئی ادا کر سکتا ہے اور نہ کوئی ادا کرتا ہے۔

دینے سے کافی نہیں ہوتا تو اس لئے ورثاء کو کچھ تدبیر کرنا ہوگا جیسا کہ ہمارے علاقے صوبہ خیبر پختونخواہ اور پنجاب کے بعض علاقوں میں اسی طرح بلوچستان و خصوصاً قوم افغان میں عام رواج ہے۔

ہمارے علاقے میں یہ دستور ہے کہ گھر سے جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو متوفی کے گھر والے حسب توفیق گندم وغیرہ کو متعدد چھابوں میں ڈال کر مع قرآن مجید لڑکوں کے سروں پر جنازہ گاہ یعنی جائے جنازہ لاتے ہیں۔ جنازہ کے بعد علماء کرام اور دیگر فقراء جو اس امر کو خوب جانتے ہیں وہ ایک دائرہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک عالم جو اس کو خوب جانتا ہو اس کے سامنے یہ گندم وغیرہ جو مال نقد ہو رکھ دیتے ہیں یہ دائرہ بیس نفر تک کبھی اس سے زیادہ یا کم ہوتا ہے۔ تو اسقاط کرنے والے (باندھنے والے) ولی میت کو آواز دیتے ہیں، کہ وہ آجائے اور اس سے اجازت لے کر تو ولی میت بطیب دل سے ان کو اپنی طرف سے فدیہ کرنے پر وکیل کرتے ہیں۔ پھر وہ عالم اس مال نقد و گندم وغیرہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ بولتے ہیں۔

ھر حق لہ حقوقو دہ باری تعالٰی نہ چہ لازم الاداؤ پہ ذمہ دادے حاضر متوفی باندے (اس وقت میت کی طرف اشارہ کرے) لہ صلوات لہ زکوٰۃ لہ صیام و لہ نذور لہ کفارات او لہ سائر واجبا تو بعض سبہ دہ ادا کری وی او بعض سبہ ترفوتے شوی وی حالاًدی لہ ادا دِمافاتے نہ پہ سبب دہ موتے سرہ عاجزدی او س پہ بدلہ دھغو حقوق فوتیو کے لدی حاضر متوفی نہ چہ فدیہ تر پشرع کنبے صحیح کیزی دا قرآن مجید او سرہ دلدی مالہ پہ حیلہ داسقاط سرہ ماتا تہ فدیہ[1] کریدہ۔

ہر حق حقوق اللہ جو اس حاضر متوفی کے ذمہ لازم الاداء تھا۔ مثلاً نمازوں، زکوۃ، روزوں، نذور و کفارات اور تمام واجبات سے۔ بعض کہ انہوں نے ادا کئے ہیں اور بعض ادا نہیں کئے ہیں۔ اب فی الحال یہ ادائے مافات سے بسبب موت عاجز ہے۔ اب ان حقوق فوت شدہ کے بدلہ میں یہ فدیہ جو شریعت میں صحیح ہوتا ہے یہ قرآن مجید اور یہ مال مذکور بطور حیلہ اسقاط آپ کو فدیہ دیتا ہوں۔ یعنی جو شخص اسقاط باندھنے والے کے دائیں طرف ہو اس کے ہاتھ میں دیتے ہیں پھر وہ شخص کہہ دیتا ہے کہ میں نے قبول کیا۔ پھر وہی شخص اپنے دائیں طرف دوسرے آدمی کو دے دیتا ہے اور یہ الفاظ کہہ دیتا ہے، مثلاً کہ طریقہ مذکورہ پر آپ کو فدیہ دیتا ہوں یا بخشتا ہوں وہ تیسرا آدمی کہتا ہے کہ میں قبول کیا، پھر وہ چوتھے آدمی کو دے کر حتیٰ کہ اسقاط باندھنے والوں پہنچ جائے پھر اسقاط کرنے والا یعنی صدر دائرہ اس پر یہی الفاظ بول کر دوسری بار گھمایا کرتا ہے، پھر تیسری بار بھی ایسے ہی دہرایا جاتا ہے، بعض لوگ ایسے کرتے ہیں کہ پہلی بار اس مال اسقاط کو برائے فدیہ نمازوں کے گھماتے ہیں دوسری دفعہ فدیہ روزوں کے

[1] فدیہ، الخ۔ یعنی جتنی مقدار فدیہ اس مال سے ہوتی ہے۔

لئے پھر تیسری بار ایمان و نذر و کفارات کے لئے۔یعنی تمام طریقے صحیح ہیں، جب اس عمل کو ختم کریں تو پھر تمام اللہ تعالیٰ سے مغفرت میت اور اس حیلے کی قبولیت برائے فدیہ اسقاط عن جمیع مافاتہ کے لئے دعا کرتے ہیں، پھر اس مال نقد وغیرہ کو ولی میت کو ھبہ کرتے ہیں، پھر ولی میت جتنی مقدار چاہے اس دائرے میں تقسیم کرتا ہے، اور قرآن مجید کے نسخے وغیرہ کو صدقہ دیتاہے، اور یہ مذکورہ مروجہ حیلہ جائز ہے۔کیونکہ ہمارے مذہب میں جیسا کہ تتارخانیہ وغیرہ کی عبارت گزری مذھب علمائنا ان کل حیلۃ یحتال بھا الرجل لیتخلق بھا عن حرام او لیتوصل بھا الی حلال فھی حسنۃ۔ چنانچہ اس حیلہ کے ساتھ حلال کو وصول ہوتا ہے کیونکہ ورثاء کو بغیر وصیت من المیت فدیہ دینا جائز و حلال تھا از روئے تبرع۔ تو اس حیلہ کے ساتھ توصل حلال کو ہوا کہ فدیہ ادا کرنا ہے۔کیونکہ حیلہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ مقصود حاصل ہو جائے خفیہ راستے ومباح طریقے کے ساتھ یا فکر کا پھرنا اس حد تک کہ مقصود حاصل ہو جائے، جیسا کہ یہ معنی پہلے گزرے ہیں۔اور بالضرور اس مال نقد وغیرہ کو بین الرجال ایک دوسرے کو ھبہ کرنا اور درمیان میں دور کرنا مباح چیز ہے۔لہٰذا یہ حیلہ جائز ہے یعنی اس حیلہ کے ساتھ میت سے سہل طریقے پر فدیہ ادا ہو جائے گا۔یعنی ورثاء کو زیادہ نقصان نہ ہو گا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر فعلِ انسان ناقص ہے، قبولیت صرف خدائے ذوالکرم کا فضل و احسان ہے پس جب ولی میت نے اس کے بارے میں یہ حیلہ تجویز فرمایا اور میت کے ساتھ احسان کیا تو اللہ تعالیٰ سے بھی یہ امید ہے کہ میت کے ساتھ احسان کریں بدلیل قولہ تعالیٰ: إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ (الاعراف ۵۶)

اور غالباً میت کے اکثر حالات اس حیلہ کا تقاضا کرتے ہیں، اس لئے ہر ایک کے لئے کیا جاتا ہے کیونکہ میت کے حالات پانچ قسم کے ہیں، تتبع و استقراء کے لحاظ سے نہ از روئے حصر۔

پہلی قسم وہ میت جس نے کچھ مال بھی نہ چھوڑا ہو، اگر اس کے لئے یہ دور اسقاط کیا جائے تو بہتر ہے بات برابر ہے کہ وارث اپنے مال سے تبرع کرے یا کسی سے قرض لے یا ھبہ طلب کرے یا اجنبی اپنے مال سے تبرع کرے۔

دوسری قسم وہ میت کہ جس نے مال چھوڑا ہو لیکن وصیت نہ کی ہو تو اس صورت میں وہ بھی مفلس کی طرح ہے تو اس کے لئے بھی مناسب ہے کہ دورہ اسقاط کیا جائے تبرعاً لا وجوباً۔

تیسری قسم وہ میت کہ اس نے مال تو چھوڑا ہو لیکن وصیت تیسرے حصے سے کم کی ہو اور ما اوصی بہ اس کے مافاتہ کے لئے کافی نہ ہو۔تو اس کے لئے بھی مناسب ہے کہ دورہ اسقاط کیا جائے۔

چوتھی قسم وہ میت کہ جس نے مال بھی چھوڑا ہو اور ثلث مال کی وصیت بھی کی ہو لیکن یہ ثلث مال مافاتہ کے اسقاط کے لئے کافی نہ ہو تو اس صورت میں بھی حیلہ اسقاط مناسب ہے۔

پانچویں قسم وہ میت کہ وہ غنی ہو یعنی مال بھی چھوڑا ہو اور وصیت بھی کی ہو کہ میری مافاتہ کے لئے فدیہ دے دیں، تاکہ میرا ذمہ فارغ ہو جائے اور ثلث مال بھی مافاتہ کے لئے کافی ہوتا ہو۔ تو ورثاء پر واجب ہے کہ اتنی مقدار فدیہ دے دیں۔ اس صورت میں حیلہ کا اختیار کرنا یعنی فدیہ نہ دینا ناجائز و مکروہ ہے۔ کیونکہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے: مذهب علمائنا ان کل حیلة یحتال بها الرجل لابطال حق الغیر او لادحال شبهة فیه فهی مکروهة۔ کیونکہ فدیہ حق فقراء ہے، اور ثلث مال بھی کفایت کرتا ہے، حالانکہ میت نے وصیت بھی کی ہے، تو فدیہ دینے سے انحراف کرنا حیلہ کو ابطال حق الغیر ہے۔ اور یہ ناجائز ہے، چونکہ ہمارے علاقوں میں اکثر وصیت نہیں ہوتی تو اس لئے عام لوگوں کے لئے یہ حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے۔ اور یہ حیلہ صرف تکثیر مال کے لئے ہے کہ مال زیادہ ہو جائے اور اس کے ساتھ میت کا ذمہ فارغ ہو جائے۔ تفضلاً من اللہ۔ لہٰذا اسی وجہ سے کہ یہ جائز ہے۔

علامہ شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مراقی الفلاح میں ذکر کیا ہے، حالانکہ علامہ شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرحوم تعلیقات علی الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة رحمة الله تعالیٰ علیه میں لکھتے ہیں:

وکان من اعیان الفقهاء وفضلاء عصره الخ۔

شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب عبہ ترین فقہاء میں تھے۔ اور اپنے زمانہ کے فاضلوں میں سے تھے۔

ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وإن لم یوص وتبرع عنه ولیه" أو أجنبي "جاز" إن شاء الله تعالى وإن لم یف ما أوصى به" المیت "عما علیه" أو لم یكف ثلث ماله أو لم یوص بشيء وأراد أحد التبرع بقلیل لا یكفي فحیلته لإبراء ذمة المیت عن جمیع ما علیه أن "یدفع ذلک المقدار" الیسیر لیسیر بعد تقدیره لشيء من صیام أو صلاة أو نحوه ویعطیه "للفقیر" بقصد إسقاط ما یرید عن المیت "فیسقط عن المیت بقدره ثم" بعد قبضه "یهبه الفقیر للولي" أو للأجنبي "ویقبضه" لتتم الهبة وتملک "ثم یدفعه" الموهوب له "للفقیر" بجهة الإسقاط متبرعا به عن المیت "فیسقط" عن المیت "بقدره" أیضا "ثم یهبه الفقیر للولي" أو للأجنبي "ویقبضه ثم یدفعه الولي للفقیر" متبرعا عن المیت "وهكذا" یفعل مرارا "حتى یسقط ما كان" یظنه "على المیت من الصلاة والصیام" ونحوهما مما ذكرناه من الواجبات وهذا هو المخلص في ذلک إن شاء الله تعالى بمنه وكرمه۔

اگر میت نے وصیت نہ کی ہو اور ولی نے فدیہ دینے میں تبرع کیا یا اجنبی شخص نے تبرع کیا تو انشاء اللہ تعالیٰ جائز ہے، اور اگر میت نے وصیت جتنی مقدار کی ہو اتنی مقدار مافاتہ کے لئے کفایت نہیں کرتی، یا وصیت تیسرے حصے کی کی تھی لیکن یہ تیسرا

حصہ بھی مافاتہ کے لئے کافی نہیں یا میت نے وصیت (ہی) نہ کی ہو تو کسی (وارث یا اجنبی) نے کم مقدار مال کا تبرع کیا۔ جو متروکات یا نواقص کے فدیہ کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ تو اس کا حیلہ تمام ماعلیہ سے میت کا ذمہ فارغ ہونے کے لئے یہ ہے کہ اتنی مقدار کچھ نماز یا روزہ سے فدیہ کا اندازہ لگا کر ایک فقیر کو بقصد اسقاط عن ذمۃ المیت دے دے تو اتنی مقدار میت کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ پھر فقیر قبض کرنے کے بعد ولی میت کو یہ مال بخش دے، یا اجنبی کو بخش دے ولی یا اجنبی اس مال کو قبض کرے تا کہ ھبہ کامل ہو جائے، اور ولی اجنبی کے ملک میں آجائے۔ پھر یہ مال موہوب لہ یعنی ولی یا اجنبی فقیر کو بطور اسقاط دے دے از روئے تبرع تو میت کے ذمہ سے اتنی مقدار میں فارغ ہو جائے گا پھر فقیر، ولی یا اجنبی کو بخش دے کہ ولی اس (مال) کو قبض کرے پھر ولی فقیر کو دے دے بطور اسقاط۔ اسی طرح چند بار یہ عمل دہرایا جائے تا کہ میت کے ذمہ جتنی نمازیں یا روزے وغیرہ واجبات مثل صدقہ الفطر و صدقہ المنذورۃ وغیرہ جو کہ ہم نے بیان کیئے ہیں اتنی جتنا کہ گمان ہو تا کہ وہ ساقط ہو جائیں یعنی یہ عمل اتنی بات مکرر کرے کہ جتنا گمان ہو، تا کہ وہ ساقط ہو جائیں اور یہ حیلہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس ماوجب فی ذمۃ المیت سے سبب خلاصی و نجات کا ذریعہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ خداوند پاک کے فضل و کرم سے۔ انتھیٰ۔[1]

علامہ طحطاوی اس مقام پر **در منتقی** کی عبارت نقل فرماتے ہیں:

فی الدر المنتقی انھم اذا ارادوا الاخراج عنہ یحسب عمرہ بغلبۃ الظن و یخرج عنہ مدۃ الصبا و ھی اثنا عشر فی الغلام و تسعۃ فی الانثیٰ و یخرج عنہ بقدرھا ان کان عندھم ما یکفی و الا تدفع مراراً، آہ۔ و ذلک لاحتمال نقصان صلاتہ بترک رکن او شرط فان الکثیر من الناس لا یحسن اداءھا۔

کتاب در منتقی میں لکھا ہے کہ ورثاء کو چاہیئے کہ جب وہ فدیہ کا ارادہ کریں تو میت کی عمر کا غلبہ ظن سے حساب لگائیں کہ مثلاً اتنی عمر ہو گی پھر اس سے بچپن کی عمر نکال لیں کہ وہ لڑکے کا بارہ سال اور لڑکی کا نو سال، پھر اگر ان کے پاس فدیہ دینے کے لئے ہو تو اتنے سالوں کے حساب سے اتنی مقدار میں فدیہ دیں ورنہ پھر چند بار فقیر کے ساتھ ایسا معاملہ کریں (یعنی دور اسقاط کریں) علامہ طحطاوی کہتے ہیں کہ یہ اس لئے کیا جائے کہ شاید نماز میں کچھ نقصان و کوتاہی ہوئی ہو رکن یا شرط کے رہ جانے سے، کیونکہ بہت سے لوگ نماز اچھے سے ادا نہیں کرتے ہیں، **انتھی۔**

اور **منحۃ الخالق علی بحر الرائق** میں بحث کے دوران فرماتے ہیں:

فَحِينَئِذٍ يَجْمَعُ الْوَارِثُ عَشَرَةَ رِجَالٍ لَيْسَ فِيهِمْ غَنِيٌّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى إنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الْآيَةَ وَلَا عَبْدٌ وَلَا صَبِيٌّ وَلَا مَجْنُونٌ لِأَنَّ هِبَتَهُمْ لَا تَصِحُّ ثُمَّ يُحْسَبُ سِنُّ الْمَيِّتِ فَيُطْرَحُ مِنْهُ اثْنَا عَشَرَ سَنَةً لِمُدَّةِ بُلُوغِهِ إنْ كَانَ الْمَيِّتُ

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح، ج ۱، ص ۴۳۹)

ذَكَرًا وَتِسْعُ سِنِينَ إِنْ كَانَتْ أُنْثَى لِأَنَّ أَقَلَّ مُدَّةِ بُلُوغِ الرَّجُلِ اثْنَا عَشَرَ سَنَةً وَمُدَّةُ بُلُوغِ الْمَرْأَةِ تِسْعُ سِنِينَ ثُمَّ يَأْخُذُ الْوَارِثُ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ وُجُوبًا إِنْ أَوْصَى وَاسْتِحْبَابًا إِنْ لَمْ يُوصِ أَرْبَعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَاثْنَيْنِ وَسَبْعِينَ دِرْهَمًا أَوْ شَيْئًا قِيمَتُهُ ذَلِكَ أَوْ يَأْخُذُ الْأَجْنَبِيُّ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ تَبَرُّعًا مِقْدَارُ مَا ذُكِرَ فَيُدِيرُ الْمُسْقِطُ بِنَفْسِهِ وَارِثًا كَانَ أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ أَوْ يُوَكِّلُ غَيْرَهُ فَيَقُولُ الْمُسْقِطُ أَوْ وَكِيلُهُ لِوَاحِدٍ مِنَ الْفُقَرَاءِ هَكَذَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَيَذْكُرُ اسْمَهُ وَاسْمَ أَبِيهِ فَاتَتْهُ صَلَوَاتُ سَنَةٍ هَذِهِ فِدْيَتُهَا مِنْ مَالِهِ نُمَلِّكُكَ إِيَّاهَا وَيَعْلَمُ أَنَّ الْمَالَ الْمَدْفُوعَ إِلَيْهِ صَارَ مِلْكًا لَهُ ثُمَّ يَقُولُ الْفَقِيرُ هَكَذَا وَأَنَا قَبِلْتُهَا وَتَمَلَّكْتُهَا مِنْكَ فَيَدْفَعُ الْمُعْطِي وَيُسَلِّمُ إِلَيْهِ فَيَقْبِضُ الْمُعْطِي فَحِينَئِذٍ تَصِيرُ فِدْيَةَ صَلَاةِ سَنَةٍ كَامِلَةٍ مُؤَدَّاةٍ ثُمَّ يَفْعَلُ مَعَ فَقِيرٍ آخَرَ هَكَذَا إِلَى أَنْ تَتِمَّ الْعَشَرَةُ فَحِينَئِذٍ تَصِيرُ فِدْيَةَ عَشْرِ سِنِينَ مُؤَدَّاةً فِي دَوْرٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَفْعَلُ هَكَذَا مَرَّةً أُخْرَى ثُمَّ وَثُمَّ إِلَى أَنْ تَتِمَّ فِدْيَةُ فَوَائِتِهِ بِحَسَبِ الْحِسَابِ فَإِذَا تَمَّتْ فِدْيَةُ فَوَائِتِهِ مِنَ الصَّلَاةِ يَقُولُ الْمُعْطِي لِفَقِيرٍ وَاحِدٍ مِنْ تِلْكَ الْعَشَرَةِ هَكَذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ مَلَّكَكَ سَائِرَ مَا وَجَبَ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ إِنْ كَانَ الْمَيِّتُ ذَكَرًا وَإِنْ كَانَ أُنْثَى يَقُولُ فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانٍ مَلَّكَتْكَ جَمِيعَ مَا وَجَبَ عَلَيْهَا فِي مَالِهَا وَيَفْعَلُ مَعَ كُلِّ فَقِيرٍ كَذَلِكَ فَيَعْتَرِفُونَ كُلُّهُمْ بِالْقَبُولِ ثُمَّ يَهَبُونَهُ الْمَالَ۔

فَيَأْخُذُهُ صَاحِبُهُ وَارِثًا كَانَ أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ عَلَى الْفُقَرَاءِ الْعَشَرَةِ مَا شَاءَ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَلَا يَجِبُ تَقْسِيمُ الْمَالِ الْمَذْكُورِ جَمِيعًا عَلَى الْفُقَرَاءِ وَهَذِهِ حِيلَةٌ شَرْعِيَّةٌ وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔

تو اس وقت وارث دس آدمی جمع کریں کہ ان میں (کوئی) غنی نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ صدقات بے شک مساکین و فقراء کے لئے ہیں، اور نہ (ہی ان میں) غلام ہو اور نہ ان میں چھوٹا لڑکا ہو اور نہ ہی دیوانہ ہو۔ کیونکہ ان کا ہبہ صحیح نہیں ہے۔ پھر میت کے سالوں کا حساب کرے اگر میت مذکر ہو تو اس (عمر کے حساب) سے بارہ سال نکالے، اگر مؤنث ہو تو ۹ سال کم کرے۔ کیونکہ اول مدت بلوغت آدمی کی بارہ سال ہے اور اول مدت بلوغت عورت کی ۹ سال ہے۔ پھر وارث مال یتیم سے وجوباً لے اگر میت نے وصیت کی ہو، یا بطریق استحباب۔ اگر وصیت نہ کی ہو یعنی مبلغ چار ہزار بہتر (۴۰۷۲) درہم یا دوسری چیز اتنی قیمت کی لے لے یا اجنبی آدمی اپنے مال سے اتنی مقدار تبرع کریں تو اسقاط کرنے والا اپنے آپ خواہ وارث ہو یا غیر وارث یا دوسرے آدمی کو وکیل بنا دیں تو اسقاط کرنے والا یا وکیل ان میں سے ایک فقیر کو بولے کہ یہ فلان ابن فلان اس کا نام اور اس کے والد کا نام ذکر کرے کہ یہ فدیہ اس کی تمام سال فوت شدہ نمازوں کا ہے۔ ہم آپ کو یہ دیتے ہیں بطور تملیک، اور حال یہ ہو گا کہ فقیر قبض کرنے والا یہ سمجھتا ہو کہ یہ میرا ملک ہو گیا۔ یا یہ معنی ہے کہ اس پر یقین کرے کہ یہ میرا ملک ہو گیا۔ پھر فقیر اس طرح کہے کہ ہم نے قبول کیا یا ہماری ملکیت میں آیا۔ تو یہ فقیر پھر معطی یعنی مالک کو دے گا اور مالک اس کو قبض کرے تو اس طرح پورے سال کا فدیہ ادا ہو گا، پھر وارث دوسرے فقیر سے ایسا کرے۔ حتیٰ کہ ان دس آدمیوں (میں سے ہر ایک) کے ساتھ ایسا کرے تو دس سالوں کا فدیہ ادا ہو جائے گا پھر اس طرح دوبارہ کیا جائے حتی کہ ان کا بحسب حساب سالوں کی فوائت نمازوں کا فدیہ پورا ہو جائے۔ جب یہ پورا ہو جائے تو معطی ان میں سے ایک فقیر کو بولے کہ فلان ابن فلان آپ کو مالک

کرتا ہے تمام ماوجب علیہ سے اس کے مال میں اگر میت مؤنث ہو تو یہ کہے کہ فلانۃ بنت فلانۃ آپ کو مالک کرتا ہے تمام ماوجب علیہا سے اس کے مال میں اور اسی طرح ہر فقیر کے ساتھ ایسا کیا جائے تو وہ تمام فقراء قبول پر اعتراف کریں پھر فقراء وارث کو مال ھبہ کریں۔ صاحب یعنی معطی وہ مال لے لے۔ وارث ہو یا غیر وارث پھر وہ ان فقراء پر کوئی چیز صدقہ کرے جو اس کی مرضی ہو اور یہ واجب نہیں کہ تمام مال فقراء پر تقسیم کرے۔ یعنی حیلہ کے بعد غنی کو بھی دینا جائز ہے یا اپنی ضروریات میں استعمال کرتا ہو اور یہ حیلہ جو مذکور ہوا حیلہ شرعی ہے۔[1]

اما قولہ فلان ابن فلان ملکک، الخ۔ اس عطارت کی دو توجیہ ہیں ایک یہ کہ قلب پر محمول ہے۔ یعنی یقول المعطی لفقیر واحدٍ من تلک العشرۃ ھکذا املکک سائر ما وجب علیہ من مال فلان بن فلان المتوفی، الخ۔ دوسرا یہ کہ کاتب سے غلطی ہوئی ہے، یعنی املک کی جگہ .ملکک لکھا ہے۔ اور کچھ تقدیم و تاخیر بھی کی ہے۔ حالانکہ اس صاحب کی عبارت جو پہلے گزری ہے نملکک ایاھا، الخ اس کی صحت پر گواہی دیتی ہے۔ لہٰذا صاحب منحۃ الخالق پر اعتراض وارد نہ ہوا کہ اس نے میت کو نسبت کیا ہے، حالانکہ میت تملیک پر قادر نہیں ہے، فافھم۔

اور اس طرح کلام ملکتک میں بھی ہے۔

محمد علاؤالدین ابن عابدین حنفی المذہب المعروف بالشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسالہ ثامنہ کو بحث اسقاط میں تالیف کیا، اس کا نام "منۃ الجلیل لبیان اسقاط ما علی الذمۃ من کثیر و قلیل" رکھا۔

اس رسالہ کی ابتداء میں رقمطراز ہیں، سبب تالیف بیان کرتے ہیں:

لم یفرد لمسائلھا فیما اعلم مؤلف و لم یسبق فی احکامھا مصنف مع انھا من اھم المھمات الدینیۃ و الفرائض العینیۃ حملنی علی جمعھا ما رایتہ و سمعتہ من بعض جھلۃ الائمۃ من الاخلال بما یتعلق باسقاط ما فی الذمۃ و استعین بالمولیٰ المفیض للخیر و الجود ان یحفظھا من شر کل حسود و اسألہ تعالیٰ الذی بحبہ نتعالٰی و بنعمۃ التی علینا فی کل لمحۃ تتوالی ان ینفع بھا کما نفع باصلھا انہ علی ما یشاء قدیر و بالاجابۃ جدیر و سمیتھا منۃ الجلیل ذیل شفاء العلیل، الخ۔

ابن عابدین فرماتے ہیں کہ مسائل اسقاط کے متعلق جتنا ہمیں علم ہے کسی مؤلف نے ایک مستقبل تالیف نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی کسی مصنف نے احکام اسقاط میں سبقت کیا تھا۔ باوجود یہ کہ مسائل اسقاط اہم مسائل، مہمات دین اور فروض اعیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مسائل اسقاط کے جمع کرنے یعنی تصنیف میں اس لئے میں باعث ہوا کہ ہم نے بعض آئمہ جہاں دیکھتے تھے اور بعض سے سنتے تھے کہ وہ مسائل اسقاط میں خلل و نقصان کرتے تھے (یعنی اس وجہ سے میں نے اسقاط میں خلل و نقصان

[1] (منحۃ الخالق علی بحر الرائق، ج ۲، ص ۹۸)

کرتے تھے (یعنی اس وجہ سے میں نے اسقاط کے بارے میں علیحدہ تالیف کی) اور میں مولی مفیض خیر و کرم سے مدد و دعا چاہتا ہوں کہ اس تالیف کو ہر حاسد کے شر سے محفوظ رکھیں اور میں اس اللہ تعالیٰ سے کہ جس کی محبت کی وجہ سے ہم بلند و اونچے ہوتے ہیں اور اس کی نعمت جو پے در پے ہم پر ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ اس تالیف سے لوگوں کو نفع پہنچائے جیسا کہ لوگوں نے اس کے اصل سے نفع حاصل کیا ہے۔یعنی "شفاء العلیل" کیونکہ اللہ تعالیٰ بے شک جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے اور اجابت کے لائق ہے۔[1]

پھر فرماتے ہیں:

ثم اقول بیان الاسقاط و الکفارۃ و الفدیۃ و کونہ بوصیۃ من الشخص اولیٰ من ان یفعلہ عنہ وارثہ تبرعاً۔

پھر میں کہتا ہوں بیان اسقاط و کفارہ و فدیہ اور اسقاط دینا بوصیت سے بہتر ہے اس سے کہ اس کے ورثاء اسقاط دیں از روئے تبرع و احسان یعنی بہتری وصیت میں ہے، اگر وصیت کے بغیر بھی دیا جائے تو بھی جائز ہے۔[2]

پھر فرماتے ہیں:

و دفع القیمۃ افضل لانہا انفع للفقیر الا زمن الفاقۃ و القحط و العیاذ باللہ۔

اسقاط میں قیمت کا دینا طعام سے افضل ہے کیونکہ فقیروں کے لئے یہ زیادہ نافع ہے۔ مگر زمانہ فاقہ و قحط میں طعام افضل ہے، و العیاذ باللہ![3]

علامہ ابن عابدین کفارات نماز کا دن وماہ و سال کا حساب کرتے ہیں کہ سال کے لئے کفارہ تین غرائر و نصف غرارہ گندم الا اثنی عشر مدًا (لہٰذا یہ بہت زیادہ مقدار ہے اسے کوئی ادا نہیں کر سکتا اگر ان کے پاس ہو تو لکھتا ہے) فیستقرض الولی قیمتہا و یدفعہا للفقیر ثم یستوہبہا منہ و یستسلمہا منہ لتتم الہبۃ ثم یدفعہا لذلک الفقیر او لفقیر آخر و ھکذا الی فیسقط فی کل مرۃ کفارۃ سنۃ و ان استقرض اکثر من ذلک یسقط بقدرہ و بعد ذلک یعید الدور لکفارۃ الصیام ثم للاضحیۃ ثم للایمان لکن لا بد لکفارۃ الایمان من عشرۃ مساکین و لا یصح ان یدفع للواحد اکثر من نصف صاع فی یوم للنص علی العدد فیہا بخلاف فدیۃ الصلاۃ فانہ یجوز اعطاء فدیۃ صلوات لواحدٍ۔ و کذا الزکاۃ و لو بدون وصیۃ علی المعتمد و مثلہا الحج و یخرج عن کل سجدۃ تلاوۃ کفرض صلاۃ علی الاحوط و عن النوافل التی افسدہا و لم یقضہا و عن النذور و الاضاحی و عن الزکاۃ و الفطرۃ التی علی نفسہٖ و علیٰ من تجب علیہ فطرتہ و العشر و الاخراج، الخ۔

[1] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۰۸)
[2] (مجموعۃ الرسائل، ص ۲۱۰)
[3] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۱۱)

وعن الحقوق العباد المجھولۃ اربابھا وعن الکفارات ثم بعد ذلک لابد ان یخرج عن سائر الحقوق البدنیۃ ثم یکثر من التطوع لتکثر الحسنات التی یرضی بھا الخصوم، الخ۔

ولی میت کسی اتنی مقدار میں قرض طلب کرے اور ایک فقیر کو دے پھر فقیر سے طلب ہبہ کرے۔ اور وہ چیز اس سے لے لے تاکہ ہبہ کامل ہو جائے۔ پھر وہ چیز اس فقیر کو دے یا دوسرے فقیر کو، اور اسی طرح پھر اس سے طلب ہبہ کرے کہ ہر بار فقیر کو دینے پر ایک سال کا کفارہ ساقط ہو جائے۔ اگر اس مقدار سے زیادہ طلب قرض کریں (یعنی مثلاً دو یا تین سال کے فدیہ کی مقدار) تو اتنے اندازہ میں ساقط ہو جائے گا اس کے بعد اسی طرح اس مال کو روزوں کے کفارہ کے لئے گھمائے، پھر قسموں کے کفارہ کے لئے گھمائے لیکن کفارۂ ایمان میں دس مساکین ضروری ہیں۔ یعنی ایک مسکین کو نصف صاع یا اس کی قیمت سے زیادہ ایک دن میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نص عدد میں وارد ہے، بخلاف فدیہ نماز کے کہ بہت نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو جائز ہے، اور اسی طرح زکوٰۃ کے لئے یہ دور کرے۔ اگرچہ بلاوصیت ہو قول معتمد کے اعتبار سے، اور زکوٰۃ کی مانند حج ہے۔ یعنی اس کے لئے بھی مال اسقاط گھمایا جائے، اور ہر سجدہ تلاوت کے لئے نصف صاع کا فدیہ نکال لے احتیاط کے لحاظ سے اور جو نوافل اس سے فاسد ہوئے ہیں اور اس کی قضاء نہیں لایا ہے ان نوافل کے لئے بھی دور کریں اور زکوٰۃ وصدقہ فطر کے لئے بھی اور حقوق العباد جب کہ اُن صاحبان کے نام معلوم نہ ہوں اور کفارات کے لئے بھی دور کریں اور زکوٰۃ وصدقہ فطر کے لئے بھی اور حقوق العباد جب کہ اُن صاحبان کے نام معلوم نہ ہوں اور کفارات کے لئے بھی دور کریں پھر یہ ضروری ہے کہ سارے حقوق بدنیہ کے لئے یہ مال اسقاط گھمائے پھر اس کو از روئے نفل گھمایا کرے تاکہ نیکیاں بہت ہو جائیں کہ اس سے خصم راضی ہوتا ہے، الخ۔ [1]

پھر فرماتے ہیں:

والمنصوص علیہ فی المذھب وعلیہ العمل ان یجمع الوارث عشرۃ رجال لیس فیھم غنی ولا عبد ولا صبی ثم یحسب سن المیت فیطرح منہ اثنتا عشرۃ سنۃ المدۃ بلوغہ ان کانت المیت ذکرًا او تسع سنین ان کان انثی وان لم یعلم سنہ فیقدر عمر الشخص بغلبۃ الظن فان لم یوقف علیہ قصد الی الزیادۃ لان ذٰلک احوط ثم بعد التخمین علیٰ عمرہ یسقط عنہ ماذکر من مدۃ الذکر والانثی ویخرج الکفارۃ عن الباقی۔

اور جس چیز پر مذہب میں تصریح واقع ہوا ہے اور اس پر عمل بھی ہے وہ یہ ہے کہ وارث دس آدمی جمع کر لیں ان میں غنی وغلام ولڑکا اور دیوانہ نہ ہو پھر میت کے (عمر کے) سالوں کا حساب لگائیں اگر میت مذکر ہو تو بارہ سال نکال لے اگر مؤنث ہو تو نو

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین وھکذا قال فی ج ۱، ص ۲۲۳)

سال نکال لے، اگر سالوں کا علم نہ ہو تو غلبۂ ظن سے حساب لگائے ورنہ پھر زیادہ حساب لگائیں کیونکہ اس میں احتیاط ہے پھر اس تخمینی اندازے سے مذکر و مؤنث کا اول ہر مدت بلوغ نکال کر ما بقی عمر سے کفارہ نکال لیں۔[1]

پھر فرماتے ہیں:

و مماتعارفه الناس و نص عليه اهل المذهب ان الواجب اذا كثر ادار و صرة مشتملة على نقود او غيرها كجواهر او حلى او ساعة و بنو الامر على اعتبار القيمة الخ۔ ثم بعد ذٰلک كله ينبغى ان يتصدق على الفقراء بشئى من ذٰلک المال او بما اوصٰى به الميت۔

اور جو لوگوں میں متعارف اور اہل مذہب نے تصریح کیا وہ یہ ہے کہ واجب جب بہت ہو جائیں تو لوگ ایک میانی گھمایا کریں جو کہ نقد مال یا غیر نقد مال مثلاً جواہر و زیورات و گھڑی پر مشتمل ہوں اور لوگوں نے قیمت کے اعتبار سے یہ بناء کیا ہو (یعنی ان جواہر اور زیورات وغیرہ کی قیمت متعین کی ہو) پھر اس حیلہ اسقاط کے مکمل کرنے کے بعد کچھ رقم فقیروں کو صدقہ دیں یا جس کی میت نے وصیت کی ہو وہ نکال کر تقسیم کریں۔[2]

پھر اسی صفحہ پر فرماتے ہیں:

هكذا ينبغى ان يفعل و ان كان الشخص محافظاً على صلٰوته احتياطًا خشية ان يكون وقع خلل و لم يشعر به۔

اس طرح مناسب ہے کہ یہ دور اسقاط کیا جائے از روئے احتیاط۔ اگرچہ وہ شخص نمازوں کا محافظ ہی ہو، کیونکہ خدانخواستہ کہیں اس سے نماز میں خلل واقع ہوا ہو اور اسے اس کا علم و خبر ہی نہ ہو۔[3]

احتیاط یہ کہ اسقاط کرنے والا وارث ہو۔

عبارت ملاحظہ فرمائیے:

و لكن لا يخفٰى ان الاحوط ان يباشره الوارث بنفسه او يقول لأخر و كلتك بان تدفع لهؤلاء الفقير هذ المال لاسقاط كذا عن فلان و تستوهب لى من كل واحد منهم الىٰ ان يتم العمل۔

لیکن یہ بات پوشیدہ نہیں کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وارث بذات خود دور اسقاط کرے، یا دوسرے آدمی سے کہے کہ میں نے تمہیں وکیل کر دیا کہ یہ مال فقیروں کو دیں، تاکہ میت سے اسقاط ہو جائے۔ پھر ان فقیروں سے میرے لئے طلب ھبہ کر لیں حتیٰ کہ یہ عمل پورا ہو جائے۔[4]

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین وھکذا قال فی ج ۱، ص ۲۱۱)

[2] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۱۲)

[3] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۱۲)

[4] (مجموعہ رسائل لابن عابدین، ج ۱، ص ۲۲۱)

پھر فرماتے ہیں:

والاحوط ان یباشرہ الوارث بنفسہ و ان کانت الوکالۃ العامۃ کافیۃ بان یوکلہ وکالۃ دوریۃ لاخراج ما فی ذمۃ المیت من سائر حقوق اللہ تعالیٰ و حقوق عباد المجھولۃ اربابھا بالمال الذی اعطاہ ایاہ و یجعلہ رسولاً فی قبض الھبۃ لہ نعم اذا کان الولی جاھلاً فلا بد حینئذٍ من توکیل من یدرک ذٰلک کلہ من اھل العلم و الصلاح علی الوجہ الذی ذکرناہ و الذی نذکرہ بل یتعین ذلک الوکیل یسقط عما فی ذمہ المیت و یتخلص من العھدۃ ان شاء اللہ۔

زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وارث بذات خود یہ دور اسقاط کرے اگرچہ وکالت عامہ کافی ہے کہ کسی کو وکیل بنائے دور وکالت۔ تاکہ میت کے ذمہ جو حقوق اللہ یا حقوق العباد نامعلوم مالکان کے ہیں وہ فارغ کرے اس مال سے جو ولی میت نے وکیل کو دیا ہو اس کو قبض ہبہ پر رسول بنائے، ہاں اگر ولی میت جاہل ہو تو وکیل بنانا ضروری ہے اس شخص کا جس کے متعلق اسے معلومات ہوں اہل علم وصلاح سے اس طریقہ سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جو ہم ذکر کرتے ہیں بلکہ وکیل کو متعین کرکے، تاکہ میت کے ذمہ سے سقوط کرے، اور مافاتہ سے اس کا ذمہ بری ہو جائے، ان شاء اللہ تعالیٰ![1]

ہمارے علاقے میں اسقاط کا امر اہل علم وصلاح والے کرتے ہیں، کیونکہ ولی میت اس کو اچھی طرح سے نہیں جانتے اسی وجہ سے وہ اہل علم کو وکیل بناتے ہیں اس دور اسقاط پر عبارت ملاحظہ فرمایئے:

واما قولہ فالاحوط الخ ھذا کلہ اذا کان یحسن ذلک کما ذکرناہ و ان لم یحسن ذلک فیلقنہ من یحسن ذلک من اھل العلم ان امکن و الا فتکون الوکالۃ لاحد اھل العلم العارفین بذلک۔

ولاینبغی ان یتساھل فی ھذا الامر فان بہ نجاۃ الانسان من عذاب اللہ تعالیٰ و غضبہ قال اللہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔

ہر کہ یہ قول ہے کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ ولی میت بذات خود مباشر اسقاط ہو وہ تب کہ ولی میت یہ طریقہ جانتا ہو اگر (وہ یہ طریقہ) خوب نہیں جانتا تو وہ ولی کو تلقین کرے کہ وہ شخص جو خوب جانتا ہو اہل علم وصلاح ہے جب کہ تلقین ممکن ہو اگر ممکن نہ ہو تو وکیل کیا جائے ایک اہل علم میں سے جو طریقہ اسقاط جانتا ہو۔ اور یہ مناسب نہیں کہ اسقاط کے امر میں تسامح و چشم پوشی کرے (یعنی ہر آدمی وکیل نہیں بنانا چاہیئے) کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے عذاب وغضب سے انسان کو نجات ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے تو۔[2]

---

[1] (مجموعہ رسائل، ج ۱، ص ۲۲۲)

[2] (مجموعۃ الرسائل، ج ۱، ص ۲۲۳)

اس دائرہ اسقاط میں مندرجہ ذیل امور نہیں کرنے چاہئیں، یعنی ان چیزوں سے احتراز کرنا مناسب ہے:

(۱) دینے والا شخص فقیر کو بلفظ استفہام نہ کہے آیا آپ نے یہ کفارہ قبول کیا فلاں کی نماز سے بلکہ یہ کہے کہ یہ کفارہ فلان ابن فلان کا لے لو۔ یا یہ کہے کہ یہ کفارہ نماز فلان ابن فلان کا ہے۔

(۲) جلدی قبول کرنے سے تمام ایجاب سے پہلے احتراز کرنا ضروری ہے۔ یعنی فقیر لفظ قبلت وصی کے کلام کے بعد کہے اور وصی لفظ قبلت فقیر کے کلام ختم ہونے کے بعد کہے۔

(۳) اس بات سے بھی احتراز کرنا چاہیئے کہ کہیں میانی وغیرہ مال اسقاط فقیر کے ہاتھ میں یا وصی کے ہاتھ میں نہ رہ جائے بلکہ ہر بار ایک دوسرے کو دیتے رہیں تاکہ تسلیم کرنے اور ھبہ قبض سے کامل ہو جائے۔

(۴) اس دائرہ میں قاصر یعنی صبی یا معتوہ یعنی غیر عاقل یا غلام یا مدبر سے بھی احتراز کرنا واجب ہے کیونکہ اگر وصی ان میں سے ہر ایک کو مال دے دے تو وہ اس مال کا مالک بن گیا۔ لیکن اُن میں سے ہر ایک کا ھبہ صحیح نہیں۔

(۵) اس دائرہ میں غنی و کافر بھی نہ ہو۔

(۶) اس سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے کہ اجنبی اس مال فدیہ کو گھمایا کرے مگر وکالت پر۔ کیونکہ اگر وکالت ہو تو جائز ہے ورنہ وصی یا وارث بذات خود ہو۔

(۷) اس سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے کہ وصی مال دیتے وقت فقیر کو لحاظ مذاق و حیلہ رکھیں۔ بلکہ واجب ہے کہ مال اسقاط فقیر کو دے کر اس بات کا قصد و ارادہ کرے کہ فقیر کی ملکیت ہو جائے۔ از روئے حقیقت نہ کہ از روئے تخیل۔ اس لحاظ سے کہ اگر فقیر نے اس مال کے ھبہ سے وصی کو انکار کیا تو وہ مال فقیر کا ہو گا۔ اور فقیر کو ھبہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ یہ وصی کو ھبہ کرے (یعنی مراد یہ ہے کہ صحیح طریقہ و نیت سے یہ کام کیا جائے کہ وصی یا وارث کی ملک سے زائل ہو جائے اور فقیر کی ملکیت میں داخل ہو جائے۔

(۸) فقیر کی دل شکنی سے بھی احتراز کرنا ضروری ہے، یعنی اس حیلہ کے بعد فقیر کو راضی کریں جو اس کی مرضی ہو یعنی کچھ مال فقراء کو دے دیں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔

یہ **مجموعہ رسائل ابن عابدین، ص ۲۲۵** کی عبارت کا ترجمہ ہے، اختصار کی غرض سے عربی عبارت چھوڑ دی۔

(۹) اس دائرہ میں اس بات کا لحاظ بھی رکھنا چاہیئے کہ ہر فرد دائرہ قبض و رد کو جانتا ہو۔ یعنی اتنا اس کو معلوم ہو کہ قبض کے ساتھ میری ملک ہو گی اور جب دوسرے کو دیا تو میری ملک سے زائل ہوا، یعنی اس دائرہ میں وہ نہ بیٹھے جس کو ایجاب و قبول کا علم نہ ہو، کیونکہ اس دائرہ سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم اپنے نفع کے لیئے کتنی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اس چیز کے

لئے بھی کوشش کرنی چاہیئے جس سے میت کو نفع حاصل ہوتا ہو، کیونکہ یہ حیلہ نفع اموات کے لئے جائز ہوا ہے لہٰذا اسے مندرجہ بالا طریقے سے صحیح نیت کے ساتھ کرنا چاہیئے۔

حاشیہ نوٹ: یہ حیلہ اسقاط فقہاء کرام کی تعلیمات کے مطابق کرنا چاہیئے فقہاء لکھتے ہیں کہ میت کے سالوں کا حساب لگائیں۔ اس کے بعد اول مدت بلوغت نکال کر (مؤنث ومذکر کا) پھر اس اندازے سے مال اسقاط گھمایا کرے یہی مناسب طریقہ ہے اگر کسی نے تخمینی لحاظ سے چند بار گھمایا تو وہ بھی جائز ہے، لیکن جتنا زیادہ گھمائے اتنا ہی میت کو زیادہ نفع ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہمارا مروجہ حیلہ کتب فقہیہ سے بالکل مخالف ہے کیونکہ ماسبق عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وارث یا وصی یہ مال اسقاط فقیر کو دے پھر وہ فقیر سے طلب ہبہ کرے پھر دوسرے فقیر کو دے اس سے بھی طلب ہبہ کرے الیٰ هكذا ان يتم العشر۔ اور ہمارے علاقے میں ایسا ہے کہ ولی ان میں سے صرف ایک کو اجازت دیں۔ وہ اس پر الفاظ اسقاط کہہ کر اپنے دائیں والے آدمی کو دے وہ آدمی لفظ قبلت کہہ کر دوسرے آدمی کو دے لفظ وھبت سے دیتے ہیں الیٰ آخرہ حتّٰی یتم۔ تو یہ طریقہ ظاہراً کتب فقہ سے مخالف ہے۔

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مال اسقاط گھمانے کے لئے بہت سے طریقے ہیں اور ہر ایک طریقہ جائز ہے۔ کما قال فی مجموعہ رسائل۔

و دائرة الصرّة طرائق

میانی گھمانے کے لئے بہت سے طریقے ہیں غالباً ہمارا مروجہ طریقہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ اس میں زیادہ مشقت نہیں ہے وارث ہر بار استیہاب سے بھی بے نیاز ہوگا اور رجوع فی الہبہ سے بھی خالی ہے، چنانچہ اس کا بیان علامہ طحطاوی نے کیا ہے۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فما يفعل الان من تدوير الكفارة بين الحاضرين و كل يقول للاخر و هبت هذه الدراهم لاسقاط ما على ذمة فلان من الصلاة او الصيام و يقبله الاخر صحيح ثم لو اخذها احدهم عند قبضها و لم يدفعها و استقل بها يفوز بها على الظاهر و الاولى بعد تدويرها ان يتسساوو افيها لانهم انما حضرو اليطيعو منها فنفوسهم متشوقة للاخذ لا سيما المساكين منهم۔

جواب کفارہ کو گھمایا جاتا ہے حاضرین کے درمیان اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلان کے ذمہ جو نماز یا روزے تھے یہ دراہم اس کے ذمہ سے بابت اسقاط آپ کو میں نے بخش دیئے ہیں اور دوسرا شخص یہ دراہم قبول کرتا ہے۔ یہ صحیح کام ہے (یعنی یہ حیلہ بھی صحیح ہے اور گھما کر ایک دوسرے کو دینا بھی صحیح ہے) پھر اگر ایک شخص نے قبض کے وقت مال

اسقاط اٹھایا یعنی اس پر مستقل ہو گیا یعنی اس پر مستقل ہو گیا یعنی اکیلا ہی اٹھایا تو ظاہر میں اس مال پر کامیاب ہو گیا۔ لیکن اولیٰ بات یہ ہے کہ گھمانے کے بعد اس کو فقیروں میں مساوات برابری سے تقسیم کریں کیونکہ وہ لوگ اس لئے حاضر ہو چکے ہیں تاکہ اس میں سے کچھ دیا جائے اور ان کے نفوس لینے کے مشتاق میں خصوصًا ان میں سے مساکین۔ انتھی۔[1]

قال المؤلف یفوز بھا علی الظاھر کے عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظاہرًا تو مالک ہو گیا لیکن حقیقت میں اس کے لئے یہ مال لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس مال میں باقی افراد دائرہ کے حقوق بھی متعلق ہیں۔ از روئی عرف۔

یہ اس وقت کہ دائرہ والوں نے عمل ختم کیا ہو، اگر ختم نہ کیا ہو تو بطریق اولیٰ جائز نہیں کیونکہ جو اس دائرہ سے میت کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا وہ فوت ہو گیا۔

كما فی الطحطاوی: لا بد من تكرر القبض والدفع "حتی يسقط ما كان" يظنه "على الميت من الصلاة والصيام" ونحوهما مما ذكرناه من الواجبات وهذا هو المخلص في ذلك إن شاء الله تعالى۔[2]

---

[1] (طحطاوی علی الدر المختار، ج ۱، ص ۳۰۸، باب قضاء الفوائت)

[2] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ج ۱، ص ۴۳۹)

قرآن مجید کا رکھنا مال اسقاط میں

قرآن مجید کا مال اسقاط میں رکھنا اور جنازہ سے مقدم لے جانا، قرآن مجید کے ادب کا لحاظ رکھنا مقصد شفاعت ہوتا ہے۔ اور شفیع کا حق یہ ہے کہ مقدم کیا جائے۔

اس کا اصل ایک حدیث ہے مؤطا امام محمد میں لکھا ہے:

أخبرنا مالك حدثنا الزهري قال: كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يمشي أمام الجنازة و الخلفاء هلم جرا و ابن عمر أي عبدالله بن عمر أيضا كان يمشي أمامها و كان من أشد الناس اتباعا للسنة۔

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خبر دی ہے وہ زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ سے پہلے جاتے تھے اور اسی طرح خلفائے کرام یعنی ہر ایک اپنی خلافت کے دوران ایسا کرتے تھے اور عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنازے سے پہلے جاتے تھے وہ لوگوں میں سنت کا زیادہ متابعت کرتے تھے۔ انتھی۔[1]

لہٰذا اس زمانے میں قرآن مجید سے احسن شفیع کوئی نہیں ملتا ہے۔ تو اس وجہ سے مال اسقاط میں رکھ کر جنازہ کے مقدم جنازہ گاہ لے جاتا ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی برکت سے میت پر رحم فرمائے۔

اور مال اسقاط میں قرآن مجید بھی گھمایا جاتا ہے

اس قرآن مجید کا مال اسقاط میں رکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس حیلہ کو قرآن مجید کے ذریعہ قبول کریں یعنی قرآن مجید کے توسل سے۔

حالانکہ نبی کریم ﷺ سے توسل بالقرآن ثابت ہے:

یمشی ای قدامها لانه شفیع لها قال اللهم ارحمنی بالقرآن العظیم۔

اے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نازل فرما بواسطہ قرآن مجید۔

یعنی اس کے برکت و طفیل سے قرآن مجید میں ہمارے لئے بے شمار فوائد ہیں بڑا فائدہ یہ ہے کہ لوگ جہالت و گمراہی سے نکل کر معرفت الٰہی و بصیرت و ایمان و ایقان کی روشنی میں کھڑے ہو جائیں نیز ہمارے روحانی و جسمانی بیماریوں کے لئے نسخہ شفاء ہے۔

---

[1] (مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع تعلیق الممجد، ص ۱۲۷) (موطأ مالک - روایۃ محمد بن الحسن، ج ۲، ص ۹۱)

غرض کہ قرآن مجید میں بہت فوائد ہیں اور منجملہ ان فوائد میں سے توسل بالقرآن مجید بھی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے تو لہٰذا قرآن مجید اس مال اسقاط کے ساتھ گھمایا جاتا ہے، علاوہ ازیں جتنی رقم کی مالیت ہو اتنی مقدار میں فدیہ بھی ادا ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا (آل عمران ۱۰۳)

اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو۔

مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق حبل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ اور لوگوں کو تمسک بحبل اللہ سے علماً عملاً ظاہراً باطناً صراحتاً اشارۃ قولاً فعلاً کرنے کا حکم ہے چنانچہ اطلاق آیت سے یہی ظاہر ہوتا ہے پس مجوزین حیلہ اسقاط بصورت دوران قرآن اسی شئ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔[1]

علاوہ ازیں دوران قرآن مجید کا ثبوت خلیفۃ المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے۔

چنانچہ حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

حدثنا العباس بن سفیان عن ابن علیة عن ابن عون عن محمد عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنهم قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ایها المؤمنون اجعلوا القرأن وسیلة لنجاة الموتی فتحلقو و قولوا اللهم اغفر لهذا المیت بحرمة القرآن المجید وتناوبو ابایدیکم متناوبة و فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فی أخر الخلافة مثله فی زمانه لامرأة ملقبة بحبیبة بنت عمر بدزوجة قلاب (وفی نسخه ملاب) بجزء القرآن من ومالی لا اعبد الیٰ عم یتسآءلون و شاع فعله فی زمان خلافة عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنه بانکار مروان بعناد و قال الامام السمرقندی رحمة اللہ تعالیٰ علیه ثم اشتهر فی خلافة هارون الرشید رحمة اللہ تعالیٰ علیه من غیر انکار نکیر دوران القرآن لحیلة الاسقاط فأصله ثابت عن عمر رضی اللہ تعالیٰ و ان لم یذکر فی الکتب المشهورة من الاحادیث و لکنه مذکور فی الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المؤرخ صاحب الفتوح اخبرنا ابو عاصم عن ابن جریح عن ابن شهاب عن ابی مسلمة عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه تداور جزء القرآن فی حلقة عشرین رجلاً بعد صلاة الجنازة لامرأة ملقبة بحبیبة الخ۔

ولرجل من قبلة الانصار ماحفظنا اسمه و ثبت بهذا السند ایضاً اخبرنا سعد عن ایوب عن جمیع عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه انه اوجد دوران القرآن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه و القرآن شافع للمؤمنین حیاتًا و بعد ممات، انتهی۔

---

[1] (منهاج الاحتیاط)

امام ابو اللیث فرماتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی عباس ابن سفیان نے وہ روایت کرتے ہیں ابن علیہ سے وہ ابن عون سے وہ محمد سے وہ عبد اللہ سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اے مومنو! قرآن کو مردوں کی نجات کا ذریعہ بناؤ۔

پس حلقہ باندھو اور کہو اے اللہ اس میت کو اس قرآن کی حرمت سے بخش دے اور باری باری ایک دوسرے کے ہاتھوں قرآن لیتے رہو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کے آخر زمانہ میں اس طرح ہی حیلہ کیا ایک عورت کے لئے۔ جو حبیبہ سے ملقب عربد کی بیٹی تھی اور قلاب کی بیوی تھی (اور ایک نسخہ میں ملاب کا نام ہے) یعنی قرآن مجید کے ایک جزء من **ومالی لا اعبد** سے لے کر آخر **عم یتساءلون** تک اس کے ساتھ یہ حیلہ کیا اور حضرت عمر کا یہ فعل زمانۂ خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مشہور ہوا لیکن مروان نے از روئی عناد انکار کیا، امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ پھر مشہور ہو گیا۔

ہارون الرشید کی خلافت کے دوران یعنی حیلۂ اسقاط کے لئے دوران قرآن بھی کیا اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا تو اس کا اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے۔ اگرچہ حدیث کی مشہور کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے لیکن تاریخ کی بعض کتابوں میں قوی سند کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ مؤرخ صاحب فتوح نے کہا ہے کہ ہمیں خبر ابو عاصم نے وہ ابن جریح سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ ابو مسلمہ وہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس آدمیوں کے حلقہ میں نماز جنازہ کے بعد ایک عورت جس کا لقب حبیبہ تھا کے لئے قرآن مجید کا جز گھمایا، الخ۔

اور ایک انصاری کے لئے جس کا نام ہمیں یاد نہیں اور اسی سند سے بھی ثابت ہے کہ ہمیں سعد نے بیان کیا ہے وہ ایوب سے اور وہ جمیع سے اور وہ عبد الرحمٰن بن ابی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ دوران قرآن کا ایجاد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور قرآن مجید مؤمنوں کے لئے زندگی میں اور بعد از وفات بھی شفاعت کرنے والا ہے۔[1]

لہٰذا امام ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑا فقیہ ہے انہوں نے جو یہ روایت اپنے فتاوی میں درج کی ہے انہوں نے ضرور اس روایت کی سند اور اس کی رجال میں خوب تحقیق کی ہوگی پھر اس کے بعد اپنے فتاویٰ میں درج کیا ہوگا کیونکہ وہ ایسے حضرات میں سے نہیں کہ وہ ہمیں بغیر تثبت و تحقیق کے نقل کرلے۔ کیا خوب تحقیق لکھی ہے کہ یہ طریقہ عہد عثمانی میں مشہور ہوا لیکن مروان نے از روئے عناد انکار کیا یعنی اگر یہ غلط کام تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ہم عصر اور صحابۂ کرام

[1] (فتاوی سمرقندی)

موجود تھے تو کیوں اس ناجائز کام پر خاموش رہے، یعنی اگر واقعی ناحق تھا تو ایسے بڑے حضرات ضرور اس کا انکار کرتے حالانکہ ایک کتاب میں بھی منقول نہیں کہ اس عمل کا ان حضرت نے انکار کیا ہو اگر واقعی انکار کیا ہوتا تو ضرور ہمیں کسی نے نقل کیا ہوتا اور پھر ہارون الرشید کے زمانہ میں بھی مشہور ہو گیا اس وقت بھی کسی نے انکار نہ کیا حالانکہ اس وقت بھی بہت سے اعلیٰ حضرات موجود تھے اور ثانیاً مولوی عبد الغفور نے رفع الخلاف، ص ۷ میں کتاب در مصنفہ حجۃ الاسلام الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ یعنی امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہی نقل کیا ہے یہ بھی برائے جواز موید ہوتا ہے۔ رواہ حدیث پر تبصرہ مصنف منہاج الاحتیاط نے خوب کیا ہے ص ۷۰ سے لے کر ص ۷۶ تک جس کا جی چاہے وہاں دیکھ لے، میں نے از روئے اختصار ترک کر دیا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑے فقیہہ عالم تھے تاہم فن حدیث میں ان کا کوئی درجہ نہیں؟

جواب: یہ ایک بے بنیاد جرح اور بے وزن سوال ہے کیونکہ یہ صاحب رتبۂ فقاہت کے علاوہ بہت بڑے محدث بھی تھے۔ کیونکہ ان دونوں میں اصول مناطقہ کے مطابق عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے جیسا کہ انسان اور حیوان میں یعنی ہر انسان حیوان ہے اور ہر حیوان انسان نہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہر خاص میں عام پایا جاتا ہے۔ لیکن ہر عام میں خاص نہیں پایا جاتا جیسا کہ ہر مقید میں مطلق موجود ہوتا ہے کیونکہ مقید مطلق مع القید کا نام ہے، لیکن مطلق میں مقید نہیں پایا جاتا اور یہ ایک طبعی اور فطری قانون ہے کہ جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ الحاصل یہ ہم کہتے ہیں کہ اگر فقیہہ محدث نہ ہو تو پھر فقیہہ کیسے ہو گا۔ وجہ یہ ہے کہ فقاہت کتاب و سنت سے استخراج مسائل کے ملکہ کا نام ہے اور آدمی فقیہہ تبھی ہو سکتا ہے جب اسے کتاب و سنت پر کامل عبور ہو اور پھر ان سے علی وجہ الکمل استخراج مسائل کی قدرت رکھتا ہو۔ گویا فقیہہ سے مافوق رتبہ ہے۔ جب یہ حال ہو تو پھر یہ کہنا کہ فلاں فقیہہ ہے محدث نہیں روایۃً ورایۃً ٹھیک نہیں موصوف صرف نمائشی محدث نہ تھے بلکہ ایک لاکھ احادیث حفظ ہونے کی وجہ سے حفاظ احادیث میں شمار ہوتے ہیں علوم و فنون فقیہہ صغار سے حاصل کئے آپ صرف چار واسطوں سے حضرت قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد رشید ہیں اور فقہاء کرام کے طبقہ ثالثہ میں شمولیت کی وجہ سے مجتہد فی المسائل کے منصب عظیم پر فائز ہیں امام موصوف کا فتاویٰ موجود ہے۔

لیکن اب مرور زمانہ کی وجہ سے نایاب ہے۔ اور یہ کوئی قباحت و مذمت نہیں کیونکہ بہت سے ائمہ اسلاف ایسے گزرے ہیں کہ جن کی کتابیں اب بالکل دستیاب نہیں لیکن اس کے باوجود ان کے اقوال و افکار نقل در نقل ہو کر چلے آرہے ہیں اور آج

تک کسی نامور اہل علم نے ان کے منقولات کا انکار نہیں کیا آپ کے بے مثل کردار کا یہ عالم تھا کہ ساری زندگی دروغ گوئی سے کنارہ کش رہے یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ملتقط از منہاج الاحتیاط

علامہ خفاجی نسیم الریاض شرح شفامیں لکھتے ہیں:

السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ھذا ھو الامام الجلیل المعروف بامام الھدٰی الفقیہ الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ فقیہہ ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے صاحب مفتاح السعادۃ وغیرہ نے فتاویٰ نہیں لکھا ہے تو اس کا فتاویٰ موجود نہیں ہے۔

الجواب: اول عدم ذکر مفتاح السعادۃ وغیرہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ فقیہہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے فتاویٰ نہیں ہے، کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ عدم الذکر لا یدل علی عدم الوجود یعنی ایک چیز کے نہ ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں ہوتا ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں ہے، بلکہ ہمارے لئے شاہدین عادلین موجود ہیں۔

(۱) مولانا عبد الحئی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فوائد البھیۃ میں لکھا ہے:

نصر بن محمد بن احمد بن ابراھیم ابو اللیث الفقیہ السمرقندی المشھور بامام الھدیٰ اخذ عن ابی جعفر الھندوانی عن ابی القاسم الصفار عن نصیر بن یحیٰ عن محمد بن سماعۃ عن ابی یوسف و لہ تفسیر القرآن و النوازل و العیون و الفتاویٰ و خزانۃ الفقہ و بستان العارفین و شرح الجامع الصغیر و تنبیہ الغافلین و غیر ذلک۔

اس کی وفات میں مولانا عبد الحئی صاحب نے سات اقوال نقل کیئے ہیں لیکن تین اقوال سن ۳۷۳ ان کی وفات میں نقل کیئے ہیں اور یہی سن وفات صحیح ہے۔

مولانا عبد الحئی صاحب نے لکھا ہے:

و قد طالعت من تصانیفہ البستان العارفین و خزانۃ الفقہ و کلھا مفیدۃ۔[1]

(۲) اسماعیل بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ان کی کتابوں میں فتاویٰ نقل کیا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نصر بن محمد بن ابراھیم بن الخطاب الفقیہ الحنفی السمرقندی الملقب بامام الھدیٰ توفی سن ۳۷۳ ثلاث و سبعین و ثلاثۃ مائۃ صنف من الکتب بستان العارفین تفسیر القران تنبیہ

---

[1](فوائد البھیۃ، ص ۲۸۷)

الغافلین۔ حصر المسائل فی الفروع خزانۃ الفقہ دقائق الاخبار فی ذکر الجنۃ فی النار شرح جامع الصغیر للشیبانی فی الفروع عیون المسائل الفتاویٰ مبسوط فی الفروع، الخ۔[1]

علاوہ ازیں فتاویٰ عالمگیری و نور الھدیٰ وغیرہ میں فتاویٰ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیے ہیں اور کشف الظنون میں لکھا ہے۔[2]

امام سمرقندی کی سند پر کلام اور ان کا جواب

بعض لوگ اس سند پر اعتراض کرتے ہیں، ابن جریج پر اعتراض کرتے ہیں اگرچہ وہ ثقہ تھے مگر تکمیل خواہش کے لئے حیلہ کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے نوے عورتوں سے نکاح متعہ کیا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن جریج موضوع و من گھڑت روایات نقل کرتے ہیں نقل از میزان الاعتدال اور امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ابن جریح فی الزھری لیس بشئ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ ابن جریج مدلس تھے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ ابن جریج مشہور مدلس تھے اور صاحب فتوح محمد بن عمر واقدی قابل اعتبار ہی نہیں۔ ابن معین اس کو ضعیف اور لیس بشئ کہتے ہیں۔ حاتم و اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا، امام نسائی وغیرہ فرماتے ہیں کہ مشہور کذاب تھے۔

ان کا جواب یہ ہے کہ مطلق جرح انسان میں کوئی عیب نہیں حتیٰ کہ وہ متروک کیا جائے، بلکہ ان حضرات کے مجروح نامنظور ہیں۔ مولانا عبدالحئ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب تفصیل سے لکھا ہے۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں:

و منھا ان یکون الجارح من المتعنتین المشددین فان ھناک جمعًا من ائمۃ الجرح و التعدیل لھم تشدد فی ھذا لباب فیجرجون الراوی بادنی جرح و یطلقون علیہ مالا ینبغی اطلاقہ عند اولی الالباب۔ فمثل ھذا الجارح توثیقہ معتبر و جرحہ لا یعتبر الا اذا وافقہ غیرہ ممن ینصف و یعتبر فمنھم ابو حاتم و النسائی و ابن معین و ابن القطان و یحیٰ القطان و ابن حبان و غیرھم فانھم معروفون بالاسراف فی الجرح و التعنۃ فیہ فلیثبت العاقل فی الرواۃ الذین تفرد و بجرحہ و یتفکر فیہ۔

ایقاظ لا تفتر بقول ابی حاتم فی کثیر من الرواۃ علی مایجدہ من یطالع المیزان و غیرہ، الخ۔

---

[1] (ھدایۃ العارفین، ج ۲، ص ۴۹۰: مطبوعہ استنبول)

[2] (مطبوعات الفتاویٰ علی مذھب الحنفی للامام السمرقندی، ص ۱۲۰۶: مطبوعہ بیروت)

ایقاظ کثیر اما تجد فی میزان الاعتدال وغیرہ فی حق الرواۃ نقلاً عن یحی بن معین انہ لیس بشئ فلا تغتر بہ ولا تظنن ان ذلک الراوی مجروح بجرحٍ قوی فقد قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری فی ترجمۃ عبدالعزیز بن المختار البصری ذکر ابن القطان الفاسی ان مراد ابن معین من قولہ لیس بشئ یعنی ان احادیثہ قلیلۃ انتھٰی۔

و قال السخاوی فی فتح المغیث قال ابن القطان ان ابن معین اذا قال فی الراوی لیس بشئ انما یرید انہ لم یرو حدیثًا کثیرًا الرفع والتکمیل۔

ترجمہ: بعض جرح کرنے والا متعنت ومتشدد ہوتا ہے۔ یہاں ایک گروہ جو ائمہ جروح وتعدیل سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس باب میں تشدد کرتے ہیں، راوی کو معمولی وجہ سے مجروح کرتے ہیں، راویوں پر ایسے عبارات واطلاقات کرتے ہیں کہ صاحب عقل کے لئے ایسا مناسب نہیں تو اس طرح جاری کی توثیق معتبر ہے اور جرح غیر معتبر ہے مگر جب ان کے ساتھ منصف لوگ موافقت کریں۔ ان جارحین میں سے ابوحاتم، نسائی اور ابن معین وابن القطان و یحیٰ القطان وابن حبان اور ان کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات جرح کے لحاظ سے اسراف وتعنت میں مشہور ہیں تو عاقل لوگ ان راویوں میں غور وفکر کریں جن کو خاص انہی اشخاص نے مجروح کیا ہو (یعنی ان کی جرح نامنظور کریں) ایقاظ آپ دھوکہ نہ ہو جائیں ابی حاتم کے قول سے بہت سے راویوں کے متعلق، اس چیز میں کہ آدمی میزان الاعتدال وغیرہ کا مطالعہ کرے، الخ۔

ایقاظ ومیزان الاعتدال یا تہذیب میں رایوں کے بارے میں اکثر آپ پائیں گے کہ یحییٰ ابن معین سے منقول ہے کہ فلاں راوی مثلاً لیس بشئ ہے یعنی وہ کوئی چیز نہیں ہے تو کہیں دھوکہ نہ کھالیں اور یہ گمان مت کریں کہ یہ راوی قوی جرح سے مجروح ہے کیونکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں عبدالعزیز بن المختار البصری کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ابن القطان الفاسی نے ذکر کیا ہے کہ ابن معین کا مراد لیس بشئ سے یہ ہے کہ ان کی احادیث کم ہیں۔

اور علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں کہا ہے کہ ابن قطان نے کہا ہے کہ ابن معین جب کسی راوی کے بارے میں لیس بشئ کہہ دے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ اُس نے کثیر تعداد میں احادیث روایت نہیں کی ہیں۔ انتھیٰ۔[1]

اور علامہ عبدالحئ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پھر فرماتے ہیں:

ایقاظ في بیان خطۃ ابن عدي في کتابہ الکامل قد اکثر علماء عصرنا من نقل جروح الرواۃ من میزان الاعتدال مع عدم اطلاعھم علی انہ ملخص من کامل ابن عدي وعدم وقوفھم علی شروطھما فیہ في ذکر احوال الرجال فوقعوا بہ في الزلل واوقعوا الناس في الجدل فان کثیرا ممن ذکر فیہ الفاظ الجرح معدود في الثقات سالم من الجرح فلیتبصر العاقل ولیتنبہ الغافل ولیتجنب عن المبادرۃ الی جرح الرواۃ بمجرد وجود الفاظ الجرح في حقہ في المیزان فانہ خسران أي خسران۔

---

[1] (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لمولانا عبدالحئ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۱۸) (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل لمولانا عبدالحئ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ۱۶)

ترجمہ: بیداری ہمارے ہم عصر علماء نے میزان الاعتدال سے راویوں پر جرح نقل کی ہے حالانکہ علماء یہ نہ سمجھے ہوئے ہیں کہ میزان الاعتدال کامل ابن عدی سے ملخص ہے۔ اور یہ بھی علماء کو معلوم نہیں ہے کہ ان دونوں کے احوال رجال کے بارے میں کیا شروط ہیں تو اس وجہ سے علماء نے خود (لغزش) کی۔ اور لوگوں کو بھی جنگ و جدل میں واقع کر گئے، کیونکہ کتاب میزان الاعتدال میں بہت سے ایسے لوگ مذکور ہیں کہ جن کے متعلق جرح ذکر کی ہے حالانکہ وہی لوگ ثقافت میں شمار ہیں اور جرح سے بھی سالم ہیں۔ جب معاملہ ایسا ہی ہے تو عاقل لوگ بصیرت سے کام لیں اور جو غافل ہے وہ بیدار ہو جائے۔ تاکہ اپنی جان محفوظ رکھے کہ جلدی سے رواہ پر جرح نہ کرے جب کہ ان کے حق میں الفاظ جرح صرفِ میزان الاعتدال میں موجود ہوں۔ کیونکہ میزان خسران و تاوان ہے، یعنی حقیقت میں یہ میزان نہیں بلکہ خسران ہے، انتھی۔[1]

و فی طبقات شیخ الاسلام التاج السبکی

الحذر کل الحذر ان تفهم ان قاعدتهم ان الجرح مقدم علیٰ التعدیل علیٰ اطلاقها و لو اطلقنا تقدیم الجرح لما سلم لنا احد من الائمة اذ ما من امام الا و قد طعن فیه طاعنون و هلک فیه هالکون۔

و بعض الجروح صدر من المتأخرین المتعصبین کالدار قطنی و ابن عدی و غیرهما و منهم من عادته فی تصانیفه کابن عدی فی کامله و الذهبی فی میزانه انه یذکر کل ما قیل فی الجل من دون الفصل بین المقبول و المهمل فیاک ثم ایاک ان تجرح احدًا بمجرد قولهم من دون تنقیده باقوال غیرهم کما ذکرت کل ذلک فی السعی المشکور فی رد المذهب الماثور۔

ترجمہ: شیخ الاسلام تاج الدین سبکی نے طبقات میں لکھا ہے کہ آپ یہ فہم کر کے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچائیں کہ علماء کا قاعدہ ہے کہ جرح تعدیل پر علی الاطلاق مقدم ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جرح (بھی) اس کی مقدم ہے کہ جس کی امانت و عدالت ثابت ہو۔ اور متعصب نہ ہو، کیونکہ اگر ہم تقدیم جرح مطلق مان لیں تو (اس طرح) ایک امام بھی سالم نہ رہ جائے کیونکہ ہر ایک (کے بارے) میں طاعنون نے طعن کیا ہے اور بعض جرحین متأخرین متعصبین سے بھی صادر ہو چکے ہیں۔ مثلاً دار قطنی و ابن عدی و غیرھما۔ اور ان میں سے بعض کی اپنی تصانیف میں ایسی عادت ہے مثلاً ابن عدی کامل میں اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میزان الاعتدال میں، کہ وہ (ہر) وہ بات ذکر کرتے ہیں جو کسی کے متعلق کہی گئی ہو لیکن یہ خیال نہیں رکھتے کہ یہ جرح مقبول ہے یا کہ غیر مقبول۔ پس اپنے آپ کو بچائیں پھر اپنے آپ کو بچائیں (اس بات سے) ایک فرد صرف ان اقوال پر مجروح

---

[1] (الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل، ج ۱، ص ۴۳)

کرلے جس کے ساتھ دوسروں کی موافقت نہ ہو۔ جیسا کہ میں نے یہ سب کچھ کتاب سعی مشکور فی رد المذھب الماثور میں بیان کیاہے، انتھی۔[1]

بلکہ انہی حضرات نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی مجروح کیاہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

و منھا انہ قد جرحہ سفیان الثوری و الدار قطنی و الخطیبو الذھبی و غیرھم من المحدثین و ھذا قول صدر عن الغافلین فان مطلق الجرح ان کان عیبًا یترک بہ المجروح فلیترک البخاری و مسلم و الشافعی و احمد و مالک و محمدبن اسحاق صاحب المغازی و غیرھم من اجلۃ اصحاب المعانی فان کلامنھم مجروح و مقدوح بل، الخ۔

ترجمہ: مختصرًا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سفیان ثوری و دار قطنی و خطیب و غیرہ نے مجروح کیاہے۔ یہ قول غافلین سے صادر ہو چکاہے، اگر مطلق جرح عیب ہو تو بخاری و مسلم و شافعی و احمد و محمد بن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ سب کو چھوڑا جائے، کیونکہ ہر ایک مجروح و مقدوح ہے، بلکہ الخ۔[2]

و التالی باطل بالبداھۃ فالمقدم مثلہ۔

بلکہ شیخ الاسلام بدر الدین محمود العینی بنایہ

شرح ہدایہ بحث قرأۃ الفاتحہ میں دار قطنی کے متعلق رقمطراز ہیں:

من این لہ تضعیف ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وھو مستحق للتضعیف فانہ روی فی مسندہ احادیث سقیمۃ و معلولۃ و منکرۃ و غریبۃ و موضوعۃ، انتھی۔

ترجمہ: دار قطنی نے کہاں سے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ضعیف کہاہے۔ بلکہ دار قطنی خود تضعیف کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی مسند میں احادیث سقیم و معلول و منکر و غریب و موضوع روایات کی ہیں۔[3]

اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں:

فان بعض الجروح التی جرح مبھم کقول الذھبی فی میزان الاعتدال اسمعیل بن حماد بن الامام ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ ثلاثتھم ضعفاء، انتھی۔

---

[1] (مقدمہ تعلیق الممجد علی موطاء امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۳۱، ۳۲) (مقدمہ تعلیق الممجد، ص ۳۳)

[2] (مقدمہ تعلیق الممجد۔ ص ۳۳)

[3] (مقدمہ تعلیق الممجد، ص ۳۳)

ترجمہ: اور بعض جروح جو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر وارد ہوئی ہیں جروح مبہم ہیں۔ اور جرح مبہم غیر مقبول ہے جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ اسمٰعیل حماد کا بیٹا اور حماد جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیٹا ہے وہ تینوں ضعیف ہیں۔

مولوی حمد اللہ صاحب کا جواب البصائر میں

مولوی حمد اللہ صاحب البصائر میں لکھتے ہیں جو انتقاد اس حدیث میں وارد ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ:

امام ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۳ کما فی الجواھر المضیۃ و فوائد البھیہ و مفتاح السعادۃ و ھدیۃ العارفین۔

تو شک نہیں کہ یہ زمانہ زمانۂ اجتہاد تھا۔ مجتہد جب ایک روایت پر تمسک کرے، پھر نقاد اس روایت میں قدح و نقصان بیان کرے تو تمسک کو کچھ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ آیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ اکثر محشی احادیث و فقہ اعتراضات کرتے ہیں کہ احناف کے دلائل بعض ضعیف ہیں یا یہ حدیث غریب ہے، یا ہم نے اسے کتب احادیث میں نہیں پایا اور اسی مانند اور اعتراضات بھی کرتے ہیں تو ہم نے اسے کتب احادیث میں نہیں پایا اور اسی مانند اور اعتراضات بھی کرتے ہیں تو ہم ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اعتراضات تمسک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ہیں اور یہ استدلال کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتا اور ماذ کرنا پر دلیل یہ ہے کہ شیخ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میزان کبریٰ جلد اول میں فرمایا ہے: اگر کوئی (یہ) اعتراض کرے کہ آپ کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کا ادلہ ضعیف نہیں ہے کیونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و نبی کریم ﷺ کے درمیان راویان جرح سے سالم ہیں، تو آپ کیا جواب دیتے ہیں جیسا کہ بعض حفاظ احادیث کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض ادلہ ضعیف ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پر از روئے یقین حمل واجب ہے ان راویوں پر جو ناقلین نازلین ہیں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سند حدیث میں ان کی موت کے بعد، جب کہ انہوں نے بغیر طریق الامام کے اس حدیث کی روایت کی ہے (یعنی جو سلسلہ سند حدیث میں امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تھا اس کی بجائے دوسرا سلسلہ نقل کیا ہے) یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والا سلسلہ نقل نہیں کیا ہے کیونکہ ہم نے ہر حدیث جو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسانید ثلاثہ میں پائی ہے وہ صحیح ہے۔ اگر صحیح نہ ہوتی ان کے نزدیک تو کیوں انہوں نے اس سے استدلال کیا تھا اور ہمیں وجود کذاب یا متهم بالکذب سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ مثلاً اس سند میں جو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل ہے ہمیں حدیث کی صحت پر مجتہد کا استدلال کافی ہے پھر اس حدیث پر ہمیں عمل کرنا واجب ہے اگر دوسروں نے روایت نہ کیا ہو۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا اس باریکی میں فکر و تامل کریں شاید آپ اس طرح باریکی (کسی اور) ایک محدث کے کلام میں نہ پائیں گے، الخ اس عبارت بصائر کا ترجمہ عربی الفاظ البصائر میں دیکھئے ص ۳۸، مطبع استنبول۔

یا میزان کبریٰ میں عبد الوہاب شعرانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں ص ۷۰ فی فصل تضعیف قول من قال ان ادلة مذهب الامام ابی حنیفة رحمة اللہ تعالیٰ علیه ضعیفة غالبًا۔

یعنی مولوی حمد اللہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حدیث میں جو قدح وارد ہوئی ہے۔ اس سند کے دوسرے طریقے پر ہم حمل کرتے ہیں، یعنی امام سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس طریقہ پر استدلال کیا ہے وہ صحیح ہے بلکہ قاضی فارمولی صاحب نے المسائل المنتخبہ میں لکھا ہے:

و نقل الواقدی ذکر عمل عمر رضی اللہ تعالیٰ علیه الدور و ان قیل بضعف الواقدی اقول این القوی الذی نقل انکار عمله او نقل تواتر عدم عمله فالاخذ بالمنقول اولیٰ وهو ما اخبر ابو عاصم عن ابن جریح، الخ۔

ترجمہ: علامہ واقدی نے عمل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی دوران قرآن ذکر کیا ہے، اگر کوئی (یہ) کہہ دے کہ واقدی ضعیف ہے تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ قوی کون ہے جس نے عمل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار نقل کیا ہو۔ یا اس نے نقل تواتر کیا ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کوئی نہیں کہ یہ ثابت کرے تو منقول پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ منقول یہ ہے کہ واقدی کہتا ہے کہ ہمیں ابو عاصم نے خبر دی اسے ابن جریح نے وہ ابن شہاب سے وہ ابی مسلمہ سے وہ ابی موسیٰ سے کہ فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، الخ۔ انتہی۔[1]

اسماعیل باشا البغدادی مؤلف هدیة العارفین نے واقدی کا ترجمہ کیا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الواقدي - محمد بن عمر بن واقد المواقدی أبو عبد الله المدنی الاصل بغدادي المسكن والوفاة كان عالما محدثا اخباريا ولد سنة 130 وتوفی سنة 207 سبع ومائتين، من تصانيفه اخبار مكة، ازواج النبي صلى الله عليه وسلم، تاريخ الفقهاء، التاريخ الكبير، التاريخ والمبعث والمغازی، تفسير القرآن، الخ۔ حتیٰ کہ ان کی اکتیس (۳۱) تصانیف ذکر کی ہیں۔[2]

---

[1] (المسائل المنتخبة، ص ۴۸)

[2] (هدیة العارفین، ص ۱۰، الجلد الثانی: مطبوعه استنبول)

اس سند پر کچھ عقلی اعتراضات وجوابات

اعتراض اول: یہ روایت کسی رافضی کی ایجاد ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمر وحضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہارون الرشید کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا نام نہیں لیا ہے۔

جواب: اس سے یہ بالکل معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ رافضی کی ایجاد ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شاید ترک کی کچھ مقتضٰی تھی۔ اس لئے زمانۂ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مشہور نہ ہوا تھا، بغیر دلیل کے کسی انسان پر رافضی کا حکم مناسب نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض: اس روایت میں یہ مقصود ہے کہ حضرت عثمان وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں لوگ نماز وروزہ میں لاپرواہی کرتے تھے یہ خلافت راشدہ ہوگی یا غیر راشدہ؟

جواب: اس سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس میں صراحتًا اس کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان سے کچھ نمازوں میں سہوًا خلل واقع ہو چکا ہو بترشرط وغیرہ تو احتیاطًا اس کے لئے اسقاط مع دوران قرآن مجید کیا ہو، تو احتیاط سے ای عمل بالا احتیاط سے خلافت راشدہ پر اثر ہونا تو درکنار اس کو اور تقویت دیتی ہے۔

بلکہ عہد نبوی ﷺ میں اس قسم کے واقعات پیش ہوتے تھے کیونکہ حدیث کے الفاظ خود گواہی دیتے ہیں کہ: **قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ الحَدِیث۔**

تیسرا اعتراض: حبیبہ اور قلاب وغیرہ کا کتب رجال وغیرہ میں کہیں ذکر نہیں ہے تو کیسے باور کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز وروزہ میں کوتاہی کی، پھر لرجل من انصار کا کیا مقام کیا ہوگا۔

الجواب: حبیبہ وقلاب وغیرہ کا عدم وجدان کتب تواریخ میں مستلزم لعدم الوجود نہیں ہے۔ کیونکہ تمام کتب تاریخ وکتب رجال کا ذخیرہ نہ تو کسی کے پاس موجود ہوتا ہے اور نہ ہی کسی نے تمام کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ورنہ پھر ضرور مل جائے گا۔ اور اس میں صراحتًا صحابی کا ذکر نہیں ہے کہ ان سے نماز وروزہ میں کوتاہی ہوئی تھی۔ بلکہ **لرجل من قبیلۃ الانصار** کا لفظ ذکر ہے۔ تو اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ نہ صحابی ہو اور نہ انصاری ہو۔ بلکہ ایک شخص مسلمان جو قبیلہ انصار میں رہتا تھا۔

چوتھا اعتراض: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری ایام خلافت میں سرکاری طور پر قرآن کریم کتابی شکل میں یکجا جمع تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وَمَالِیَ سے الیٰ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ تک جزء کا دوران کیا تمام قرآن مجید کا دوران نہ کیا۔

الجواب: اس جزء کے پھیرنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ قرآن مجید یکجا جمع نہیں ہوا تھا، بلکہ جمع ہوا تھا، لیکن چھپا نہ تھا۔ حتیٰ کہ ہر ایک کو ملا تھا یا اس اسقاط میں یہ جزء موجود تھا، سارا قرآن موجود نہ تھا اس لئے اس جزء کا دوران کیا گیا۔

پانچواں اعتراض: اگر اس حیلہ کی اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی اور (یہ حیلہ) عہد عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ میں مشہور ہو گیا تھا۔ تو محدثین نے کتابوں میں کیوں نہیں لکھا؟

الجواب: بعض محدثین کو پہنچا ہو گا لیکن انہوں نے شاید اپنی کتابوں میں اس واسطے درج نہ کیا ہو کہ ان کی شروط کے موافق نہ ہو گا، کیونکہ ہر ایک کی اپنی کتاب میں علیحدہ علیحدہ شروط ہیں۔ اگر ایک بات صحیح بھی ہو لیکن مصنف کی شروط سے موافق نہ ہو تو اسے نہیں لکھتے۔ اور بعض محدثین کو بالکل پہنچا ہی نہ ہو گا۔

چھٹا اعتراض: اوجد دوران قرآن۔ اس کے جعلی ہونے کا قرینہ ہے یہ کوئی سائنس وغیرہ کی ایجاد تو نہیں تھی کہ یہ لفظ کہا گیا امر یا حکم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ الفاظ ترک کر دیئے گئے، کیوں؟

الجواب: عربی ایک وسیع زبان ہے اس میں ہر طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اوجد ہو یا دوسرا لفظ ہو۔ بلکہ اگر ایسی ہی تنگ نظری سے کام لیا جائے تو پھر وصیت سے ذخیرہ احادیث و مسائل فقہ بیکار ہو جانے کا خطرہ ہے۔

ہم نے سند سمرقندی پر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کچھ گفتگو کی کیونکہ فریق مخالف اس پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اب ہم علامہ واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق کچھ حقیقت پیش کرتے ہیں۔ حضرت امام واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توثیق و تضعیف میں اگرچہ اختلاف ہے مگر صحیح توثیق ہے۔ چنانچہ ابراہیم حربی، ابو یحییٰ ازہری، یزید بن ہارون، ابو عبید القاسم بن سلام، مصعب زبیری، ابو بکر صفانی، ابو بکر ابن العربی، حافظ ابن جوزی، حافظ درآوردی، مجاہد بن موسیٰ، عباس عنبری، محدث ذھلی، ابو بکر بن شیبہ یہ تمام واقدی کی توثیق پر قائل ہیں۔ چنانچہ برائے تسکین قلب چند احناف کے اقوال نقل کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

شیخ الاحناف محقق علی الاطلاق امام ابن الھام فتح القدیر باب الماء الذی یجوز به الوضوء میں فرماتے ہیں:

عن الواقدی قال کانت بئر بضاعة طریقا للماء إلی البساتین وهذا تقوم به الحجة عندنا إذا وثقنا الواقدی أما عند المخالف فلا لتضعیفه إیاہ۔

ترجمہ: یعنی شیخ واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیر بضاعۃ باغوں کی طرف پانی کا ایک راستہ تھا۔ اس سے ہمارے نزدیک دلیل قائم ہوتی ہے جب کہ ہم نے واقدی کی توثیق کی چونکہ مخالف انہیں ضعیف کہتے ہیں پس ان کے نزدیک دلیل ثابت نہ ہوگی۔[1]

حضرت علامہ ابراھیم حلبی مصری شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں:

و الصحیح فی الواقدی التوثیق، الخ فصل فی احکام الحیاض، کبیری، ص ۹۳۔

مصنف بحر الرائق لکھتے ہیں:

قُلْنَا ما ذَكَرَهُ الطَّحَاوِيُّ إثْبَاتٌ و ما نَقَلَ أبو دَاوُد عن الْبُسْتَانِيِّ نَفْيٌ وَالْإِثْبَاتُ مُقَدَّمٌ على النَّفْيِ۔

ترجمہ: یعنی شیخ واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیر بضاعۃ باغوں کی طرف پانی کا ایک راستہ تھا۔ اس سے ہمارے نزدیک دلیل قائم ہوتی ہے۔ جب کہ ہم نے واقدی کی توثیق کی چونکہ مخالف انہیں ضعیف کہتے ہیں پس ان کے نزدیک دلیل ثابت نہ ہوگی۔[2] حضرت علامہ ابراھیم حلبی مصری شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں:

و الصحیح فی الواقدی التوثیق، الخ۔[3]

مصنف بحر الرائق لکھتے ہیں:

فی ترجیح قول الواقدی ما ذکرہ اثبات و ما نقل ابو داؤد عن البستانی نفی و الاثبات مقدم علی النفی، الخ۔

یعنی واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی ترجیح کے سلسلے میں جو کچھ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا وہ مرتبۂ اثبات میں ہے اور جو کچھ ابو داؤد نے بستانی سے نقل کیا وہ نفی ہے اور اثبات نفی پر مقدم ہے (لہٰذا اس قاعدہ کی رو سے قول الواقدی راجح ہے)۔

---

[1] (شرح فتح القدیر، ج ۱، ص ۷۸)
[2] (بحر الرائق، ج ۱، ص ۸۳)
[3] (فصل فی احکام الحیاض، ص ۹۳، کبیری)

اور مولانا حافظ محمد یوسف امیر جماعت تبلیغی امام واقدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الواقدی وان اختلف المحدثون فی جرحه وتعدیله لکنه رأس فی المغازی والسیر والاخبار والحوادث الکائنة فی وقت النبی ﷺ وبعد وفاته وهو من اهل المدینة فلا شک انه اعلم بحالها، الخ۔ امانی الاحب وفی شرح معانی الآثار۔

ترجمہ: واقدی کے متعلق اگرچہ محدثین مختلف خیالات رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ موصوف مغازی، سیر، اخبارات اور حوادث میں (جو حضور اکرم ﷺ کے دور مبارک اور آپ ﷺ کے وصال شریف کے بعد پیدا ہوئے) بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اہل مدینہ میں سے ہونے کی وجہ سے حالاتِ مدینہ منورہ کو خوب جانتے ہیں۔

اور آخر میں امام العصر صدر مدرس دیوبند شیخ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

فائدةٌ مهمةٌ: واعلم أنهم تكلّمُوا في الواقديِّ، وأمره عندي أنه حاطب ليلٍ، يَجمَعُ بين رجلٍ وخيلٍ، فيأتي بكلِّ رطبٍ ويابسٍ، صحيحٍ وسقيمٍ، وليس بكذّابٍ، وهو متقدِّمٌ عن أحمد، وأكبرُ منه سِناً، ولكنه أضاعه فقدان الرفقة، وقلة ناصريه، فتكلَّم فيه من شاء. وأمَّا الدّارَقُطْنيُّ، فإنه وإن أتى بكلِّ نحوٍ من الحديث، لكنه شافعيُّ المذهب، فَكَثُرَتْ حماته، فاشتهر اشتهار الشمس في رابعة النهار، وبَقِي الواقديُّ مجروحاً، لا يَذُبُّ عنه أحدٌ. فذلك عندي من أمر الواقديِّ. أمَّا جمعه بين الضعاف والصحاح، فذلك أمرٌ لم يَنْفَرِدْ به هو، بل فعله آخرون أيضاً۔

ترجمہ: ایک اہم فائدہ سمجھو کہ لوگوں نے علامہ واقدی کے متعلق باتیں کی ہیں میری رائے ان کے متعلق یہ ہے کہ وہ صحیح اور ضعیف احادیث نقل کرتے ہیں لیکن کذاب (دروغ گو) نہیں ہیں۔ وہ امام احمد سے زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہیں اور عمر کے لحاظ سے بھی بڑے ہیں اور امام دار قطنی نے اگرچہ ہر قسم کی احادیث یعنی صحیح و ضعیف نقل کی ہیں لیکن وہ شافعی المذہب تھے اور ان کے حامی و مددگار بہت تھے تو سورج کی طرح مشہور ہوئے۔ اور علامہ واقدی کے ساتھی نہ تھے اور ان کے مددگار کم تھے اور جیسی مرضی تھی لوگوں نے ان کے خلاف باتیں کیں، اسی وجہ سے واقدی مجروح رہ گئے۔ کوئی ان سے مدافعت نہ کرتا تھا۔

بس یہ ہے میری رائے علامہ واقدی کے متعلق ہر کہ جمع کرنا بین حدیث ضعیف و صحیح یہ ایسا امر ہے کہ اس میں علامہ واقدی منفرد (یعنی اکیلا ہے) نہیں دیگر محدثین نے بھی اس طرح نقل کی ہے (یعنی کیونکر اس وجہ سے اکیلا ان کو مجروح اور داغدار کیا جاتا ہے)۔[1]

---

[1] (فیض الباری شرح صحیح البخاری، ج۷، ص ۲۰۸)

الحاصل صاحب فتوح محمد بن عمر واقدی کے توثیق کے بارے میں آپ نے عبارت ملاحظہ کئے اگر بالفرض از روئے حدیث ان کو ضعیف بھی تسلیم کیا جائے۔ تو از روئے تاریخ قوی ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے نقل فقہاء کرام جس کا بیان پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ برائے جواز حیلہ اسقاط کافی ہے، تو پھر یہ تاریخی حیثیت کے لحاظ سے ہمارے لئے مؤید بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ توسل بالقرآن حدیث سے ثابت ہے اور قرآن مجید کی جتنی مالیت باعتبار کاغذ وطباعت مال متقوم ہونے کی وجہ اتنی مقدار فدیہ دینے میں بھی ادا ہوتا ہے۔

حیلۂ اسقاط پر اعتراضات اور ان کے جوابات

اس مسئلہ پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ تو کوئی معقول اعتراضات نہیں ہیں لیکن اس طرح بعض مسلمانوں کے قلوب میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جوابات دیتے ہیں۔

اعتراض اول: حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جائیں گے کیونکہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارہ کریں گے۔ اس لئے یہ بند ہونا چاہیئے۔

جواب: یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسا کہ بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہو جاتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ کرنے پر دلیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب غریب کو معلوم ہوتا ہے کہ اسے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت کئے ملے گا تو وہ محنت کیوں کرے گا، اسی طرح جب کہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو وہ خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے۔ اسی طرح یہ اعتراض بھی فضول ہے کہ جو شخص فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا۔ اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا۔ اگر کوئی شخص مسئلۂ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی استعمال کرنے والے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی۔ نیز یہ مسئلہ اسقاط صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہمیں تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بناء پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتراض دوئم: کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کرکے مچھلی کا شکار کیا تھا جس سے اُن پر عذاب الٰہی آ گیا۔ اور وہ بندر بنا دیئے گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (البقرة ٦٥) تو معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الٰہی کا باعث ہے۔

الجواب: حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیلیوں پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے اور نبی کریم ﷺ کی امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے مثلاً کسی جگہ مسجد بن رہی ہے روپیہ کی ضرورت ہے۔ زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا، کسی فقیر کو زکوٰۃ دی، اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے مسجد پر خرچ کر دیا یا دوسرے کو دے دیا اس طرح حیلے جائز ہیں۔ نیز بنی اسرائیل نے حرام کا ارتکاب کیا۔ یعنی یوم السبت میں مچھلی کا شکار کیا یا حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلیوں کو بند کیا پھر اتوار کے دن نکال لیا۔

حاشیہ: (نوٹ) یہ اعتراض تو بالکل اس طرح ہے کہ جیسے ایک آدمی کے پاس ہتھیار ہے وہ اس کو اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے رکھ رہا ہے لیکن دوسرا آدمی اعتراض کرنا شروع کردے کہ بھئی ہتھیار کیوں رکھ رہے ہو؟ اس سے تو تم ڈاکے ڈالوگے ناحق خون کروگے اللہ تیرا بھلا کرے جب وہ اپنے ہتھیار کو منہی کام کے لئے استعمال کرے تب اس کے لئے ٹھیک نہیں، نہ کہ جو بیچارہ جائز کام کے لئے رکھے اس کو بھی پہلے ہی مؤرد الزام ٹھہرائے۔

جیسا کہ تفسیر زاد المیسر میں لکھا ہے:

و فی صفۃ اعتدائھم فی السبت قولان احدھما انھم اخذوا الحیتان یوم السبت قالہ الحسن و مقاتل، و الثانی انھم حیسوھا یوم السبت و اخذوھا یوم الاحد و ذلک، الخ۔

ترجمہ: اور ان کے تجاوزِ یوم السبت میں دو قول ہیں حسن و مقاتل کا قول یہ ہے کہ وہ سنیچر کے دن مچھلیوں کو پکڑتے تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سنیچر کے دن مچھلیاں بند کرتے تھے اور اتوار کو پکڑ لیتے تھے۔ اور ایسے حیلے تو اب بھی منع ہیں۔[1]

جیسا کہ ہم نے آپ کو بیان کیا کہ برائے ابطال حق غیر یا اس میں شبہی ڈالنا یا تحلیل حرام کے لئے حیلہ کرنا مکروہ و ممنوع ہے اور وہ حیلہ جو حرام سے بچنے کے لئے کیا جائے یا حلال کو وصول کرنے کے لئے کیا جائے جائز ہے۔ جیسا کہ اشباہ و النظائر و مبسوط السرخسی و عالمگیری کی عبارات میں واضح ہو چکا ہے۔ لہٰذا حیلہ اسقاط جائز حیلوں سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ یہ تکثیر مال کے لئے حیلہ ہے اور خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ می طلبد   رحمت حق بہا نمی طلبد

یعنی خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے۔

اعتراض سوئم: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ اسقاط قبیح ہے کیونکہ اس میں بار بار ھبہ دے کے رجوع کرتے ہیں اور رجوع فی الھبہ قبیح ہے تو حیلہ اسقاط بھی قبیح ہے تو اسے ترک کرنا چاہیئے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیس لنا مثل السوع العائد فی ھبتہ کالکلب یقیئ ثم یعود فی قیئہ۔

الجواب: پہلے معنی رجوع فی الھبۃ سمجھنا ضروری ہے۔ رجوع فی الھبۃ اسے کہتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے شخص کو کوئی چیز بطور ھبہ دے دے پھر واھب اس میں رجوع کرے کہ چیز مجھے دے دو یا واپس کر دو مثلاً یا فعل سے رجوع ہو کہ وہ چیز اس سے واپس لے لے۔ تو اسے کہتے ہیں رجوع فی الھبۃ اگر موھب لہ یعنی جسے ھبہ دیا گیا ہو اس نے اپنی طرف بطیب قلب بغیر مطالبہ منہ واھب کو چیز واپس کی تو یہ رجوع نہیں ہے کیونکہ رجوع راجع کی صفت ہے اور راجع واھب ہو سکتا ہے نہ کہ موھوب لہ یعنی رجوع اس وقت متحقق ہوتا ہے جب کہ واھب کا مطالبہ ہو اگر موھوب لہ نے بغیر مطالبہ دیا ہو تو اسے رجوع

---

[1] (تفسیر زاد المیسر، ج ۱، ص ۹۴)

نہیں کہتے ہیں بلکہ ھبہ جدید ہو گیا۔ لہٰذا اس مروجہ حیلہ میں اولاً ولی میت ایک شخص جو اسقاط کے امر خوب جانتا ہو اسے مال ھبہ کریں اور اسے اس کام پر وکیل بنادے۔ پھر وہ شخص اس مال (اسقاط) پر الفاظ اسقاط پڑھ کر دوسرے شخص کو ھبہ دیتا ہے وہ تیسرے شخص کو، وہ چوتھے کو حتّٰی الی الاٰخرہ ایک دوسرے کو ھبہ کرتے ہیں اور آخر میں یہ مال اسقاط باندھنے والے کو موصول ہو جائے بغیر رجوع و مطالبہ پھر چند بار اس طرح گھمایا جائے کہ یہ عمل اسقاط ختم ہو جائے۔ پھر یہ مال ولی میت کو بغیر رجوع ومطالبہ منہ بطور ھبہ دے دیں۔ تو مثل سوء میں اصلاً داخل نہ ہوا۔

جیسا کہ منحۃ الخالق میں لکھا ہے:

ثم یھبونہ المال فیأخذ صاحبہ، الخ۔ یعنی الحاصل اس حیلۂ اسقاط میں رجوع فی الھبہ بالکل ہے ہی نہیں، حتیٰ کہ اعتراض وارد ہو جائے۔ بلکہ ہمارے مذہب میں رجوع فی الھبہ جائز ہے، اگرچہ مکروہ ہے۔ جبکہ ھبہ غیر ذی رحم محرم کو دیا ہو۔

چنانچہ مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں، اس کے تحت لکھتے ہیں:

قال محمد (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) و بھذا ناخذ من وھب ھبۃ لذی رحم محرم او علیٰ وجہ صدقۃ فقبضھا الموھب لہ فلیس للواھب ان یرجع فیھا۔ ومن وھب ھبۃ لغیر ذی رحم ومحرم وقبضھا فلہ ان یرجع فیھا ان لم یثب منھا او یزد خیرًا فی یدہ او یخرج من ملکہ الیٰ ملک غیرہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والعامۃ من فقھائنا۔[1]

موانع رجوع فی الھبۃ اشیاء یجمعھا ھذہ الحروف

ومانع عن الرجوع فی الھبۃ یا صاحبی حروف دمع خزقۃ۔

یہ ہمارے مذہب میں رجوع فی الھبہ کے لئے چند موانع ہیں، اگر یہ موانع موجود ہوں تو رجوع صحیح نہیں ہے، اگر غیر موجود ہوں تو رجوع صحیح ہے:

(۱) الدال عبارۃ عن الزیادۃ المتصلۃ کالفرس والبناء والسمن۔

(۲) والمیم عبارۃ عن موت احد المتعاقدین۔

(۳) والعین عبارۃ عن العوض۔

(۴) والخاء عبارۃ عن خروج الھبۃ عن ملک الموھوب لہ۔

(۵) والزاء عبارۃ عن الزوجیۃ ای اذا وھب لزوجتہ ثم ابانھا لیس لہ الرجوع فی الھبۃ۔

(۶) والقاف عبارۃ عن القرابہ فلو وھب لذی رحم محرم منہ لا یرجع۔

---

[1] (موطاء امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ص ۳۴۹، باب الھبۃ والصدقۃ)

(۷) والهاء عبارة عن هلاک العين الموهوبة۔ فانه مانع من الرجوع و انما يصح الرجوع بتراضيهما او بحكم الحاكم۔

هذه الكل من تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق كتاب الهبة۔

یہ دونوں عبارات برائے تسہیل طلباء نقل کیں ورنہ کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔

اعتراض چہارم: اس طرح حیلہ اسقاط کرنے پر دفن میں تاخیر ہو رہی ہے اور یہ تاخیر مکروہ ہے، لہٰذا حیلۂ اسقاط نہیں کرنا چاہیئے۔

الجواب: تاخیر مکروہ ہے لیکن جو دنیاوی کام کے لئے ہو اگر دینی وجہ سے دفن میں تاخیر کی جائے تو یہ تاخیر تاخیر نہیں حقیقتًا۔ کیونکہ اس حیلہ میں فراغت ذمة الميت عن ما وجب سے ہوتی ہے۔ یعنی اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کریں اس حیلہ کے ذریعے سے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید نہیں بلکہ مجموعہ رسائل میں لکھا ہے:

و ينبغي ان يغدى قبل الدفن و ان جاز بعده۔

ترجمہ: مناسب ہے کہ فدیہ دفن سے پہلے دیا جائے، اگرچہ دفن کے بعد بھی جائز ہے۔

اعتراض پنجم: نبی کریم ﷺ نے اس حیلہ اسقاط کا امر نہیں کیا ہے، لہٰذا اسے ترک کرنا واجب ہے۔

الجواب: اگرچہ نبی ﷺ نے امر نہیں کیا ہے لیکن حیلہ اسقاط سے منع بھی نہیں کیا ہے، اور کسی چیز کا ترک کرنا نہی پر موقوف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (الحشر ۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

علامہ آلوسی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح المعانی میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

و استنبط من هذه الأية ان وجوب الترک يتوقف علىٰ تحقق النهي و لا يكفى فيه عدم الامر فما لم يعترض له امرًا و لا نهيا لا يجب تركه۔

اس آیت سے یہ مستنبط ہوا کہ وجوب بترک نہی صریح کے وجود پر موقوف ہے، یعنی امر کا نہ موجود ہونا کافی نہیں ہے۔ چنانچہ جس چیز کے لئے نہ امر معترض ہو نہ نہی، تو اسے ترک کرنا واجب نہیں ہے۔ انتھی۔[1]

---

[1] (روح المعانی، ج ۲۸، ص ۴۴)

الحاصل:

جب یہ معلوم ہوا کہ ایسی چیز کو ترک کرنا واجب نہیں ہے تو یہ بالضرور معلوم ہوا کہ اس پر عمل کرنا جائز ہوگا۔[1] تو لہٰذا اگر حیلہ اسقاط میں صریح امر نہیں ہے، تو نہی بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس کا ذکر کرنا جائز ہے۔ اور کسی چیز کو اپنی رائے سے بدعت سیہ کہنا یعنی بغیر دلیل شرعی اسے برا سمجھنا بہت بڑا گناہ اور جرم ہے۔

ایک شاعر نے کیا سچ کہا ہے:

غیر کی آنکھ کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر   دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

فهم ينكرون مالم ينكر۔

اعتراض ششم: اس حیلہ اسقاط کے مجوزین کے پاس نہ تو آیت ہے اور نہ ہی حدیث ہے، بلکہ صرف فقہی عبارات پیش کرتے ہیں۔ اور حالانکہ وہ ایسے فقہاء کرام ہیں کہ نہ تو مجتہدین ہیں اور نہ اصحاب التخریج ہیں، بلکہ مقلدین محض ہیں، لہٰذا یہ حیلہ اسقاط بدعت ہے۔

الجواب: بدعت کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن وحدیث کا مخالف و مغیر ہو۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث: من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ کی تفصیل میں فرماتے ہیں:

یعنی احداث کرد چیزے کہ نیست در کتاب وسنت نہ صریحاً ونہ مستنبط از وے ونہ حکم کرد بصحت وے کتاب پس شامل شد اجماع و قیاس را و مراد چیزے است کہ مخالف و مغیر آن باشد۔

ترجمہ: یعنی بدعت اس چیز کو کہتے ہیں کہ کتاب اللہ و سنت نبوی ﷺ میں نہ صریحاً ونہ مستنبطاً موجود ہو اور اس سے وہ چیز مراد ہے جو کہ قرآن وحدیث کا مخالف و مغیر ہو۔ تو بدعت کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے لئے دین میں اصل نہ ہو، نہ صراحتاً و نہ اشارۃً۔ بلکہ قرآن و حدیث کا مخالف ہو اور حالانکہ کتاب اللہ میں تمام اقسام شامل ہیں، یعنی عام و خاص و دلالۃ النص و عبارۃ النص و اقتضاء النص و اشارۃ النص وغیرہ اقسام کتاب اللہ۔ اور اسی طرح سنت میں حدیث متواتر و مشہور و خبر واحد

[1] لا یجب ترکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا نہ کرنا بھی جائز ہے لیکن اب حیلہ اسقاط کا کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے کیونکہ میت کے لئے نافع و مفید ہے۔

اور اسی طرح حدیث قولی و حدیث فعلی و حدیث تقریری سب شامل ہیں۔ یعنی بدعت وہ چیز کہ اس کا ثبوت نہ تو اقسام کتاب اللہ سے ملے اور نہ ہی اقسام حدیث سے۔

حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں:

والبدعة مالم يثبت من الشارع لا قولاً ولا فعلاً ولا صريحًا ولا اشارةً۔

ترجمہ: بدعت وہ چیز ہے کہ اس کا ثبوت شارع سے نہ قول سے ہو نہ فعل سے اور نہ صریحًا ہو اور نہ اشارۃً ہو۔[1]

اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

والماخوذ من الادلة الشريعة ليس ببدعة۔

ترجمہ: اور جو چیز ادلہ شرعیہ سے اخذ کی گئی ہو وہ بدعت نہیں ہے۔[2]

اور فقہی مسئلہ میں قاعدہ ایسا ہے کہ اگر مقلد نے مجتہد سے نقل کیا ہو مسئلہ میں تو ہمیں اس کی اتباع لازم ہے۔ اگر مقلد نے خود اپنی طرف سے یا دوسرے مقلد سے نقل کیا ہو پھر بھی اتباع لازم ہے۔ اگر اس نے دلیل شرعی بیان کی ہو تو اس میں کچھ کلام نہیں، اگر بیان نہیں کیا ہو تو مقلد کے کلام کو نظر کیا جائے اگر اصول و کتب معتبرہ کے موافق ہو تو ان پر عمل کرنا جائز ہے۔ اگر ان سے مخالف ہو تو عمل کرنا مقلد کے کلام پر جائز نہیں۔ چنانچہ جب ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ حیلۂ اسقاط نہ ہو تو قرآن و حدیث سے مخالف ہے اور نہ ہی کتب معتبرہ سے مخالف ہے بلکہ ان کے موافق ہے تو لہٰذا بدعت نہیں ہے۔

بلکہ جن حضرات نے ہمیں یہ حیلہ نقل کیا ہے ان میں سے ایک عمدۃ المتأخرین علامہ ابن عابدین المعروف بالشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں، حالانکہ وہ خود مجموعة الرسائل، ص ۱۷۹ میں لکھتے ہیں کہ مقلد کا کلام بغیر دلیل شرعی قبول نہیں ہے۔

جب شامی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ مقلد کا کلام بغیر دلیل شرعی حجت نہیں اور یہ صاحب خود بھی مقلد ہیں مع ہذا پھر حیلہ اسقاط کے متعلق مستقل تالیف کرتے ہیں، جس کا نام "منة الجليل لبيان ما على الذمة من كثير و قليل" رکھا ہے۔ تو اس سے صراحتًا یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ انہوں نے ضرور اس حیلہ اسقاط کے لئے اولاً ایک دلیل شرعی پایا ہو یا دلائل شرعیہ سے اُسے اخذ کیا ہو، پھر ہمیں نقل کیا ہو۔ حالانکہ فقہ ثمرۂ احادیث ہے۔

---

[1] (حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ، ص ۹۶)

[2] (حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ، ص ۹۷)

چنانچہ اسی صاحب نے منحۃ الخالق میں اور اسی طرح طرح علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طحطاوین میں اور صاحب در منتقیٰ و علامہ شرنبلالی وغیرہ فقہاء کرام نے ہمیں یہ حیلہ نقل کیا ہے۔ اگرچہ یہ اصحاب مجتہدین نہیں ہیں، لیکن مجتہد کے زیادہ تابعین تھے، ان سے مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی کتابیں مجتہدین کی تائید میں لکھی ہیں۔ اور انہوں نے اپنے نفوس اپنے مذہب کی تحریر و تقریر کے لئے وقف کئے ہیں۔ تو انہی حضرات پر یہ گمان نہ کیا جائے کہ انہوں نے ہمیں اپنی کتابوں میں اپنی رائے سے مسائل نقل کیے ہیں۔

فان مثل ھؤلاءِ الفقھاء الناصرین للاسلام حاشاھم ان ینقل الینا شیئًا من غیر تثبت و لا رویة و بغیر دلیل شرعی لانھم امناء الشرعیة الطاھرة و لا یظن بھم انھم عدلوا عن طریق الحق الی الباطل۔

ترجمہ: کیونکہ اس طرح فقہاء کرام جو اسلام کی مدد کرنے والے ہیں وہ ان (باتوں) سے مبراء اور بیزار ہیں کہ ہمیں کوئی چیز نقل کرے بغیر ثبوت و دلائل شرعی کے۔ کیونکہ یہ حضرات شریعت طاہرہ کے امینوں میں سے ہیں اور ان حضرات پر یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان حضرات نے راہ حق سے باطل کی طرف عدول کیا ہو۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً بدعت نہ حرام ہے اور نہ ہی ضلالت ہے بلکہ مراد من حدیث **"کل بدعة ضلالة"** سے بدعت سیئہ ہے نہ کہ بدعت حسنہ۔

کیونکہ ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

من سن سنةً حسنةً فله اجرھا و اجر من عمل بھا۔

ترجمہ: یعنی جو کوئی شخص ایک اچھا طریقہ دین میں چلائے تو اسے اس کا اجر ملتا ہے اور جو لوگ اس طریقہ پر عمل کرتے ہیں اسے ان لوگوں کا بھی اجر ملتا ہے۔ **انتھی۔**

اور یہ حدیث حقیقتًا صحیح ہے، کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہوئی ہیں، حالانکہ علماء کرام ان چیزوں کو نیک اور مستحسن قرار دیتے ہیں، **منجملہ ازین تلفظ بالنية** ہے۔ نماز کے لئے کہ فقہاء کرام اسے مستحسن کہتے ہیں **مع ذلک تلفظ بالنية** یعنی کہ میں نیت کرتا ہوں کہ مثلاً دو رکعت نماز یا چار رکعت اس حاضر وقت میں ادا کرتا ہوں، **الخ۔**

نہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے اور نہ تابعین نے کیا ہے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس شخص سے یہ سنتے تھے اس سے انکار کرتے تھے، لیکن تمام فقہاء کرام نے زبان سے نیت کو مستحب لکھا ہے اور معمول بہ ہے اور اسی طرح تشویب قرون اولیٰ میں بدعت تھی۔ جیسا کہ روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسجد میں داخل ہوئے تو کسی نے تشویب کیا تو انہوں نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ یہ مبتدع مسجد سے نکال دو، **مع ذلک** متأخرین علماء کرام تشویب کو مستحسن کہتے ہیں: **لظهور التوانی فی احکام الشرعية۔**

اعتراض ہفتم: فدیہ کا مصرف نہیں، تو لہٰذا یہ حیلہ صحیح نہیں ہے۔

الجواب: اول مناسب طریقہ یہی ہے کہ اس میں غنی[1] موجود نہ ہو، بلکہ تمام فقراء ہوں۔ البتہ اگر دائرہ میں فقراء اور اغنیاء دونوں بیٹھے ہوں تو غنی کا قبض و قبول فدیہ میں کالعدم ہوگا کیونکہ غنی اس کا مستحق نہیں ہے، بلکہ غنی پر صدقہ نفلی ہو جائے گا۔ حالانکہ صدقہ نفلی کے متعلق علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت گزری ہے کہ **الصدقة النفلية ممحاة لكثير من الذنوب المدخلة النار۔** اور فقراء کے قبض و قبول سے فدیہ ادا ہوگا۔

ایسا نہیں کہ وجود غنی سے فقیروں کا قبض درست نہ ہوا بلکہ اس کے لئے احادیث میں ایک نظیر بھی ملتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک حدیث میں جس کا آخری حصہ یہ ہے:

و دخل رسول الله ﷺ و البرمة تفور بلحم فقرب اليه خبز و ادام من أدم البيت فقال لم ار برمة فيها لحم قالوا ابلیٰ و لكن ذلك لحم تصدق به علیٰ بريرة رضی اللہ تعالیٰ عنها و انت لا تأكل الصدقة قال هو عليها صدقة و لنا هدية متفق عليه مشكوٰة باب من لا تحل له الصدقة۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور ہانڈی یعنی دیگچی میں گوشت پک رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ کو گھر کا سالن و روٹی سامنے رکھا گیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آیا اس دیگچی میں گوشت نہیں پک رہا ہے؟ گھر والوں نے کہا کہ ہاں پک رہا ہے، لیکن یہ گوشت بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو صدقہ ملا ہے۔ اور حضور ﷺ صدقہ یعنی زکوٰۃ کا گوشت نہیں کھاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (مطلب) یہ حدیث اس جہت سے نظیر ہے کہ ایک چیز تھی یعنی گوشت جو بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر صدقہ یعنی زکوٰۃ ہو گئی اور نبی کریم ﷺ پر ہدیہ ہو گئی۔ تو لہٰذا یہ مال اسقاط فقیر پر فدیہ ہوگا اور غنی پر صدقہ نفلی ہو جائے گا۔

نوٹ: بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی لونڈی کا نام ہے۔

[1] اس کی مانند ایک فتویٰ نمبر ۶۴۴۳ مفتی محمد فرید دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک کا حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب کے ساتھ موجود ہے۔

تاریخ اجراء: 26.03.21972

اعتراض ہشتم: یہ حیلہ اسقاط اگرچہ مستحسن امر ہے لیکن عوام اسے التزام کے ساتھ ادا کرتے ہیں تو لہٰذا اگر کوئی چیز نیک بھی ہو لیکن التزام کی وجہ سے بدعت و حرام ہوتی ہے، لہٰذا یہ حیلہ اسقاط نہیں کرنا چاہیئے۔

الجواب: التزام ممنوع ہے۔ لیکن التزام کے معنی سمجھیں، التزام کے معنی ہیں کہ ایک چیز کو لازم سمجھیں اور اس کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے۔ یعنی عقیدے میں اس کا لزوم سمجھے۔ اور تارک پر ملامت و لعن طعن و عیب لگائے، یہ التزام کے معنی ہیں اور جو علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ **من اصر علیٰ مندوب و لم یجعلہ رخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان** کا یہی مطلب ہے۔ کہ مندوب چیز پر اصرار کرکے کہ اس کو عقیدے میں رخصت نہ سمجھے بلکہ تارک پر ملامت اور لعن طعن کرے، یہ حقیقتاً بڑی چیز ہے۔ اور ایک نیک و مستحسن چیز پر دوام ہے کہ عقیدے میں لزوم نہ ہو اور تارک پر ملامت بھی نہ ہو۔ یہ دوام ممنوع نہیں بلکہ موجب زیادہ فضیلت و ثواب ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

خیر العمل مادیم علیہ۔

ترجمہ: بہترین عمل وہ ہے کہ جس میں مداومت کی جائے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ:

احب العمل الی اللہ ادومہ۔

ترجمہ: کہ زیادہ محبوب عمل اللہ تعالیٰ کو وہ ہے کہ جس پر دوام و ہمیشگی ہو۔

اور موطا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک حدیث نقل فرماتی ہیں:

انھا قالت کان احب العمل الیٰ رسول اللہ ﷺ الذی یدوم علیہ صاحبہ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ زیادہ محبوب عمل رسول اللہ ﷺ کو وہ تھا کہ جس پر صاحب عمل مداومت کرتے تھے۔

جیسا کہ صلحاء قیام تہجد و نوافل و وظائف کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، یہ دوام علی عمل خیر ہے نہ التزام اور اس طرح حیلۂ اسقاط پر دوام ہے، نہ کہ التزام۔ اور یہ بات ضروری ہے کہ فرق مراتب ضرور کرنا چاہیئے کہ فرض کو فرض سمجھیں اور واجب کو واجب کا درجہ دیں اور سنت کو سنت، نفل کو نفل، مباح کو مباح اور مستحسن کو مستحسن۔ ہاں اگر کوئی مثلاً علی سبیل الفریضۃ التزام

کرے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس حیلہ سے فدیہ ادانہ ہو گا۔ بلکہ اس نے حرام کیا لیکن فدیہ ادا ہو تا ہے، اسے التزام چھوڑنا چاہیئے، کیونکہ اصول کا مسئلہ ہے کہ:

ان حرمة الفعل لا تنا فی ترتب الاحکام کطلاق الحائض والوضوء باالمیاه المغصوبة والاصطیا دبقوس مغصوبة والذبح بسکین مغصوبة والصلوٰة فی الارض المغصوبة والبیع فی وقت النداء فانه یترتب الحکم علیٰ هذه التصرفات مع اشتمالها علی الحرمة۔

ترجمہ: فعل کا حرام ہونا ترتب احکام کے ساتھ منافی نہیں ہے، جیسا کہ حائضہ کو طلاق دینا اور وضو کرنا غصب شدہ پانی پر یا شکار کرنا غصب شدہ کمان پر یا ذبح کرنا غصب شدہ چھری پر یا نماز ادا کرنا غصب شدہ زمین میں یا بیع کرنا جمعہ کی اذان کے وقت کیونکہ ان سب تعرفات پر حکم نافذ و صحیح ہو تا ہے باوجو دیہ کہ سب حرام ہیں۔[1]

اعتراض نہم: اس حیلہ میں اکثر یتیموں کا مال تقسیم ہو تا ہے، لہٰذا یہ باطل ہے، تو حیلۂ اسقاط بھی باطل۔

الجواب: ہمارے علاقے میں بلکہ اکثر علاقوں میں یہ طریقہ ہے کہ اگر میت کے بچے یتیم رہ گئے ہوں تو اُن کے لئے حیلۂ اسقاط کرتے ہیں پھر تمام دائرے والے ان کو مال بخوشی واپس کر دیتے ہیں۔ یعنی میت کے لئے برائے فراغت ذمہ یہ حیلہ کرتے ہیں۔ لیکن ان یتیموں کا مال ہر گز تقسیم نہیں کرتے۔ اگر کسی علاقے میں یتیم کا مال تقسیم ہو تا ہے، تو ان کو مناسب ہے کہ یہ مال تقسیم نہ کریں، بلکہ میت کے لئے برائے فراغت ذمہ کریں۔

اعتراض دہم: جو چیز بین سنت وبدعت دائر ہو جائے اسے ترک کرنا چاہیئے، لہٰذا حیلۂ اسقاط بھی ترک کرنا چاہیئے اس قاعدہ کی روسے۔

الجواب: یہ قاعدہ مطلقاً نہیں بلکہ اسی وقت ہے، جب کہ احدھما کے لئے مرجح موجود نہ ہو اگر دلیل مرجح موجود ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے نہ کہ ترک کرنا چاہیئے۔

حدیقه شرح طریقه محمدیه میں لکھتے ہیں:

من تردد فی کون الشئی بدعة وسنة یترکها اذا لم یظهر المرجح لأحد الطرفین۔[2]

---

[1] (اصول الشاشی، ص ۷۹، فصل النهی)

[2] (حدیقه شرح طریقه محمدیه، ص ۱۰۴)

تو لہٰذا حیلہ اسقاط کے لئے دلیل مرجح موجود ہے کہ اتنی جم غفیر فقہاء سے منقول ہے، اور اصول وکتب معتبرہ سے کچھ مخالفت نہیں، فتلک العشرۃ بتلک العشرۃ۔

اور بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مروجہ طریقہ میں وصیت کی عادت نہیں تو حیلۂ اسقاط میں مال تقسیم کرتے ہیں، حالانکہ بعض ورثاء غائب ہوتے ہیں اور ان کی رضامندی نہیں ہوتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ رضا دو قسم کی ہے، ایک صراحۃً رضا، دوسری دلالۃً رضا اور اس حیلہ میں غائبین کی رضا دلالۃً موجود ہوتی ہے، اور یہ کافی ہے قرینہ اس پر یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ بعد از حیلہ اسقاط اس بارے میں گفتگو کریں تو وہ اس پر راضی اور خوش ہوتے ہیں نہ کہ ناراض۔

اور بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ:

ترک ماترکہ النبی ﷺ سنۃ کما ان فعل مافعلہ النبی ﷺ سنۃ۔

ترجمہ: یعنی جس چیز کو نبی کریم ﷺ کیا ہو اس کا کرنا ہمارے لئے سنت ہے۔

اس طرح جو چیز انہوں نے چھوڑی ہو اس کا چھوڑنا بھی سنت ہے، لہٰذا حیلہ اسقاط چھوڑنا چاہیئے۔

الجواب: اس ترک سے مراد ترک مطلقاً نہیں ہے، بلکہ وہ ترک مراد ہے کہ ایک چیز کے لئے مقتضی وباعث موجود ہو اور کچھ مانع نہ ہو تو نبی کریم ﷺ نے اسے ترک کیا ہو، تو ہمارے لئے بھی اس چیز کو ترک کرنا سنت ہے، جیسا کہ اذان برائے عیدین کیونکہ نماز عیدین کے لئے مقتضی وباعث موجود تھا اور کچھ مانع بھی نہ تھا، لیکن نبی کریم ﷺ نے نماز جمعہ کے لئے اذان پر امر کیا لیکن عیدین پر نہ کیا۔

لہٰذا ہم بھی عیدین کے لئے اذان نہیں دیں گے اور حیلۂ اسقاط کا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کچھ مقتضی وباعث موجود نہ تھا، کیونکہ اس وقت نماز وغیرہ اوامر کی زیادہ پابندی ہوتی تھی اور ترک ورکن وشرط کا زیادہ لحاظ رکھتے تھے اس لئے شاید اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حیلۂ اسقاط نہ کیا ہو۔ یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ حیلۂ اسقاط اس لئے نہ کیا کہ کہیں امت پر سنت نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں حیلۂ اسقاط ایصال ثواب کی ایک مخصوص قسم اور اس شئ کے تمام افراد ممکنہ کا ایک فرد ہے۔

اور کوئی اہل علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ عہد اسلاف میں ایصال کا رواج نہ تھا اگر کوئی ہمت کر کے ایسا کہہ دیں تو ان کے لئے راستہ صاف ہو جائے گا، کہ وہ گروہ اعتزال میں شامل ہو سکیں گے۔

الحاصل:

آپ حضرات نے نفس حیلہ کے جواز قرآن مجید و حدیث وفقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں سن لئے کہ نفس حیلہ جائز ہے، جس میں کہ ابطال حق نہ ہو۔ اور تحلیل حرام کے لئے نہ ہو، حالانکہ یہ حیلہ اسقاط جائز حیلوں میں سے ہے۔ جیسا کہ سابقاً مفصل بیان کیا گیا ہے۔

اور فقہاء کرام کی تصریحات بھی پڑھ کر اس حیلۂ اسقاط کے بارے میں شکوک کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

خصوصاً صاحب منحۃ الخالق بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

وھذہ حیلۃ شرعیۃٌ۔ کہ یہ حیلۂ اسقاط شرعی حیلہ ہے۔

اور صاحب روح البیان حنفی لکھتے ہیں:

ویعمل بالحیل الشرعیۃ بالاتفاق۔

ترجمہ: اتفاق علماء کرام اس پر ہے کہ شرعی حیلوں پر عمل کیا جائے۔

حالانکہ الصواعق الربانیہ میں صاحب الخلاصہ وبرھنہ وجامع رموز وارشاد الطالبین سے نقل کرتے ہیں:

ہر کہ از حیلہ منکر شود کافر گردد۔

ترجمہ: یعنی جو کوئی حیلۂ شرعی سے منکر ہو وہ کافر ہوتا ہے۔

دیکھئے صواعق الربانیۃ، ص ۶۴، المکتبۃ المحمودیۃ:

حالانکہ یہ حیلہ قرآن وحدیث وکتب معتبرہ سے مخالفت نہیں رکھتا ہے، بلکہ اس اعتبار سے:

ان من القواعد المقررۃ ان للوسائل حکم المقاصد فوسیلۃ الطاعۃ طاعۃ ووسیلۃ المعصیۃ معیصۃ۔

ترجمہ: قاعدہ مقررہ یہ ہے کہ وسائل کے لئے مقاصد کا حکم ہے، تو معصیت کا وسیلہ و ذریعہ معصیت ہے اور اطاعت کا ذریعہ و وسیلہ طاعت ہے۔ لہٰذا یہ حیلہ اسقاط وسیلہ و ذریعہ سبب نجات میت ہے۔ بلکہ اگر اس تمام کو نظر انداز کرے تو بھی صدقہ نفلی ضرور ہوتا ہے حالانکہ صدقہ نفلی گناہوں کو زائل کرتا ہے۔

چنانچہ عظۃ النساء میں ایک حدیث ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم وعظھن وامرھن بالصدقۃ۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو وعظ کیا اور ان کو صدقہ پر امر کیا۔

تو لفظ بالصدقہ کے تحت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح بخاری میں رقمطراز ہیں:

ای النفلیۃ لما راھن اکثر اھل النار لانھا ممحاۃ لکثیر من الذنوب المدخلۃ النار۔

ترجمہ: یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اکثر عورتوں کو اہل دوزخ دیکھا۔ تو ان کو صدقہ نفلی پر امر کیا۔ کیونکہ صدقہ نفلی بہت گناہوں کو محو وزائل کرتا ہے، جو کہ سب دخول جہنم ہے۔[1]

اور مذہب حنفی عقائد کی مسلمہ کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں:

و فی دعاء الاحیاء للأموات و صدقتھم عنھم نفع لھم خلافًا للمعتزلۃ اتفق اھل السنۃ علیٰ ان الاموات ینتفعون من سعی الاحیاء۔

ترجمہ: زندوں کا مردوں کے لئے دعا کرنا یا صدقہ و خیرات کرنا مردوں کے لئے نفع کا باعث ہے اور معتزلہ اس کے خلاف ہیں۔

امام اجل حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کو زندوں کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے۔

اور حضرت علامہ علاء الدین علی بن محمد البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں:

ان الصدقۃ من المیت تنفع المیت و یصل ثوابھا و ھو اجماع العلماء۔

بیشک میت کی طرف سے صدقہ دینا میت کے لئے نافع و مفید ہے اور اس صدقہ کا میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔[2]

اور مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ:

الصدقۃ تطفئ غضب الرب۔

کہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۹۱۱ھ شرح صدور میں فرماتے ہیں:

و أخرج الطبراني في الأوسط عن أنس سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ما من أهل بيت يموت منهم ميت فيتصدقون عنه بعد موته إلا أهداها له جبريل على طبق من نور ثم يقف على شفير القبر فيقول يا صاحب القبر

---

[1] (باب عظۃ النساء قسطلانی)

[2] (تفسیر خازن)

العمیق هذه هدية أهداها إليک أهلک فاقبلها فتدخل عليه فيفرح بها ويستبشر ويحزن جيرانه الذين لا يهدى إليهم شيء۔

علامہ طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے مر جانے کے بعد اس کے گھر والے اس کے لئے صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اس صدقہ و خیرات کو ایک نورانی طبق میں رکھ کر مرنے والے کی قبر لے جا کر کہتے ہیں کہ اے گہری قبر والے یہ ھدیہ و تحفہ تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا تو اسے قبول کر۔ وہ قبر والا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور دوسروں کو خوشخبری دیتا ہے۔ اس کے ہمسائے یعنی پڑوسی جن کو ان کے گھر والوں کی طرف سے کوئی ہدیہ نہیں پہنچتا غمگین و افسردہ ہوتے ہیں۔ [1]

جب آپ نے اس حیلۂ اسقاط کے متعلق یہ موزوں گفتگو سن لی اور یہ بھی سمجھ لیا کہ ہمارے اہل سنت والجماعت کے نزدیک صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور یہ حیلہ اسقاط صدقہ نفلی سے بالکل خارج نہیں ہوتا۔ حالانکہ صدقہ نفلی ان گناہوں کو محو کرتی ہے جو کہ سبب دخول نار ہو، تو عجیب انصاف ہے کہ حیلۂ اسقاط کے رد میں کتنی تصانیف ہوئی ہیں اور کتنی ہوتی ہیں جب کہ اس حیلہ کے مجوزین یعنی کرنے والے حضرات نہ اس حیلہ کو دین کا لازم جزء قرار دیتے ہیں، کہ مثلاً یہ فرض ہے یا واجب یا سنت۔ بلکہ ایک مستحسن بمعنی **ما استحسنه الفقهاء و العلماء** و نیک امر قرار دیتے ہیں، جو موجب نفع و فائدہ میت ہے۔ حالانکہ دنیا میں کتنی رقم **اسراف فی سبیل الشیطٰن** ہوتی ہے کتنی بے جا و محل آتشبازیوں پر روپیہ خرچ کرتے ہیں کتنی بے جا و محل بندوقیں آسمان کی طرف چلاتے ہیں۔

تجوریوں کی تجوریاں کنجریوں کی نذر ہو جاتی ہیں، یہ سارے انفاق فضول اور باعث معصیت ہیں، معترضین میں سے کسی نے بھی اس بارے میں کوئی تصنیف نہیں کی ہے اور نہ ہی کوئی دیکھنے میں آرہا ہے جو کہ اس قسم کی تصنیف کر رہا ہو۔ کہ یہ روپے انفاق فی سبیل الشیطٰن ہے۔ اس میں غائبین کی رضامندی نہیں ہے اور اس میں یتیم کی مال کی حق تلفی ہوتی ہے، اس کام سے باز آؤ، یہ بدعت ہے اور حرام ہے۔

بلکہ یہ لوگ حیلہ اسقاط پر خوامخواہ اعتراض کرنا اپنا شیوہ بنائے ہوئے ہیں حالانکہ یہ حیلہ اسقاط نہ فی نفسہ حرام ہے اور نہ مفضی الی حرام ہے۔ اور مع ذلک برائیوں میں لوگ شیطان کی راہ میں کتنا زیادہ خرچ کرنے کے عادی بن گئے ہیں۔

---

[1] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، ج ۱، ص ۳۰۰)

اگر بلحاظ مد مقابل ایک مستحسن کام میں لوگ خرچ کرنے کے عادی ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ لہٰذا اس حیلۂ اسقاط کے رد میں تالیفات کرنا محض غلط خیال ہے اور ہم نے صرف یہ گفتگو کی، کہ یہ حیلہ اسقاط حرام کام نہیں ہے۔ اور اس میں میت کو نفع حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کتاب کا نام "نفع الاموات بحیلۃ الاسقاط" رکھا۔

اور تالیف کرنے کا ارادہ اس وجہ سے کیا کہ اطفاء نار بدعت و حرمت ہو جائے اور مانعین کے تالیفات کی رو سے جو شکوک شبہات سیدھے سادے مسلمانوں کے دلوں میں پڑ گئے ہیں وہ ختم ہو جائیں۔ اور میں ناظرین کرام سے سے کامل توقع رکھتا ہوں کہ اگر وہ حضرات بنظر انصاف اس کتاب کا مطالعہ کریں تو ہرگز حیلہ اسقاط کو حرام اور بدعت نہ کہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو راہ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین! فقط والسلام مع الاکرام